بیان العارفین
و
تنبیہ الغافلین

ملفوظات سید عبدالکریم شاہ
بُلڑی والے

مرتب

محمد رضا ابن عبدالواسع

تحقیق، ترجمہ مع حواشی و حوالہ جات

ڈاکٹر عبدالغفار سومرو

اُردو ترجمہ

آغا نور محمد پٹھان

BOOKS GIVE US WINGS
NATIONAL BOOK FOUNDATION

بیانِ العارفین
و
تنبیہ الغُافلین

ملفوظات سید عبدالکریم شاہ
بُلڑی والے

تصوف پر ایک اہم کتاب

بیان العارفین و تنبیہ الغافلین

ملفوظات سید عبدالکریم شاہ بُلڑی والے

مرتب

محمد رضا بن عبدالواسع

تحقیق، سندھی ترجمہ اور تعلیقات

ڈاکٹر عبدالغفار سومرو

اُردو ترجمہ

آغا نور محمد پٹھان

نیشنل بک فاؤنڈیشن
اسلام آباد

NATIONAL BOOK FOUNDATION
کم قیمت
اور
معیاری علمی و ادبی و نصابی کتب
کی
اشاعت کا قومی ادارہ
BOOK REVOLUTION



نگران	:	ڈاکٹر انعام الحق جاوید
تحقیق و ترجمہ	:	عبدالغفار سومرو
فنی تدوین	:	پروفیسر گل احمد
اشاعت	:	اکتوبر، 2019ء
تعداد	:	1000
کوڈ نمبر	:	GNU-762
آئی ایس بی این	:	978-969-37-1073-1
طابع	:	مارشل پرنٹنگ پریس، راولپنڈی
قیمت	:	-/360 روپے

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی مطبوعات کے بارے میں مزید معلومات کے لیے رابطہ:
ویب سائٹ: http/www.nbf.org.pk یا فون 92-51-9261125
یا ای میل: books@nbf.org.pk

NBF

فہرست

پیش گفتار

نیشنل بُک فاؤنڈیشن نے 47 برس قبل فروغِ کتب بینی، فروغِ عاداتِ مطالعہ، اشاعتِ کتب اور تراجم کی شکل میں بیرونِ ملک کے زبان وادب کو چھاپنے کا جو سفر شروع کیا تھا وہ راہ داریوں، گلی کوچوں اور شہر بہ شہر ہوتا ہُوا اب میلوں کے میدانوں میں شرمندۂ تعبیر ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ کتاب اور قاری کے مابین تعلق کو پختہ تر بنانے میں این بی ایف کا کردار کامیابیوں سے آراستہ ہے۔ عام قارئین دین ودینیات، تصوف وروحانیت، ایقان وایمانیات اور اس موضوع پر کسی بھی زبان میں لکھی گئی کتابوں کو آسان اردو زبان میں پڑھنا چاہتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ''بیان العارفین وتنبیہ الغافلین'' این بی ایف کے اسی سلسلۂ اشاعت کی ایک کڑی ہے جس کے مرتب محمد رضا بن عبدالوسع ہیں اور اس کی تحقیق اور فارسی سے سندھی میں ترجمہ وتعلیقات کا کام ڈاکٹر عبدالغفار سومرو نے انجام دیا تھا۔

عظیم صوفی اور سندھی شاعر سید عبدالکریم شاہ کے ملفوظات پر مبنی اس کتاب میں تصوف کے ارتقا کی پوری فضابندی ہے اور یہ معلومات کا ایک بیش بہا خزینہ ہے۔ شاہ عبدالکریم کے دوسرے بیٹے جلال شاہ کی چوتھی پُشت میں سندھ کا عظیم شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی پیدا ہوا۔ ڈاکٹر عبدالغفار سومرو نے جس دیانت ومتانت اور عرق ریزی سے یہ تحقیق کی ہے وہ قابلِ داد ہے۔ نیشنل بُک فاؤنڈیشن کی خواہش پر جناب آغا نور محمد پٹھان نے اسے سندھی سے اُردو کے قالب میں ڈھالا ہے اور ہر ممکن کوشش کی ہے کہ فکری اصطلاحات اور واقعات کو آسان اور سلیس انداز میں پیش کیا جائے۔

اس کتاب میں فلسفۂ تصوف کی مکمل تاریخ ہے اور یہ مختلف علوم اور عربی وفارسی اور دیگر زبانوں میں فلسفے کے تحقیقی سفر کی آئینہ دار ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ عمومی قارئین، محققین اور طلبہ واساتذہ اس کتاب سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید

مینیجنگ ڈائریکٹر

تقریظ

باسمہ تعالیٰ

سنہ 1937ء میں ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم نے کتاب بیان العارفین میں شامل سندھی ابیات اور ان کے معنیٰ اور تشریح کو شائع کیا اور اس کتاب کی اشاعت سے ''بیان العارفین'' کا نام بہت مشہور ہوا مگر نام کی مشہوری کے سوا، اس کتاب کے قیمتی مواد کی اہمیت اور شاہ عبدالکریم کی عظمت سامنے نہ آ سکی۔ اس کی تلافی اب کتاب ''بیان العارفین'' کی پہلی مرتبہ مکمل طور پر صحیح سندھی ترجمے کی صورت میں اشاعت سے ہو رہی ہے۔ اصل فارسی کتاب کی طرف متوجہ ہونا، اس کی اہمیت محسوس کرنا اور اس کے سندھی ترجمے اور اس کے بعد اُردو ترجمے کا ارادہ کرنے کا سارا سہرہ محترم ڈاکٹر عبدالغفار سومرو کو جاتا ہے۔ اس سے پہلے ڈاکٹر سومرو، شاہ عبداللطیف بھٹائی کے فکر و فہم پر خاطر خواہ تحقیق کر کے، سندھ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں اور اس کامیابی نے ان کے لیے علمی تحقیق کے طور طریقے اور اعلیٰ فکر و فلسفے کے تجزیے کی راہ روشن کی۔ اپنی اعلیٰ صلاحیت سے موصوف نے، بیان العارفین کے سندھی ترجمے اور میاں شاہ کریم کی صوفیانہ فکر کو اعلیٰ معیار کے مطابق قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔

کتاب کا مقدمہ ڈاکٹر موصوف کے اعلیٰ تنقیدی شعور اور بصیرت پر گواہ ہے۔ اس میں زیرِ بحث آنے والے سارے ذیلی موضوعات معلومات سے معمور ہیں مگر ان میں سے دو خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک ''بیان العارفین میں صوفی فکر اور ان کے ماخذات'' اور دوسرا ''شاہ کریم کا عرفان۔'' پہلے میں سندھ میں صوفیانہ فکر کا تاریخی پس منظر اُجاگر ہو رہا ہے اور دوسرے میں سے صوفیانہ فکر کا پرتو روشن ہو رہا ہے۔ اس لحاظ سے سندھ میں صوفیانہ فکر کی تاریخ اور ترویج میں یہ مقدمہ ایک دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ، متن کے آخر میں دیئے گئے تشریحی حوالہ جات، اعلیٰ علمی تحقیق کا عکس ہیں جن کے مطالعے سے پڑھنے والوں کی معلومات میں مزید اضافہ ہوگا۔

اس کتاب کے شائع ہونے سے پہلی بار میاں شاہ کریم کی ذاتی اور فکری عظمت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ یہ عظمت آج سے چار سو سال پہلے والے سندھ کے مثالی فرد کی ہے جو اس وقت کے بڑے عیال والے

والد ہیں۔ ذریعۂ معاش کے لیے کھیتی باڑی کرنے والے ہاری، غریبوں کے ہمدرد اور حال بھائی نظر آتے ہیں۔ مظلوموں کے مددگار اور ان کے لیے اہلِ اقتدار کے پاس حق کی سفارشات کرنے والے۔ صالحین کے لیے دینی اور روحانی رہبر اور مرشد تھے اور سالکانِ طریقت کے لیے صوفیانہ فکر کے شارح ہیں، اور ذاتی طور پر صوفی باصفا و عارفِ باعمل تھے۔

معاصرانہ روایت [ص43] کے مطابق شاہ عبدالکریم نے فقط قرآن شریف کے دو پارے پڑھے تھے، باوجود اس کے، ان کے ملفوظات اور توضیحات میں، عربی اور فارسی عبارتیں اور تصوف کے اہم کتابی ماخذات کی اعلیٰ معلومات کی مثالیں موجود ہیں۔ بے شک یہ ان کی ایک ذاتی صلاحیت اور افضلیت کا پیمانہ تھا، لیکن اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت سندھ میں شروعاتی مکتبی تعلیم کتنی معیاری تھی اور بیرونی ماحول بھی بڑا فیض والا تھا۔

بیان العارفین میں میاں شاہ عبدالکریم کے ہمعصر درویشوں اور اس سے پیشتر عارفوں کے متعلق کافی مواد موجود ہے جس کے مطالعے سے اس دور کے معاصرانہ ماحول سے شناسائی ہوسکتی ہے۔ میاں شاہ کریم کی زبان سے جن بزرگوں اور مقامات کے نام بیان ہوئے ہیں ان کے متعلق مزید معلومات مہیا کرنے سے اس تحقیقی کام کا دائرہ بڑھایا جاسکتا ہے مثلاً شاہ عبداللطیف بھٹائی کے رسالے اور سوانح پر تحقیق کرتے وقت راقم کو ''بیان العارفین'' میں شامل کچھ ناموں کے متعلق مندرجہ ذیل معلومات ملی ہیں۔

- حسین گاڈر {ص125} گاڈر فقیر کا مقام، میرپور بھٹورو سے 12 میل جنوب مشرق کی طرف گونگڑو کے پاس ہے جہاں سالانہ میلہ لگتا ہے۔
- پیر لاکھو {ص368} جاتی کی طرف ہے۔

سید جعفر {ص19} بڈھو تاپیر شہر کے شمال مغرب کی طرف ہے جہاں سالانہ میلہ لگتا ہے۔

سید لال شاہ {ص380} ''لال کے نام سے دو مقامات: ایک لال چھتو، رڑی کے جنگلات کے شمال میں ہے دوسرا لال محمودانی، میاں حسن علی سے مشرق کی طرف جہاں میلہ لگتا ہے۔

- لدھو فقیر {ص292}، شیخ لدھو فقیر میرپور بٹھورو سے ۸ میل کے فاصلے پر جنوب مغرب کی طرف جاڑیجو قبیلے کا ایک گوٹھ ہے جو میرپور بٹھورو سے ۳ میل شمال کی طرف ''بگوشیر'' کا مقام ہے جہاں شاہ عبدالکریم نے چلّہ کاٹا تھا۔
- ڈبی گوٹھ {ص294} یہ کھوڑواہ سے مشرق کی طرف ۱۲ میل کے فاصلے پر دیہ داسڑکی میں ہے جہاں ڈبی والے داسڑے رہتے ہیں۔

- ڈنڈی {ص315} اور ڈاڈون {ص360} ص20, یہ دونوں گاؤں ٹنڈو محمد خان سے بُلڑی شاہ کریم کی طرف جانے والی شاہراہ پر دائیں طرف موجود ہیں۔
- رادھن گوٹھ {ص331} رادھوڑی گوٹھ جو بُلڑی سے ۲ میل شمال کی طرف ہے۔
- رابوٹ {ص138, ص315} بنوشہر سے ۲ میل مشرق کی طرف موجود ہے۔
- لنڈان {ص331} غالباً ماتلی سے شمال مشرق کی طرف جہاں دیہ لنڈانا ہے۔
- کاتیار گوٹھ {ص379، ص302} بُلڑی سے شمال کی طرف کاتیاروں کے تین گاؤں ہیں جھنگ کاتیار، مُلا کاتیار اور عبدالرحیم کاتیار۔
- گوٹھ مناہر بیجی {ص313} یہ گاؤں کھوراوہ سے 15 میل جنوب مشرق کی طرف ہے۔ ''مناہر بین جت قبیلے کی ایک شاخ ہے جو شاہ عبدالکریم کے مرید ہیں۔''
- بُلڑی {ص334، ص308} بھورو سے 4 میل شمال کی طرف جہاں ریت کے ٹیلے ہیں۔

اوپر دیئے گئے سب کے سب گاؤں بُلڑی کے آس پاس ہیں جن کی پہچان سے میاں شاہ کریم کے آمدورفت والے قریبی علاقے کا نقشہ نمایاں ہوتا ہے۔ زیادہ اہم تحقیق ان بزرگوں کے گاؤں اور اُن کی باتوں کی مزید معلومات سے ہوگی جن کے نام بیان العارفین میں آئے ہیں۔ کتاب کا عالمانہ مقدمہ تحقیق مطالعے کا دروازہ کھولتا ہے۔

اس کتاب کی ابتدائی تیاری، کمپوزنگ اور بٹر پیپر کے مرحلوں تک ''علامہ قاضی رسالے کے منصوبے اور اشاعت'' کی امداد سے ہوئی ہے۔ کتاب کی چھپائی کے اخراجات حکومتِ سندھ کے محکمۂ اوقاف کی دی ہوئی گرانٹ سے مکمل ہوئی جس کے لیے محترم شیخ قبول احمد، چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف سندھ کا تعاون شاملِ حال رہا۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ شاہ عبداللطیف کے رسالے کے نایاب پہلے بمبئی ایڈیشن کی اشاعت کے بعد یہ دوسری اہم کتاب ہے، جو حکومتِ سندھ کے محکمۂ اوقاف اور علامہ آئی آئی قاضی چیئر کی مشترکہ کوشش سے شائع ہو رہی ہے۔

دستخط
(ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ)
چیئرمین علامہ آئی آئی قاضی چیئر
سندھ یونیورسٹی اولڈ کیمپس
حیدرآباد سندھ

ذوالحج ۱۴۲۲ھ ۲۸ فروری ۲۰۰۲ء

تعارف

شاہ عبداللطیف بھٹائی کے متعلق مشہور روایت ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے ساتھ قرآن پاک کے علاوہ مثنوی رومی اور شاہ عبدالکریم بُلڑی والے کے ملفوظات ''بیان العارفین'' رکھتے تھے۔ اس حقیقت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جب میں نے شاہ عبداللطیف کی فکر پر ڈاکٹریٹ کے لیے مقالہ بعنوان ''شاہ عبداللطیف کی صوفیانہ فکر اور مولانا رومی'' تحقیق کا آغاز کیا تو انہی کتابوں کو بنیادی ماخذ کی حیثیت سے سامنے رکھا۔ مولانا روم کی مثنوی فارسی کے علاوہ دنیا کی ہر مہذب زبان میں دستیاب ہے لیکن سوال یہ تھا کہ بیان العارفین جو ابھی تک قلمی صورت میں ہے، وہ کہاں سے ملے گی؟ کافی وقت تک میں نے اپنا مطالعہ علامہ داؤد پوتہ کے ''شاہ عبدالکریم بُلڑی وارے جو کلام'' تک محدود رکھا جو انھوں نے سال ۱۹۳۸ میں بیان العارفین کے تین قلمی نسخوں کا تقابلی مطالعہ کر کے مرتب کیا تھا اور خود لکھا تھا کہ انھوں نے ساری توجہ شاہ کریم کے ابیات کے صحیح متن پر صرف کی لیکن اس کے ساتھ خود بیان العارفین میں سے کچھ ملفوظات جو ابیات کے ساتھ مناسبت رکھتے تھے، ان کا انتخاب و ترجمہ کر کے شامل کرنے پر اکتفا کیا۔ اس کتاب کا نظرِ ثانی شدہ ایڈیشن سال 1958 میں دوبارہ شائع ہوا۔ آخری مرتبہ یہ کتاب بھٹ شاہ ثقافتی مرکز کی طرف سے ۱۹۷۷ میں شائع ہوئی۔

علامہ داؤد پوتہ کے بعد ''کریم جو کلام'' کچھ مزید تحقیق کے ساتھ سال ۱۹۶۳ میں میمن عبدالمجید سندھی نے سکھر سے شائع کروایا۔ میمن صاحب نے اُس کے بعد بیان العارفین کے منظوم قدیم سندھی ترجمہ جو ''کاٹھ بانھن'' نے سنہ ۱۲۱۳ھ میں مکمل کیا تھا، کو موضوع بنا کے سندھ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور اسی تحقیق کے آئینے میں ''کریم جو کلام'' سندھی اکیڈمی لاڑکانہ کی طرف سے ۱۹۷۶ میں نئے سرے سے مرتب کر کے شائع کروایا۔ نئی تحقیق کے دوران میمن صاحب نے ایک سے زیادہ قلمی نسخوں کو پیشِ نظر رکھا اور اپنی اس نئی کتاب میں پہلے سے زیادہ مواد شامل کیا لیکن پھر بھی بیان العارفین کا مکمل مواد سندھی میں نہ لا سکے اور نہ ہی اس کا کوئی سبب بیان کیا۔ اس صورت میں یہ بات میرے لیے مزید اشتیاق کا سبب بنی کہ اصل کتاب کو ضرور دیکھنا چاہیے کہ اس میں کس طرح کا مواد شامل ہے؟ بالآخر میمن صاحب کے لکھے

ہوئے مقدمے کی نشان دہی پر میں نے وہ قلمی نسخہ حاصل کر لیا جو اُن کے زیر مطالعہ رہا تھا۔ یہ قلمی نسخہ منصورہ لائبریری کی ملکیت تھا جو ۱۲۲۳ھ میں کاتب محمد صالح نے لکھا تھا۔ اسی نسخے کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ علامہ داؤد پوتہ نے یا میمن عبدالمجید سندھی نے اصل کتاب کا چوتھا یا پانچواں حصہ بھی سندھی میں مشکل سے منتقل کیا تھا کیونکہ ان کی ساری توجہ شاہ عبدالکریم کے سندھی کلام کو صحیح صورت میں مرتب کرنا تھا۔

بہر حال ہمارا موضوع شاہ عبداللطیف کی فکر کو شاہ کریم کے حوالے سے سمجھنا اور ان کی تشریح کرنا تھا جس کے لیے شاہ کریم کے ابیات کے سوا اس دوسرے مواد کا مطالعہ بھی بے حد ضروری تھا۔ بیان العارفین کے سرسری مطالعے سے معلوم ہوا کہ ان میں واقعی تصوف کے بنیادی تصورات کی تشریح موجود ہے اور ان میں سے شاہ کریم کی فکر اور عرفان کو اچھے طریقے سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کتاب سندھ میں تصوف کے ارتقا کی اہم کڑی ہے جس سے شاہ عبداللطیف کے فکری ارتقا اور تصوف کو سمجھنے میں بڑی مدد مل سکے گی۔

بیان العارفین پر یہ تحقیق چل رہی تھی کہ معلوم ہوا کہ اس کتاب کا نہایت معتبر اور صحیح نسخہ سید علی میر شاہ (جونا گوٹھ ضلع بدین) کے پاس ہے۔ شاہ صاحب نے ذاتی دوستی اور علمی ذوق کے باعث یہ نسخہ کچھ وقت کے لیے ہمارے حوالے کرنا قبول کیا۔ یہ نسخہ ۱۲۲۷ھ میں ضیاالدین بن گل محمد نے ۲۹ رمضان المبارک میں مکمل کیا تھا۔ کتاب کے آخر میں شاہ کریم کا خاندانی شجرہ اور سلسلہ بھی شامل ہے۔ ورق گردانی سے معلوم ہوا کہ یہ نسخہ واقعی بہترین اور نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے جو منصورہ والے نسخے سے ۱۵ سال قبل کا لکھا ہوا ہے۔ اسی جستجو کے دوران ایک تیسرا ناقص الاول والآخر قلمی نسخہ پیر گوٹھ کے راشدی خاندان محترم صفی اللہ عباسی کی معرفت سے ملا۔ بہر حال ان تینوں نسخوں میں سید علی میر شاہ والا نسخہ مکمل، نہایت عمدہ اور ہر لحاظ سے بہتر ہے۔

جب یہ ساری حقیقت میں نے سندھ کے نام ور ادیب اور عالم اور شاہ عبداللطیف کے فاضل محقق ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کو بتائی تو انھوں نے بھی اس کی ضرورت کو شدت سے محسوس کروایا اور کہا کہ بیان العارفین کا مکمل سندھی ترجمہ شائع ہونا چاہیے بلکہ یہ اُس سے پہلے ''شاہ جو رسالو'' کے ماخذ کے طور پر سامنے آنا چاہیے تھا۔ مزید اس بات پر بھی اتفاق ہوا کہ اس کتاب کی غیر معمولی اہمیت کے سبب اصل فارسی متن کو بھی سندھی ترجمے کے ساتھ شائع کیا جائے تاکہ یہ کتاب ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو سکے۔ پہلے یہ کام محترم صفی اللہ کے حوالے کرنے کی کوشش کی گئی لیکن کچھ وقت گزرنے کے باوجود کچھ مجبوریوں کی وجہ سے وہ

اس کام کو سرانجام نہ دے سکے جس کی وجہ سے یہ کام میں نے سرانجام دیا شاید اس لیے کہ اس سارے کام کی تحریک مجھ سے ہی شروع ہوئی تھی تاہم مجھے اپنی فارسی دانی پر اتنا اعتماد نہیں تھا مگر شاید یہ سب کچھ غیر معمولی دل چسپی کی وجہ سے ممکن ہوسکا۔

اس سلسلے میں دوسری نہایت اہم کتاب جس کو میں نے ترجمہ کرتے وقت سامنے رکھا اور جس سے مقامات، خاندان اور آدمیوں کے نام سمجھنے میں مدد مل سکی، وہ بیان العارفین کا قدیم سندھی میں منظوم ترجمہ تھا۔ اسے عبدالرحمان بن محمد ملوک کاٹھ بانبھن نے ۱۲۱۳ھ میں مکمل کیا تھا۔ آگے چل کر یہی ترجمہ ۱۲۹۳ھ میں مخدوم عبدالصمد نورنگ پوتہ مطبع مرغوب ہردیار، بمبئی سے چھپوا کر منظرِ عام پر لائے۔ یہ کتاب علامہ داؤد پوتہ نے شاہ کریم کا کلام مرتب کرتے وقت استعمال کیا۔ میں نے بھی اس کتاب سے استفادہ کیا مگر ان میں کچھ مقامات پر چند ایک نقول چھوڑی گئی ہیں اور کہیں کہیں تھوڑا بہت اضافہ کیا ہوا ہے، اس طرح اس میں سے کچھ ابیات غائب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے سارا دارومدار سید علی میر شاہ صاحب والے نسخے پر رکھا ہے جو ہر لحاظ سے معیاری ہے اور اس اصل فارسی نسخے کا عکس اس کے ساتھ چھاپ دیا گیا ہے۔ منصورہ والا نسخہ بھی کئی جگہوں پر ناقص تھا اس لیے اس کے اختلافی مواد کو نظرانداز کیا گیا جو ویسے بھی بہت کم ہے البتہ عکسی کتاب کے آخر میں منصورہ والے قلمی نسخے میں شاہ عبدالکریم سے لے کر شاہ عبداللطیف تک، فاضل مؤلف نے ۲۹۷ اشعار پر مشتمل منظوم احوال کے ساتھ اس کا عکس بھی دیا ہے تاکہ وہ اصل متن بھی محفوظ رہ سکے۔

آخر میں اُن تمام احباب کا میں دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں جنھوں نے اس کام میں میری مدد کی اور اس تاریخی کام کو سرانجام دینے میں میری ہمت افزائی کی۔ اس میں خاص طور پر ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، صدر علامہ آئی آئی قاضی میموریل سوسائٹی ہیں جنھوں نے کتاب کے مسودے کو دیکھا اور قدم بہ قدم میری رہنمائی کی۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی لازم ہے کہ اس کتاب کے ابتدائی مرحلے میں علامہ قاضی سوسائٹی کا تعاون حاصل رہا۔ جناب سید علی میر شاہ صاحب نے اپنے خاندان کی طرف سے بیان العارفین کا نسخہ دے کر اس کام کو مکمل کرنے کا موقع بخشا۔ قاضی شوکت علی (پرانہ ہالہ والے) اور برادرم سلیم اللہ صدیقی پاٹائی بھی میرے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جنھوں نے اپنے کتب خانے سے مستفید ہونے کا بھرپور موقع دیا۔ میں حکومتِ سندھ کے محکمہ اوقاف کے ہردل عزیز منتظم محترم قبول احمد شیخ کا نہایت شکرگزار

ہوں۔انھوں نے اس کتاب کی تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر محکمہ اوقاف کے تعاون سے اس کو شائع کرنے کی ذمہ داری اٹھائی۔

ڈاکٹر عبدالغفار سومرو
۱۲۔مہمان خانہ، پشاور صدر، پاکستان
مورخہ ۱۔ذوالحج ۱۴۲۲/ بمطابق
۱۳ فروری ۲۰۰۲ء

مقدمہ

شاہ عبدالکریم ۲۰ شعبان ۹۲۲ھ/ ۱۵۳۸ء کو مٹیاری شہر میں پیدا ہوئے اور ۸ ذوالقعد ۱۰۳۲ھ/ ۱۹۲۳ء کو اپنے گاؤں بلڑی میں وفات پائی۔ اس کتاب ''بیان العارفین'' کی خاص اہمیت یہ ہے کہ اسے شاہ کریم کے ایک فاضل معتقد محمد رضا بن عبدالواسع داروغہ گھر نے جو ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے، شاہ کریم کی وفات کے چھ سال بعد ۱۰۳۸ھ/ ۱۹۲۹ء میں لکھ کر مکمل کیا۔ اس لحاظ سے یہ ایک انتہائی مستند تذکرہ ہے۔ اس کتاب میں شاہ کریم کے خاندان کا مختصر اور ان کی زندگی کا مفصل احوال دیا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ تعلیمات اور ہدایات، صوفیانہ اور عارفانہ اقوال اور اپنے مریدوں کے سامنے یا دوسرے بزرگوں سے ملاقاتوں یا مجلسوں میں کی گئی گفتگو شامل ہے۔ اس کے علاوہ شاہ کریم کا شجرۂ نسب اور سلسلۂ طریقت بھی شامل کیے گئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں شاہ کریم کی اولاد کا ذکر بھی کیا گیا ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ شاہ کریم کے آٹھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ شاہ کریم کی وفات کے بعد چوتھا بیٹا میاں دین محمد گدی نشین ہوا اور دوسرے بیٹے جلال شاہ کی چوتھی پشت میں سے سندھ کا عظیم شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی پیدا ہوا۔

بیان العارفین میں شاہ کریم کی زندگی کے متعلق جن خاص باتوں کا پتہ چلتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) شاہ کریم کی تربیت اُن کی والدہ ماجدہ نے کی کیونکہ وہ ابھی چھوٹے بچے تھے کہ ان کے والد وفات پاگئے۔

(ب) شاہ کریم نے بچپن میں ابتدائی تعلیم پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔

(ج) شاہ کریم بچپن ہی سے اپنی طبیعت میں سماع کی طرف مائل تھے، حتیٰ کہ وہ پڑھنا چھوڑ کر سماع میں شریک ہوتے تھے۔

(د) جوانی میں وہ خود بھی سماع میں حصہ لیتے تھے۔ ایک دن ایسی ہی محفل میں مشغول تھے کہ ان کے بڑے بھائی نے اُنھیں وہاں سے اٹھایا اور قاضی کے سامنے لاکر ان کا نکاح پڑھا دیا۔

(ھ) جب تک ان کے بڑے بھائی سید جلال زندہ تھے تب تک شاہ کریم گھریلو ذمہ داریوں سے آزاد تھے اور زیادہ وقت سماع اور ذکر کی محفلوں میں گزارتے تھے۔

(و) ایک دوحوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے بہت سیر وسیاحت کی۔ وہ گجرات کے شہر احمد آباد میں بھی گئے تھے جہاں وہ سماع اور ذکر کی محفلوں میں شریک ہوا کرتے تھے اور وہاں ہی انھوں نے ہندی شعر سنے جن میں سے کئی بیان العارفین میں شامل کیے گئے ہیں۔

(ز) شاہ کریم نے محنت مشقت کی اور نہایت کٹھن زندگی گزاری۔ اپنی کھیتی باڑی خود کرتے تھے بلکہ گھر کا کام کاج بھی خود کرتے تھے۔ وہ اپنے گھر والوں اور بچوں کے لیے کبھی کبھار چاول وغیرہ بھی خود پکایا کرتے تھے۔

(ح) اگرچہ شادی کے بارے میں صوفیا کا نظریہ کسی حد تک غیر روایتی رہا ہے لیکن شاہ کریم کی شادی کے بارے میں خیالات زیادہ سخت اور منفرد تھے۔

(ط) شاہ کریم نے صوفیا کی طرح معمول کے مطابق عبادت کے علاوہ سخت ریاضتیں بھی کیں اس کتاب میں اس سلسلے میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ شاہ کریم اپنے دن اور رات کس طرح اور کون سی مصروفیات میں گزارتے تھے۔

(ی) اُنھیں سماع سے فطری اور غیر معمولی لگاؤ تھا، اس قدر کہ جب کہیں قوال یا ذاکر سے کوئی اعلیٰ معانی اور خوب صورت شعر سنتے تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور اکثر اپنے اوپر اوڑھی ہوئی چادر انعام کے طور پر دے کر محفل سے اٹھتے تھے یعنی کبھی بھی کسی قوال کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیتے تھے۔

(ق) شاہ کریم اسلام کے اوائلی صوفیائے کرام کے زہد اور تقویٰ کی اعلیٰ مثال تھے۔ کم بولنے، کم کھانے اور کم بات کرنے والے اصول کا عملی نمونہ تھے اور ان کی زندگی اعلیٰ انسانی اخلاق اور آدرش کی مثال تھی۔ آپ نے بغیر کسی دعویٰ کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی عملی تعبیر پیش کرنے کی کوشش کی۔ آپ بہت سادہ کھاتے تھے۔ اکثر دن روزے اور فاقے میں گزارتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ان کے گھر میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا مگر عین اُس وقت اگر کوئی سائل آکر کچھ مانگتا تھا تو خود کو تو چھوڑیں، گھر والوں کو بھی بھوکا رکھ کر سائل کی مدد کرتے تھے۔

(ل) شاہ کریم کا زمانہ ارغونوں اور تُرخانوں کے ظالمانہ جبر واستبداد کا زمانہ تھا مگر جب بھی کوئی ستایا ہُوا مظلوم آپ کے دروازے پر آتا تھا تو خود اس کی دادرسی کے لیے اس کے ہمراہ حکمرانوں

کے ایوانوں تک چلے جاتے تھے۔اس سلسلے میں آپ اُس شخص کے پاس بھی بار بار جانے سے نہیں کتراتے تھے، جس نے پہلے کام کرنے سے بہانے بنانے کی کوشش کی تھی۔آپ اس چیز کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

(م) شاہ کریم کے اس وقت کے عالموں اور بزرگوں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے اور خاص طور پر مخدوم نوحؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ بیان العارفین کے مطابق ہر چند کہ بہ ظاہر سلطان ابراہیم بہاری سے قادری طریقے سے ذکر کی تلقین لی تھی مگر اصل میں شاہ کریم اویسی سلسلے کے بزرگ تھے، جیسا کہ شاہ لطیف کے سوانح نگار سانگی نے خود لکھا ہے کہ شاہ کریم سے لے کر شاہ لطیف تک یہ خاندان قادری سلسلے سے منسلک رہا، تاہم شاہ لطیف نے خود اویسی کہلانے کو پسند کیا۔مخدوم محمد معین ٹھٹوی کے ساتھ خط وکتابت اس بات کا ثبوت ہے۔

مجموعی طور پر بیان العارفین سے یہ تاثر ملتا ہے کہ شاہ کریم نے بھرپور عملی زندگی گزاری جس میں انسانی ہمدردی اور اعلیٰ اخلاق کی کئی مثالیں موجود ہیں بلکہ ان کی زندگی میں تصوف سے متعلق اس عام منفی رائے کی تردید ہوتی ہے، جس کے مطابق صوفیا کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا رہا ہے کہ وہ عمل کی دنیا سے الگ ہوکر خانقاہوں میں پناہ لیتے ہیں اور دوسروں کے دیئے ہوئے مال پر گزربسر کرتے ہیں۔مطلب یہ تصوف کے اصول کسی بھی مرحلے میں اُن کے عمل میں کوئی رکاوٹ نہ بنے۔اُنھوں نے نہ صرف خود اس پر عمل کر دکھایا بلکہ دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے رہے کہ انسان کا عمل اور کردار اس کی اصل قدر اور پہچان ہے۔

شاہ کریم کی سماع کی روایت

صوفی ادب اور تذکروں میں سماع اور ذکر کا تذکرہ عام ہے جن میں صوفیا کی اولین تصنیفات ابونصر سراج کی کتاب اللمع (۳۷۸ھ)، ابوطالب مکی کی قوت القلوب، (۳۸۲ھ) کلابازی کی کتاب التعرف (۳۸۰ھ)، داتا علی ہجویری کی کشف المحجوب (۴۶۵ھ) قشیری کا رسالہ قشیریہ اور امام غزالی کی علوم الدین شامل ہیں۔اسی طرح ساتویں صدی ہجری یا پھر تیرھویں صدی عیسوی میں لکھے ہوئے شیخ شہاب الدین سہروردی کے عوارف المعارف میں سماع پر بھی پورا باب موجود ہے۔برصغیر پاک وہند میں سب سے پہلے چشتی سلسلے کے بزرگوں کے یہاں اور اس کے بعد سہروردیوں کے ہاں سماع کو اہم حیثیت حاصل رہی ہے۔ان تمام تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی صوفیائے کرام کبھی کبھی سماع کے دوران

جذب و سلوک کے غلبے کے سبب اس فانی دنیا کو چھوڑ کے واصل باللہ ہو گئے۔ حضرت ہجویری نے کشف المحجوب میں اپنا آنکھوں دیکھا ایک ایسا ہی واقعہ بیان کیا ہے:

چشتی سلسلے کے مشہور بزرگ بختیار کاکیؒ کے بارے میں مستند روایت ہے کہ جب مندرجہ ذیل شعر سنا تو ان پر ایسا حال طاری ہوا جو مسلسل تین دن تک رہا اور وہ اس کے بعد اسی حال میں فوت ہو گئے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را،
ہر زمان از غیب جانے دیگر است

ترجمہ: تسلیم کی چھری سے کٹے ہوئے کو ہر گھڑی غیب کی طرف سے ایک نئی زندگی ملتی ہے۔

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (۹۹۱ھ) کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ سماع سنتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ رومی قوال ملتان آیا اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ ان کی قوالی شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی بھی شوق سے سنتے تھے، یہ سن کر شیخ نے فرمایا: کہ پھر تو زکریا بھی یہ راگ ضرور سنے گا۔ قوال نے عشاء کی نماز کے بعد قوالی شروع کی جس میں یہ بند بار بار دہرایا:

مستاں کہ شرابِ ناب خوردند،
از پہلوئی خود کباب خوردند

ترجمہ: ان مستوں نے جنھوں نے خالص شراب پی ہے، اُنھوں نے اپنے ہی جسم کے کسی حصے کو کباب کر کے کھایا ہے۔

سندھ میں تصوف کی تاریخ میں نویں صدی ہجری یا ۱۵ ویں صدی عیسوی میں درویش احمد تھے جو بالکنڈی کے رہنے والے تھے۔ ایک مرتبہ جب وہ نیروں کوٹ میں سماع کی محفل میں تھے اور اُنھوں نے جب یہ شعر سنا تو ان کی روح پرواز کر گئی۔

سڏ سڻي پرينءَ جو وانگي جان نه ورن
ڪوه ڪبو ڪي تن، سڀي سڻائي ڳالهڙي

ترجمہ: جو لوگ محبوب کی صدا سُن کر فوری طور پر نہیں لپکتے، ان کو پوری کہانی سنانے کا کوئی فائدہ نہیں۔

بیان العارفین سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کریم کا جوانی سے ہی سماع کی طرف فطری رجحان تھا بلکہ اس کتاب میں اُن کی زندگی کا پہلا بڑا واقعہ بتایا گیا ہے۔ اُن کے بڑے بھائی اکثر اُن کو سماع کی محفلوں سے زبردستی گھر لے جاتے تھے۔ اسی طرح جب ان کی شادی کی گئی تب بھی وہ ایک ایسی ہی سماع کی محفل میں

شریک تھے۔ اس سے پہلے جب وہ سماع کی محفل میں موجود تھے تو ان کے بڑے بھائی میاں جلال نے اُنھیں پکڑ کر قاضی صاحب کے سامنے پیش کیا تا کہ اُن کا نکاح پڑھایا جائے۔ سماع سے بے حد لگاؤ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ آخر میں یہ کہتے تھے کہ دوسرے لوگوں نے دنیا کے دوسرے فن اور ہنر سیکھے مگر میں نے کچھ بھی نہ سیکھا سوائے سماع کے۔ گیارھویں صدی کے شروع میں لکھی ہوئی ''تاریخِ معصومی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں صوفیانہ سماع کا بہت زور تھا۔ بہرحال شاہ کریم کی زندگی میں سماع کی غیر معمولی اہمیت کے سبب ہی اس کتاب میں ایک پورا باب سماع پر موجود ہے۔ شاہ کریم سماع کے بڑے قدردان تھے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ جب بھی سماع کی محفل ختم ہوتی تھی وہ قوال کو کچھ نہ کچھ ضرور دے کر اُٹھتے تھے بلکہ ایسا بھی ہوا کہ ایک مرتبہ بدن پر صرف ایک قمیض تھی وہ بھی اُتار کر قوال کو دے دی۔ دراصل اس کی روایت صوفیا کی شکل میں موجود ہے جس میں سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ عمل ہے جب آپؐ نے خود کعب بن زہیر کا ''قصیدہ بانت سعاد'' سننے کے بعد اپنے کندھوں پر اوڑھی ہوئی چادر اُتار کر انعام کے طور پر ان کو دی تھی۔

بیان العارفین کے مطابق شاہ کریم اکثر خود سماع کرتے تھے یا خود سماع میں حصہ لیتے تھے۔ یہ سماع کا شوق ہی تھا جو ان کو گجرات اور احمد آباد لے گیا۔ وہاں پر اُنھیں ہندی دوہوں اور ابیات سننے کا اتفاق ہوا۔ شاہ کریم کے نزدیک سماع کی حیثیت ذکر کی طرح تھی۔ ابو طالب مکی ''قوت القلوب'' میں لکھتے ہیں کہ سماع ذکر کی صورت ہے بشرطیکہ اُس سے خدا کی طرف رجوع ہو۔ شاہ کریم سے روایت ہے کہ ایسا کئی مرتبہ ہوا کہ کسی سماع کے دوران کوئی شعر سننے سے اُن پر حال یا وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور کچھ دیر کے بعد جب ہوش میں آتے تھے تو پھر سماع میں مشغول ہو جاتے تھے۔ بیان العارفین سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں سماع کو جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت تصور کیا جاتا تھا۔ آپ اپنے معتقد مریدوں کو بھی سماع میں حصہ لینے کی ہدایت فرماتے تھے اور ان کو یہ بات بالکل اچھی نہیں لگتی تھی کہ کوئی مرید سماع کو درمیان میں چھوڑ کر چلا جائے۔ اس سلسلے میں وہ کہتے تھے ''سماع کے تمام آداب پوری طرح ادا کرو۔'' بہرحال سندھ میں صوفیانہ سماع کی روایت جو شاہ کریم کے پاس ملتی ہے اس کو شاہ عبداللطیف بھٹائی نے نہایت منظم طریقے سے جاری رکھا بلکہ اسے عروج پر پہنچایا۔

حکایات میں حقیقت کا پہلو

عام طور پر سوال کیا جاتا ہے کہ تصوف جدید دور کے انسان کے لیے کس طرح مفید ہے؟ یہ سوال اس

پس منظر میں کیا جاتا ہے کہ صوفیانہ ادب میں زیادہ تر ایسی حکایات، منقولات اور واقعات بیان کیے گئے ہیں جو عقل سے بالا یا بعید از قیاس سمجھے جاتے ہیں۔ اس کا ایک سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ خالص عقل کے ذریعے حقیقت کو سمجھنے والوں کی تعداد کسی بھی دور میں بہت کم یا نہ ہونے کے برابر رہی ہے۔ یہی سبب ہے کہ دنیا میں تمام مذہبی اور اعلیٰ ادب میں ابلاغ کا مؤثر طریقہ تمثیل، نقلِ نظیر اور کہانیاں رہی ہیں ان میں اکثر باتیں فقط نصیحت کی غرض سے بیان کی گئی ہیں۔ اصل مقصد انسان کی رہنمائی کرنا اور اسے نیکی اور بدی کی تمیز دلانا ہے۔ بنیادی سوال نصیحت کا ہے اور اس کے لیے مابعد الطبیعیاتی یعنی عقل سے ماورا طریقوں کی ضرورت ہے۔ انسانی تاریخ اور فکر کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ یہ کام مابعد الطبیعیاتی طریقے کے بغیر ممکن نہیں۔

اسی پس منظر میں دیکھا جائے تو اوائلی دور کے دیو، پریوں کی کہانیاں اور جانوروں یا پرندوں کی کہانیاں انسانی نفسیات کے عین مطابق تھیں لیکن جیسے ہی انسان نے فکری ارتقا کے مراحل طے کیے تو اُس کا موضوع براہِ راست انسان خود بن گیا۔ یہ بات سب سے زیادہ صوفیانہ ادب پر صحیح صادق آتی ہے کہ جہاں ہر بات کا محور انسان کی اپنی ذات اور اس کا شعور ہو۔ وہ اس کی ذات کا شعور ہی ہے جو اُسے خدا کی ذات کا شعور عطا کر سکتا ہے۔ اسی لحاظ سے تمام صوفی بزرگوں کا بنیادی اصول ''من عرف نفسہ فقد عرف ربہ'' جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا رہا ہے۔ تمام صوفی ادب خدا شناسی، خود شناسی اور انسان شناسی پر مشتمل ہے۔ یہی سبب ہے کہ صوفی ادب میں تمام زور انسانوں کے حقوق کی شناس اور ادائیگی، ان سے برتاؤ اور سلوک، انسانوں کے باہمی حقوق اور فرائض، معاشرتی آداب، ایک دوسرے سے مساویانہ چال چلن اور عزتِ نفس وغیرہ جیسے اعلیٰ انسانی اقدار پر رہا ہے اس لیے اُنھوں نے انسان کی منفی قوتوں غصہ اور غیبت، جھوٹ اور غلط روی، تکبر اور ہٹ دھرمی اور دیگر ایسی بدعادتوں کو ختم کرنے کی ترغیب دی ہے اور انسانی شخصیت کے مثبت پہلوؤں سچ اور برداشت، صبر اور شکر، امید اور توکّل، مساوات اور محبت پر زور دیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ انسانی معاشرے کی بقا اور دوام کے لیے منفی قوتوں کے مقابلے میں مثبت قوتوں کو روبہ عمل لانا ضروری ہے۔ صوفیا کے پورے فلسفے میں انسان کے انسان سے اور انسان کے کائنات اور خدا سے تعلقات میں یہی بات نظر آئے گی۔ اس پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو صوفیانہ ادب انسان کی اپنی ذات کی اصلاح کا نام ہے۔ جہاں تک ملفوظات یا حکایتیں یا جو باتیں اولیا اور بزرگوں کے حوالے سے شامل کی گئی ہیں وہ اس لیے ہیں کہ انسانی نفسیات بڑی شخصیتوں کے حوالے سے اکثر متاثر ہوتی رہتی ہے اور وہی ہستیاں اصلاح کا سب سے بڑا سبب رہی ہیں۔ انہی کو عوام الناس اپنے لیے روشنی کے مینار کی حیثیت دیتے ہیں۔

اب جیسا کہ صوفیائے کرام کا مقصود ہمیشہ نصیحت اور ہدایت تھی اس لیے اُنھوں نے خواہ مخواہ ان باتوں کی اصلیت پر زیادہ زور نہیں دیا ہے جن میں ان کی بالغ نظری شامل ہے۔ ان کے پاس حکایت یا قصے کی ہیئت "Form" اور ترتیب ثانوی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ ان کا اصل مقصد انسانی عمل اور کردار کی اصلاح کرنا ہے۔

شاہ کریم کے دَور کا سیاسی اور سماجی پس منظر

سولھویں صدی سندھ کی تاریخ میں بہت زیادہ انتشار اور فساد کی صدی تھی جس کی شروعات (۹۲۰ھ/۱۵۲۱ء) میں سندھ کے مقامی سلاطین کو شاہ بیگ ارغون کے ہاتھوں شکست سے دو چار ہوئیں اور جس سے سندھ میں باہر سے آنے والوں کا راج قائم ہوا۔ شاہ بیگ ارغون ابھی اپنے آپ کو اس حد تک مستحکم نہیں کر پائے تھے کہ دو سال کے اندر اُن کا انتقال ہو گیا۔ مرنے کے بعد ان کا بیٹا شاہ حسن حکمران ہوا لیکن ایک بار پھر سمہ خاندان کی طرف سے جام فیروز نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ کیا مگر بُری طرح ناکام ہوا جب کہ شاہ حسن نے ۳۵ سال حکومت کی مگر اس کا دور بھی انتہائی افراتفری اور کش مکش والا ثابت ہوا۔ ہمایوں نے ۱۵۴۰ء میں شیر شاہ سوری سے شکست کھانے کے بعد سندھ کی طرف رخ کیا اور تقریباً تین سال تک مسلسل سندھ کے اندر بھٹکتا رہا۔ شاہ حسن نے سیاسی چال کے طور پر اُسے کہیں بھی آرام سے ٹکنے نہیں دیا۔ وہ جہاں بھی گیا وہاں اس کے لیے مشکلات پیدا کیں۔ آخر کار ہمایوں نے قندھار کا رخ کیا۔ شاہ حسن ارغون لاولد فوت ہو گئے تو ان کی بیگم نے مرزا عیسیٰ ترخان سے شادی کی اور اسی طرح وہ سندھ کا حکمران بنا مگر جب مرزا عیسیٰ حکمران ہوا تو بکّھر کے حکمران سلطان محمود نے اُسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار ۱۵۵۵ء میں مرزا عیسیٰ نے بکّھر پر حملہ کیا۔ وہ ابھی بکّھر میں ہی تھے کہ پُرتگالیوں نے ٹھٹھہ پر حملہ کیا اور شہر کو آگ لگا دی اور بڑے پیمانے پر لوٹ مار کی اور نہ جانے کتنے انسانوں کا قتلِ عام کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اصل میں مرزا عیسیٰ نے پرتگالیوں کو سلطان محمود کے خلاف اپنی مدد کے لیے بلوایا تھا لیکن جب اُسے ٹھٹھہ میں موجود نہیں پایا گیا تو مزید انتظار نہ کیا۔ شاہ حسین کے مرنے کے بعد سندھ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ بکّھر سے لے کر سیوہن تک سلطان محمود کا تسلط تھا جب کہ سیوہن سے ٹھٹھہ تک مرزا عیسیٰ کا حکم چلتا تھا۔ اس طرح عیسیٰ ۱۸ سال حکمرانی کرتا رہا اور جب ۱۵۹۹ء میں وفات پائی تو اس کا بیٹا مرزا محمد باقی تخت نشین ہوا۔ وہ بڑا ظالم اور سفاک ثابت ہوا۔ اس قدر سفّاک اس کے چھوٹے بھائی اور داماد بھی اس کے مخالف ہو گئے اور ان کے بلانے پر سلطان محمود بکّھر سے مرزا باقی پر حملہ آور ہوا مگر اس حملے کا کوئی بھی فیصلہ نہ ہو سکا۔

یہ وہی زمانہ تھا جب اکبر بادشاہ نے سندھ کو مغل سلطنت سے ملانے کے لیے سندھ میں لشکر بھیجا، جس کے نتیجے میں شمالی سندھ پر سنہ (۹۸۲ھ/۱۵۷۹ء) میں مغلوں کا قبضہ ہوگیا۔ ٹھٹھہ کے حکمران مرزا باقی نے یہ حال دیکھ کر اکبر بادشاہ سے مصالحت کا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی اور اپنی بیٹی اکبر بادشاہ کے حرم میں دہلی بھجوادی جس کو اُنھوں نے قبول کرنے سے انکار کیا اور وہ واپس آ گئی۔ آخر کار مرزا باقی جیسے پاگل اور ظالم حکمران سے سندھ کی جان خلاصی ہوئی اور (۹۹۳ھ/۱۵۷۵ء) میں وہ پاگل ہوگیا اور تلوار سے اپنے آپ کو زخمی کردیا اور بالآخر زخموں کی تاب نہ لاکر وہ چل بسا۔

مرزا باقی کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا مرزا جانی بیگ حکمران ہوا۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح ظالم اور جابر ثابت ہوا۔ پہلے تو اُس نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کی خاطر نہ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتروایا۔ ان بداعمالیوں کی وجہ سے وہ اکبر بادشاہ کا اعتماد بھی کھو بیٹھا جس کی وجہ سے ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء میں عبدالرحیم خان خاناں اکبری لشکر لے کر سندھ میں داخل ہوا تھا۔ پورے ایک سال کی کش مکش کے بعد مرزا جانی بیگ نے سر جھکایا۔ مرزا جانی بیگ کو دہلی لے جایا گیا اور سندھ میں اس کے ۱۹ سالہ بیٹے مرزا غازی بیگ کو ٹھٹھہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد جب تک سندھ مغلوں کی سلطنت میں شامل رہا، تب تک گورنر دہلی سے مقرر ہوتے رہے۔

مغل صوبے داروں اور ان کے نائبین کے دور میں سندھ پر کیا گزری اس کی تفصیل ہم عصر ''تاریخ شاہجہانی''، میں موجود ہے جو ۱۰۳۹۔۱۰۲۰ھ کے دوران یوسف میرک نے تالیف کی ہے اور جس میں مصنف نے دیباچے میں خود بتایا ہے کہ ان کی تالیف کا سبب مغلوں کے نائبین کی طرف سے وہ مظالم اور زیادتیاں تھیں، جو اُنھوں نے ٹھٹھہ، سیوہن اور بکّھر میں سندھ کے عوام سے روا رکھیں اور یوسف میرک خود اس کا عینی شاہد تھا۔ اس کے مطابق سندھ میں کسی بھی قسم کا کوئی امن وامان نہیں تھا جس کی وجہ سے عوام کی ملکیت اور عزت دونوں محفوظ نہیں تھے۔ حکمران کھلے عام عوام کی بے عزتی کرتے اور ناجائز محصولات اور بھتے وصول کرتے۔ زمینوں میں جب فصل تیار ہوتی تھی تو سرکار کے لفنگے اہل کار لوگوں سے زرعی زمین کی پیداوار پر زیادہ لگان وصول کرتے تھے بلکہ جانوروں سمیت تمام مال اٹھا کے لے جاتے تھے یہاں تک کہ زمین آباد کرنے والے زمین داروں اور کسانوں کے لیے کچھ بھی باقی نہیں بچتا تھا۔

مندرجہ بالا باتوں کی ''بیان العارفین'' سے بھی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ مغلوں کے کئی جاگیردار ایسے تھے جو زمین کو آباد کرنے والے کسانوں کو پورا حصہ نہیں دیتے تھے۔ خود شاہ کریم کے

ساتھ ایسے واقعات ہوئے جس میں اُن کے بیٹوں کی مغلوں کے حکمرانوں کے ساتھ لڑائی ہوگئی اور اس لڑائی جھگڑے میں مغلوں کے سر پھوڑے گئے جس کی شکایت مرزا تک پہنچی۔ شاہ کریم نے ٹھٹھہ میں سید جلال بن علی شیرازی کو سفارشی کے طور پر اپنے ساتھ وہاں چلنے کو کہا تاکہ اس معاملے کو رفع دفع کیا جائے لیکن جب جلال شیرازی نے چلنے سے انکار کیا تو خود اکیلے جا کر مرزا جانی بیگ کے پاس حاضر ہوئے۔ جب وہاں پہنچے تو ان کے لباس میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر مرزا جانی بیگ اتنا متاثر ہوئے کہ اسے جاگیردار کی شکایت کو مسترد کرنا پڑا۔ اس طرح دیگر زیادتیاں بھی عام تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ مقامی لوگ شاہ کریم کے پاس آتے تھے اور ان کو انصاف کے لیے مغل حکمرانوں کے پاس چلنے کو کہتے تھے اور شاہ صاحب ان کا کہنا مان کر حکمرانوں کے پاس چلے بھی جاتے تھے۔ اگر پہلی بار پذیرائی نہیں ملتی تھی تو دوسری بار بھی جانے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

سندھ اور ہند میں ملفوظات کی روایت

برصغیر میں حضرت داتا علی ہجویری کی کشف المحجوب (۹۵۰ھ/۱۰۵۷) تصوف سے متعلق پہلی تصنیف ہے بلکہ فارسی زبان میں بھی یہ تصوف پر پہلی باضابطہ تحریر ہے۔ کشف المحجوب میں تصوف کے بنیادی تصورات کی تشریح کی گئی ہے۔ یہ ایک حد تک تذکرہ بھی ہے لیکن یہ ملفوظات میں شامل نہیں کیونکہ ملفوظات ایسی تحریر کو کہا جاتا ہے جس میں کسی ایک صوفی بزرگ کی زندگی اور تعلیمات اور خاص طور پر ان کی گفتگو اور اقوال کے علاوہ ان کی نصیحتوں اور حکایتوں کو اکٹھا کیا جائے۔ اس لحاظ سے برصغیر کی سب سے پہلی ملفوظات چشتی سلسلے کے بزرگان کی تھیں، جن میں سب سے پہلی ''انیس الارواح'' ہے جو خواجہ عثمان ہارونیؒ کی طرف منسوب ہے اور ان کے مرتب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (۱۲۹۵/۹۳۱) بتائے جاتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر خواجہ معین الدین اجمیری سے منسوب ملفوظات ''دلیل العارفین'' ہے؛ جس کے مرتب حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ ہیں۔ تیسرے نمبر پر قطب الدین بختیار کاکیؒ سے منسوب ''فوائد السالکین'' ہے۔ جس کے مرتب حضرت فریدالدین گنج شکرؒ (۹۳۱ھ/۱۲۹۵ء) ہیں۔ چوتھے نمبر پر ''راحت القلوب'' ہے جو حضرت گنج شکرؒ کی طرف منسوب ہے اور اس کے مرتب حضرت خواجہ نظام الدین (724ھ/1324ء) اولیاؒ ہیں۔ حضرت گنج شکرؒ سے ملفوظات کی ایک اور کتاب ''اسرار الاولیا'' بھی منسوب ہے جس کے مرتب خواجہ بدرالدین اسحاق ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی طرف بھی ایک سے زیادہ ملفوظات منسوب ہیں ایک افضل الفوائد جو امیر خسروؒ

نے مرتب کی تھی اور دوسری ''فوائد الفوائد'' جو امیر حسن سجزی نے مرتب کی۔

بہر حال اُن سب میں زیادہ مفصل، مستند اور مقبول ''فوائد الفوائد'' ہے جس میں کل ۱۸۸ مجالس کا ذکر قلم بند ہے اور یہ ۱۵ سالوں کے عرصے کے دوران (۷۰۷ ہجری) نہایت عقیدت سے اُنھوں نے مرتب کی اور آخر میں قبولیت کی خاطر مرشد کی۔ خدمت میں پیش کی۔ پھر آٹھویں صدی ہجری میں چشتی بزرگوں کے متعلق امیر سید خورد کومانی کا لکھا ہوا تذکرہ ''سیر الاولیا'' ہے جو اُنھوں نے ۷۷۰ھ/ ۱۳۷۰ء کے دوران تالیف کیا تھا۔ یہ ایک نہایت معتبر اور جامع کتاب ہے کیونکہ مؤلف خاندانی طور پر ان کے سلسلے سے وابستہ تھے اور خود ایک عالم فاضل شخصیت تھے۔ اس تذکرے میں چشتی صوفیا کے سلسلے میں سوانح کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمات کو بھی نہایت مؤثر اور دل پذیر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے کچھ ابواب کے عنوانات بیان العارفین سے ملتے جلتے ہیں۔ اُس کے علاوہ نقول اور اقوال بھی مشترکہ ہیں جن کی نشان دہی تعلیمات میں کی جائے گی۔ امیر خوردِ، امیر خسرو کے ہم عصر تھے، اور اُنھیں حضرت نظام الدین اولیا کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ دسویں صدی میں دوسرا اہم تذکرہ شیخ حامد بن فضل اللہؒ جمالی کا ''سیر العارفین'' ہے جو اُنھوں نے ۹۴۱ ہجری ۱۵۳۵ء کے دوران مکمل کیا۔ اس میں چشتی سلسلے کے بزرگوں کے علاوہ کچھ ایسے صوفیائے کرام کا ذکر بھی شامل ہے جن سے مؤلف سندھ اور ملتان کے سیر وسفر کے دوران ملے تھے۔ اس سلسلے میں خاص طور پر سندھ میں سمہ دور کی قابل احترام ہستی مخدوم بلالؒ ہیں جن کے پاس اُنھوں نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا ''عوارف المعارف'' دیکھا تھا۔

گیارھویں صدی کے آغاز کا ایک نہایت ہی اہم تذکرہ ''گلزارِ ابرار'' ہے جو غوثی مانڈوی نے سال ۱۰۱۲/۱۹۵۲ سے ۱۰۱۹ھ/ ۱۹۹۰ء کے دوران تالیف کیا۔ یہ تذکرہ گجرات میں لکھا گیا اس لیے اس میں سندھ کے بہت سے بزرگوں کا ذکر موجود ہے جن میں خاص طور پر قاضی قادنؒ، مخدوم نوحؒ، مخدوم بلالؒ اور شیخ عیسیٰ جند اللہؒ برہان پوری، جو اصل میں پاٹ کے رہنے والے تھے، قابلِ ذکر ہیں۔ غوثی مانڈوی، مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ جند اللہ کے بڑے عقیدت مند تھے، اس لیے اُن کا اور اُن کے خاندان کے دوسرے افراد کا احوال تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے۔

اس تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں سماع اور سندھی کافیاں سندھ سے باہر گجرات میں بھی بہت مقبول تھیں۔ اس سلسلے میں مؤلف خاص طور پر شیخ لاڈ جیو کا ذکر کرتا ہے کہ وہ سندھ میں کافیاں گانے کی وجہ سے کتنا مشہور تھا اور اس کے گانے میں بلا کی تاثیر تھی۔ غوثی نے قاضی قادن کا احوال سناتے ہوئے ان

کی شاعری کا بھی ذکر کیا ہے بلکہ ان کے کئی ابیات کا فارسی نثر میں ترجمہ بھی کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں گجرات کے اندر سندھی شعر و شاعری کو کتنی پذیرائی حاصل تھی۔ دراصل یہ وہی دور تھا جب سندھ کے کئی عالم اور بزرگ سندھ سے نقل مکانی کر کے گجرات اور احمد آباد میں رہائش پذیر ہوئے تھے۔ گجرات پڑوس میں ہونے کی وجہ سے اہل سندھ کا وہاں اکثر آنا جانا ہوتا تھا۔ خود شاہ کریم بھی گجرات اور احمد آباد گئے تھے جہاں اُنھیں ہندی زبان کے ابیات اور دوہے سننے کا اتفاق ہوا تھا اور کچھ دوہے تو اُنھیں اتنے پسند تھے جو وہ خود مریدوں کے سامنے اکثر پڑھا کرتے تھے۔

''گلزارِ ابرار''، ''بیان العارفین'' سے صرف ۱۸ سال پہلے تصنیف کی گئی تھی اسی وجہ سے اُس میں سندھی بزرگوں کے متعلق کچھ روایات بالکل ''بیان العارفین'' والی بیان شدہ ہیں۔ اس کے علاوہ ''گلزارِ ابرار'' اور ''بیان العارفین'' کے مؤلف کے فکری ماخذات ایک ہی قسم کے معلوم ہوتے ہیں، تشریحی حوالوں میں اُن کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جب گجرات میں نوتی مانڈوی گلزار ابرار تالیف کر رہے تھے تب سندھ کے اندر سید عبدالقادر نے ''حدیقۃ الاولیا'' کے عنوان سے پہلا تذکرہ سن ۱۰۱۶ھ/ ۱۶۰۷ء میں مکمل کیا تھا، جس میں اُنھوں نے سندھ کے ۱۴۱ بزرگوں کا احوال لکھا۔ ''حدیقۃ الاولیا'' بیان العارفین سے صرف ۲۲ سال پہلے لکھی گئی اس لیے اُن دونوں کتابوں کے اندر بزرگوں کے متعلق ایک جیسی روایات ملتی ہیں۔ دوسرا تذکرہ ''رسالہ فتحیہ'' ہے جو مخدوم نوح کی سوانح اور تعلیمات کے متعلق ہے جس کو مخدوم نوح کے پوتے مخدوم فتح محمد نے ۱۰۱۹ھ/ ۱۶۱۰ء میں تالیف کیا تھا جو مخدوم خاندان کے پاس محفوظ ہے۔ چوں کہ مخدوم نوح سے شاہ کریم کی بہت عقیدت تھی اس لحاظ سے اس رسالے کا مطالعہ دل چسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ بہر حال مخدوم نوح کے متعلق دوسرا مفصل تذکرہ ''دلیل الذّاکرین'' ہے جو ۱۱۰۶ھ/ ۱۶۹۴ء میں حاجی پنھور نے مرتب کیا اور جو مخدوم خاندان کے مرید اور عقیدت مند تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ ملفوظات بیان العارفین سے بہت بعد کے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ مصنف کے پاس ''بیان العارفین'' کا نسخہ بھی موجود تھا جس سے استفادہ کرتے ہوئے ان میں سے کچھ حکایات نقل کی ہیں جو شاہ کریم کے متعلق تھیں۔ یہ کتاب بھی قلمی صورت میں موجود ہے، ہم نے تشریحی حوالوں میں ان باتوں کی نشان دہی کی ہے۔ سندھ کے صوفیائے کرام اور بزرگوں کے سلسلے میں آخری بڑی کاوش میر علی شیر قانع کی کتابیں ''تحفۃ الکرام'' اور ''معیارِ سالکانِ طریقت'' ہیں جو اُنھوں نے بالترتیب ۱۱۸۱ھ اور ۱۲۰۲ھ میں مرتب کیں۔ ''تحفۃ الکرام'' میں انہی بزرگوں کا احوال علاقے کے حساب سے دیا گیا ہے جب کہ دوسری کتاب میں اُنھوں نے ہر ہجری صدی کے بزرگوں کا تذکرہ ایک ایک کر کے دیا ہے۔ اس

وجہ سے یہ قدرے تفصیل سے ہے لیکن دونوں کے اندر مواد تقریباً ایک جیسا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ''تحفۃ الکرام'' لکھتے وقت میر علی شیر قانع کے سامنے ''بیان العارفین'' تھی، اس لیے اُنھوں نے اس کتاب کے اندر مواد ''بیان العارفین'' سے ہو بہو نقل کیا ہے البتہ معیار سالکان طریقت میں کچھ بزرگوں کے متعلق کچھ باتیں نئی شامل کی ہیں۔ بہرحال میر علی شیر قانع نے اپنی تحریروں میں ''بیان العارفین'' کو صوفی فکر اور اس کے ماخذ کے طور پر استعمال کیا۔

''بیان العارفین'' میں صوفی فکر اور اُس کے ماخذات

سندھ میں تصوف کے ارتقا کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ابتدائی دور کو اگر آٹھویں صدی ہجری یا بارھویں صدی تک محدود کیا جائے تو اس میں درویشی، زہد اور فکر پر بہت زیادہ زور دیا گیا تھا اور صوفی بزرگ خود بھی اُس کا عملی نمونہ تھے۔ دوسرے دور میں صوفی فکر داخل ہوئی۔ اس کا آغاز قاضی قادن سے ہوتا ہے اور شاہ کریم کے ہاں اِن دونوں باتوں کا سنگم نظر آتا ہے۔ یہاں دیکھنا یہ ہے کہ اس صوفی فکر کے غلبے اور ترقی کے کون سے محرکات تھے اور وہ فکر بنیادی طور پر کہاں سے اور کیسے پہنچی؟

''بیان العارفین'' سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کریم کے زمانے میں سولھویں ویں صدی عیسوی تک سندھ کے بزرگ اور صوفیائے کرام اسلامی تصوف کی مثالی شخصیتوں اور ان کی شان دار فکری کاوشوں سے، صحیح معنوں میں واقف ہو چکے تھے۔

تاریخی لحاظ سے تیرھویں صدی کے اندر سندھ میں سہروردی سلسلے کا زور واضح طور پر نظر آتا ہے۔ سومرہ اور سمہ زیادہ تر ملتان کے سہروردی سلسلے سے وابستہ تھے، جب کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سندھ میں سہروردی سلسلہ براہِ راست شیخ نوح بکھریؒ کے ذریعے سندھ میں پہنچا۔ روایت ہے کہ بغداد میں بہاء الدین زکریاؒ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے الوداعی ملاقات کرنے لگے تو شیخ نے فرمایا:

سندھ میں ہمارا ایک ایسا دوست ہے جو تیل اور دیا اپنے ساتھ لے کر آیا تھا ہمیں فقط اسے روشن کرنے کی ضرورت پڑی۔ آپ واپسی میں ان سے ضرور ملیے گا۔ کہتے ہیں کہ جب بہاء الدین زکریاؒ ان سے ملنے کے لیے سندھ آئے تو نوح بکّھریؒ ان سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ حضرت نوح بکّھری سکھر میں بکّھر کے قلعے میں مدفون ہوئے جو روہڑی اور سکھر کے درمیان دریائے سندھ کے اندر پہاڑ پر واقع ہے اور اس وقت ان کا مقبرہ ریلوے لائن سے متصل ہے اور آج تک موجود ہے۔ تیرھویں صدی میں شیخ شہاب الدین سہروردی

کے نواسے سید محمد مکی جو سندھ اور ہند کے رضوی سادات کے جدِ امجد ہیں بکّھر میں آ کر آباد ہوئے جہاں ۶۴۴ھ/ ۱۲۴۸ء میں وفات پائی۔ سولھویں صدی میں قادری سلسلے کے کئی بزرگان بلکہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے خاندان کے کئی افراد سندھ میں پہنچ چکے تھے۔ شاہ خیرالدین قادری اُنھی میں سے پرانے سکھر میں مدفون ہیں۔ وہ سن ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۷ء میں بغداد میں پیدا ہوئے اور ۱۰۲۷ ہجری ۱۶۳۴ ہجری میں وفات پا گئے۔ وہ مخدوم نوح کے چھوٹے ہم عصر اور ان کے عقیدت مند تھے۔ اس لحاظ سے وہ شاہ کریم کے بھی ہم عصر تھے۔

شاہ کریم کا دور سندھ میں فارسی زبان کے عروج کا زمانہ تھا۔ خاص طور پر ارغونوں اور ترخانوں کی حکمرانی کے سبب سندھ میں فارسی کا زور تھا اس لیے فطری طور پر سندھ کے تصوف پر فارسی زبان کے عظیم صوفی شعرا مثلاً عطارؒ، رومیؒ، سعدیؒ، جامیؒ کا نہایت واضح اثر ملتا ہے۔ ''بیان العارفین'' میں ایک جگہ فریدالدین عطارؒ اور دوسری جگہ شیخ سعدیؒ کا تذکرہ ملتا ہے اور اسی طرح حکایات کی نقل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے عطار کی مشہور کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' میں کئی بزرگوں کی حکایات ایک جیسے انداز میں بیان کی گئی ہیں جن میں خاص طور پر حضرت رابعہ بصریؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت ابراہیم ادھمؒ اور حضرت ابوالحسن خرقانیؒ قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ دونوں کتابوں کے اندر جن مشہور اور معروف صوفیا کا تذکرہ ملتا ہے، ان میں حضرت حسن بصریؒ، حضرت ذوالنون مصریؒ اور جیب عجمی، شفیق بلخی، منصور حلاج، احمد بلخی خضروی شامل ہیں لیکن کچھ نام ایسے بھی ہیں جو ''تذکرۃ الاولیا'' میں نہیں ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت یقیناً کچھ دیگر کتب بھی مقبول تھیں۔

میں نے ''بیان العارفین'' میں لائی گئی قرآنی آیات، احادیث اور صوفیا کے اقوال کی ممکن ماخذات کی نشان دہی اور وضاحت کی ہے بیان العارفین میں عطارؒ کے تذکرے کے علاوہ جن دیگر کتابوں کی نشان دہی ہوتی ہے وہ ''منطق الطیر'' اور ''پندنامہ'' ہیں۔ ایک جگہ عطارؒ کے اس شعر کو براہِ راست لانے کے بجائے اس کا حوالہ دیا گیا ہے۔

ے کفر کافر را دین دین دار را
ذرہ در دت دہ دل عطار را

یہ شعر عطارؒ کی مشہور کتاب ''منطق الطیر'' سے لیا گیا ہے۔ اسی طرح تجرید وتفرید بھی تصوف کی بنیادی اصطلاحات ہیں اور شاہ کریم نے اپنے اس شعر میں ان کی غیر معمولی افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ تجرید اور تفرید کی نہایت عام فہم تشریح عطار نے پندنامہ میں دی ہے۔ وہ اشعار ہم نے حوالوں میں سمجھانے کی

خاطر لیے ہیں۔

ے جي تجريدان نگنا، پينا ۾ تفريد

هن ڪڏهين ٿئي، هن ڏهاڙي عيد

تجرید اور تفرید کی تشریح شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب ''عوارف المعارف'' میں بھی موجود ہے جو سندھ کے صوفیائے کرام میں نہایت مقبول تھی۔

''بیان العارفین'' میں جو شاہ کریم کا آخری بیت موجود ہے اس میں ابوالحسن خرقانیؒ کا بہت بڑا مقام بتایا گیا ہے اور دعا کی گئی ہے کہ اے مالک! جس طرح تو نے اسے نوازا ہے اسی طرح ہمارے اوپر بھی اپنی خاص نوازش عطا کر۔

ے خرقان خوش ڪري، اچي ويناسون

جئائين ڏنئہ حسن کي، تئائين ڏيندين تون

اس بیت میں گیارھویں صدی کے مشہور صوفی بزرگ ابوالحسن خرقانی (وفات ۴۲۴ ہجری ۱۰۳۳ء) کا ذکر ہے۔ وہ محمود غزنوی کے زمانے میں تھے اور سلطان کی اس کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ عطارؒ نے اپنی مشہور تصنیف ''تذکرۃ الاولیا'' میں تقریباً ۵۰ صفحات پر ان کا تذکرہ اور کرامات بیان کیے ہیں۔ اس شعر سے واضح ہوتا ہے کہ شاہ کریم کو ابوالحسن خرقانیؒ کی شخصیت سے بڑا پیار تھا اسی وجہ سے تمام صوفیا میں سے فقط اُنہی کا نام ان کے شعر میں آیا ہے۔ خرقانیؒ سماع کا بھی ذوق رکھنے والے تھے۔ ''تذکرۃ الاولیا'' کی روایت کے مطابق حسن خرقانیؒ کی ولادت کی پیشین گوئی بایزید بسطامیؒ (وفات ۲۶۰ھ) نے کی تھی حالانکہ دونوں میں ۳۹ برسوں کا وقفہ ہے اور دونوں شہر خرقان اور بسطام ایک دوسرے سے کچھ میلوں کے فاصلے پر ہیں۔ ابوالحسن خرقانیؒ کو بایزیدؒ سے بڑی عقیدت تھی اور اسی عقیدت کے سبب اُنھیں اویسی طریقے سے فیض ملا۔ گویا حسن خرقانیؒ کی فضیلت کا بڑا سبب اویسی سلسلے کا ہونا بھی ہے۔ غالباً شاہ کریم کے مندرجہ بالا شعر میں اسی فیض کی نشان دہی کی گئی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سندھ میں اویسی سلسلے کو بڑے بڑے صوفیائے کرام نے پسند کیا ہے یہی سبب ہے کہ مخدوم نوحؒ کے لیے بھی اویسی سلسلہ مشہور ہے اور تمام تذکروں میں اس بات پر زور ملتا ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ پر بھی یہ بات صادق آتی ہے کیونکہ شاہ کریمؒ سے لے کر شاہ حبیبؒ تک اُن کا سارا خاندان قادری سلسلے سے منسلک بیان کیا جاتا ہے اور اس کا شجرہ تحریری طور پر ملتا ہے اور جو حقیقت ان کے ذکر اور فکر

کے طریقے سے بھی واضح ہوتی ہے لیکن پھر بھی شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ نے اپنے وقت کے مشہور عالم اور فاضل مخدوم محمد معین ٹھٹوری کو خط لکھ کر اویسی سلسلہ کے متعلق مزید تسلی حاصل کی تھی۔ شاہ لطیف اور مخدوم معین ٹھٹوری کے درمیان کی گئی یہ مراسلت آج بھی محفوظ ہے۔ دیکھا جائے تو سندھ میں تصوف کی قدیم شاعری کی روایت میں صوفیوں کے نام لینے کا بہت کم رواج تھا۔ غالباً یہ شاہ کریم تھے جنھوں نے شاعری میں حسن خرقانیؒ جیسے صوفی بزرگ کا نام لے کر ذکر کیا ہے اور اسی طرح شاہ عبداللطیف نے منصور حلاج کا نام لیا ہے۔ تذکرۂ عطار کے بعد جس دوسری شخصیت کا ''بیان العارفین'' کے مرتب اور اس میں شاہ کریم کی فکر پر ممکنہ اثر نظر آتا ہے وہ فارسی زبان کے بڑے صوفی شاعر اور نثر نویس مولانا عبدالرحمٰن جامی (۸۱۷۔۸۹۸ھ) اور ان کی کتاب ''لوائح'' ہے۔ اول تو ''بیان العارفین'' کی شروعات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس قول:

''لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک''

سے کی گئی ہے وہی قول لوائح کے بالکل آغاز میں بھی موجود ہے بلکہ ''لوائح'' میں کچھ مزید الفاظ بھی ہیں۔ اُس کے بعد توحید اور ان کی تشریح والی بات کے تحت ''وحدت الوجود'' کو جس انداز میں سمجھایا گیا ہے اور فارسی اشعار حوالے کے طور پر دیئے گئے ہیں وہ ''لوائح'' میں سے ہیں۔ مثال کے طور پر صفحہ نمبر ۱۴۷ پر مندرجہ ذیل اشعار موجود ہیں:

ے زد خندہ کہ من بعکس خوبان جہان
در پردہ عیان باشم و بی پردہ نہان

دراصل یہ دونوں سطور لوائح ۱۵ کی رباعی میں سے لی گئی ہیں، مکمل رباعی اس طرح ہے:

ے با گلرخ خویش گفتم ای غنچہ دہان
ہر لحظہ مپوش چہرہ چون عشوہ گران
زد خندہ کہ من بعکس خوبان جہان
در پردہ عیان باشم و بی پردہ نہان

لوائح جامی تصوف اور سلوک میں فکری لحاظ سے اعلیٰ درجے کی کتاب ہے جس میں خواجہ عبداللہ اور انصاری، ابن عربی صدرالدین قونوی، مولانا رومیؒ اور محمود شبستریؒ کے حوالے ملتے ہیں۔ تصوف کے بنیادی مسائل مثلاً خدا اور انسان کا تعلق، وجود اور عدم فنا اور بقا کی عقلی اور فلسفیانہ انداز میں وضاحت کی گئی ہے مثلاً فنا کا مطلب ذات حق تعالیٰ کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ انسان کے من میں حق تعالیٰ کے شعور کے علاوہ دوسری کوئی بات نہ

رہے اور فنا در فنا کا مطلب ہے کہ انسان کو اپنی فنائیت کی بھی خبر نہ ملے۔ یہ سارا خیال ''لوائح'' کی مندرجہ ذیل رباعی میں موجود ہے۔

آنرا کہ فنا شیوہ و فقر اینست
نے کشف و یقین نہ معرفت نہ دینست
رفت او ز میان ہمین خدا ماند خدا
''الفقر اذاتم ہواللہ'' اینست

ترجمہ: جنھوں نے فنا کو اپنا شیوہ اور فقر کو اپنا طریقہ بنایا ان کے لیے نہ کشف، نہ یقین، نہ معرفت اور نہ دین ہے۔ جب سب کچھ چلا گیا اور فقط خدا ہی خدا رہا فقر کا اختتام خود خدا ہے۔

اس کا یہ مطلب بیان العارفین میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ درویشی سے مراد ہے کہ نہ کشف، نہ کرامت، نہ یقین، نہ معرفت یعنی فنا اور فقر۔ اس لحاظ سے بیان العارفین میں فقر یا فقیری کو بذاتِ خود مقصد بتایا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ''الفقر فخری'' کا بھی یہی مطلب بتایا گیا ہے۔

''اذاتم الفقر ھو اللہ'' کی تشریح شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حوالے سے ملتی ہے جو انھوں نے تمام درجاتِ کشف، کراماتِ غوثیہ اور شیخی کو قبول نہ کیا لیکن آخر میں فقیری کا درجہ قبول کیا ہے۔ خدا، کائنات اور انسان کے باہمی تعلق کی تشریح کے لیے بیان العارفین کے صفحہ ۱۴۲ پر مندرجہ ذیل اشعار موجود ہیں:

عالمی چیست برزخی جامع
صورتِ خلق و حق در او واقع
عالمی نیست ولی ہست نما
حق ہست ولی نیست نما

ترجمہ: یہ عالم کیا ہے ایک مشترکہ برزخ ہے جس میں مخلوق اور خالق دونوں کی صورت موجود ہے۔ عالم ہے ہی نہیں لیکن لگتا ہے حق موجود ہے لیکن دیکھنے میں نہیں آتا۔

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ مندرجہ بالا اشعار مولانا جامی کی مشہور مثنوی سلسلۃ الذہب میں سے لیے گئے ہیں جہاں عالمی کی جگہ لفظ ''آدمی'' ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے:

؎ آدمی چیست برزخی جامع
صورتِ خلق و حق در و واقع

ترجمہ: انسان کیا ہے؟ وہ ایک برزخ کا مجموعہ ہے جہاں مخلوق اور حق کی صورت میں موجود ہے۔

اس طرح جہاں تک اِن دوسطور کا تعلق ہے یعنی:

؎ عالمی نیست ولی ہست نما
حق ہست ولی نیست نما

یہ دوسطور بنیادی طور پر مثنوی مولانا رومی کے پانچویں دفتر کے مندرجہ ذیل عنوان سے لے کر تخلیق کی گئی ہیں۔

مثال عالم ہستِ نیست نما و عالم نیست ہست نما

ترجمہ: موجودہ عالم جو بہ ظاہر معدوم ہے اور معدوم عالم جو بہ ظاہر موجود ہے۔

رومی نے مذکورہ موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے:

؎ نیست را بنمود ہست آن محتشم
ہست را بنمود بر شکل عدم

ترجمہ: اُس جاہ وجلال والے نے نیست ظاہر کیا ہے اور موجود کو معدوم کی شکل میں دکھایا ہے۔

دراصل یہ مولانا رومی کا نہایت پسندیدہ موضوع ہے، ایک دوسری جگہ وہ اس طرح واضح کرتے ہیں:

؎ ایں جہاں نیست چوں ہستاں شدہ
واں جہاں ہست بس پنہاں شدہ

ترجمہ: یعنی یہ عالم جو نیست ہے وہ ہستی والا لگتا ہے جب کہ وہ عالم جو اصل میں ہستی والا ہے وہ مخفی ہے

لیکن دوسری جگہ وہ فرماتے ہیں:

؎ ما عدم ھائیم و ھستی ھا نما
تو وجود مطلقی ھستی ما

ترجمہ: ہم عدم یعنی کچھ نہیں پر ظاہر میں ہستی یا وجود کے ساتھ ہیں اور تو وجودِ مطلق ہے اور ہمارا وجود تیرے ساتھ ہے۔

اسلامی تصوف میں عام طور پر اور سندھ کے تصوف میں خاص طور پر اپنے آپ کو پہچاننا اور وجود کی نفی

کے پہلوانتہائی واضح ہیں۔اس سلسلے میں شاہ کریم کا یہ شعر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے:

ے پھرين پاڻ وڃاءِ پاڻ وڃائي هو لهه
توهان ڏار نه سپرين، سنهن منجهين پاءِ

ترجمہ: اس خیال پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ طالب کو چاہیے کہ وہ اپنا وجود کھودے۔اس طرح ان کو وہ راز معلوم ہو جائے گا جو ''فصوص'' اور ''لمعات'' میں بھی انھیں نہیں ملے گا۔اس سلسلے میں یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

ے رو نفی وجود کن کہ دریابی
سری کہ نیابی در ''فصوص'' و ''لمعات''

یہ دوسطور دراصل جامیؒ کی اس رباعی میں سے لی گئی ہیں جو ''اشعۃ اللمعات'' کے آخر میں موجود ہیں۔

ے توحید حق ای خلاصہ مخترعات
باشد بہ سخن یافتن از ممتنعات
رو نفی وجود کن کہ دریابی
سری کہ نیابی ز ''فصوص'' و ''لمعات''

ترجمہ: حق تعالیٰ کی توحید کے متعلق تمام نئین کاوشوں کا یہ خلاصہ ہے کہ ان کا بیان کرنا ناممکن ہے۔بس جاؤ اور اپنے وجود کی نفی کردو تو تمھیں اپنے من میں وہ راز معلوم ہو جائے گا جو فصوص اور لمعات میں بھی تمھیں نہیں ملے گا۔

جامی کی مذکورہ رباعی میں جن دو کتابوں یعنی ابن عربی کی ''فصوص الحکم'' اور عراقی کی ''لمعات'' کا ذکر آیا ہے ان پر کچھ روشنی ڈالنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ''بیان العارفین'' میں ان دونوں کتابوں کا دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔

فصوص الحکم: اسلامی دنیا کے عظیم صوفی مفکر محی الدین ابن عربی ۵۶۰/۱۱۶۵/۶۳۷/۱۲۴۰ کی فکری کاوشوں کا نتیجہ ہے۔لفظ کا لغوی معنی نگینہ ہے اور اصطلاحی معنی راز ہے۔پوری کتاب کل ۲۷ فصوص پر مشتمل ہے اور ہر فص میں حضرت آدم سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہر نبی کے حوالے سے ان کی مخصوص حکمتِ الٰہی کے اسراروں کی تشریح اور توضیح ملتی ہے۔مثلاً پہلی فصل میں مشہور حدیثِ قدسی

ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ

یعنی بے شک اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے:
اس کی تفہیم دی ہے اور اس بات میں یہ بحث کی گئی ہے کہ انسان کس طرح خدا کی ذات کا مظہر ہے۔ اس کے بعد اسی فصل میں دوسری مشہور قدسی حدیث

كنت كنزا مخفيا فاحببت ان أعرف فخلقت الخلق

میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ پھر میں نے محبت کی وجہ سے سوچا کہ میں پہچانا جاؤں اس لیے میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ ذاتِ حق کا ظاہری پہلو یہ عالم ہے اور عالم کا باطنی پہلو حق تعالیٰ کی ذات ہے لیکن یہاں پہنچنے کے بعد ابن عربیؒ خبردار کرتے ہیں کہ اُس کا کوئی اور مطلب نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ حق پھر بھی حق ہوتا ہے اور مخلوق مخلوق۔ اس حقیقت کو وہ صحیح بخاری کی اس حدیث سے واضح کرتے ہیں کہ

''كان الله ولم يكن معه شيئا''

اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ دوسری کوئی چیز نہ تھی جس طرح اس کی وضاحت میں صوفیوں کا قول ہے الا ن کما کان وہ اس طرح ہیں جس طرح تھے۔

ابن عربی کی زندگی کے آخری سال بغداد میں گزرے اور آپ وہیں انتقال کر گئے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد تین سو سے زاید ہے۔ آپ نے ''وحدت الوجود'' کی منفرد عقلی تشریح کر کے اسلامی تصوف پر نہایت دیرپا اثرات چھوڑے، اس لیے اُنھیں آپ کو شیخ اکبر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

بیان العارفین میں ابن عربی کا اس مخصوص نقطۂ نظر سے حوالہ ملتا ہے: ''خدا اپنی ذات کی وجہ سے احد ہے اور صفات کی وجہ سے واحد'' ابن عربی نے یہ بحث فصوص الحکم میں کئی مقامات پر کی ہے، خاص طور پر فصل اسماعیلی اور یوسفی میں اس طرح کے الفاظ لیے ہیں۔ ابن عربی کا مشہور شارح کاشانی اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہیں:

''حق تعالیٰ ذات ربوبیت کی وجہ سے احد ہیں اور وہاں کسی قسم کی بھی کثرت نہیں ہے لیکن ربوبیت کے لحاظ سے ان کی بے شمار نسبتیں ہیں۔ ان کی مثال ایک کے عدد کی طرح ہے جس کی دوسرے تمام اعداد سے نسبت ہے''۔

اسی طرح فصل شعیبی میں فرماتے ہیں کہ عالم میں جو کثرت نظر آتی ہے وہ سب اس واحدِ حقیقی میں موجود ہے جو وجودِ مطلق ہے اور کثرت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ بیان العارفین میں ایک اور بحث تنزیہ اور تشبیہ کی ہے جہاں پر وہی فصوص الحکم کا نظریہ دہرایا گیا ہے۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ خدا کی ذات منزّہ ہے یا مشبّہ یا دونوں؟

ابن عربی اس کی نہایت زور وشور سے تائید کرتے ہیں کہ خدا کی ذات منزہ بھی ہے اور مشبہّ بھی۔ وہ اس بات پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محض تشبیہ کا مطلب خدا کی ذات کو محدود کرنا ہے اور محض تنزیہ کا مطلب خدا کی ذات کو مقید کرنا ہے۔ اس سلسلے میں اُن کے مندرجہ ذیل اشعار ملتے ہیں:

فان قلت بالتنزیہ کنت مقیداً

و ان قلت بالتشبیہ کنت محدوداً

ابن عربی نے یہ تمام بحث فصل نوحی میں نہایت وضاحت سے کی ہے۔ وہ اس خیال کے حامی ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت محض تنزیہ پر مبنی تھی جب کہ ان کی قوم محض تشبیہ کا عقیدہ رکھنے والی تھی۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت میں تشبیہ اور تنزیہ دونوں ہوتے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔ ابن عربی کے مطابق لیس کمثلہ شی کے اندر تنزیہ اور تشبیہ دونوں موجود ہیں۔

بہر حال ابن عربی کے حوالے سے سب سے زیادہ اہم عبارت جو اُن کے مخصوص نظریۂ وحدت الوجود کی بنیاد ہے اور جو بیان العارفین میں ملتی ہے '' فسبحان من اظہر الاشیأ وھو عینھا'' ہے لیکن یہ عبارت فصوص الحکم میں نہیں بلکہ فتوحات مکیہ کی دوسری جلد میں ملتی ہے جو ایک ضخیم کتاب ہے، جو اُنھوں نے انتقال سے فقط دو سال پہلے مکمل کی تھی اور اس کتاب کی تصنیف پر اُنھوں نے تقریباً ۳۵ سال صرف کیے تھے۔ اس عبارت کے ساتھ ان کے مندرجہ ذیل اشعار ہیں:

فما نظرت عینی الیٰ غیر وجھہ

وما سمعتہ اذنی خلاف کلامہ

فکل وجود کان فیہ وجودہ

و کل شخص لم یزل فی منامہ

ترجمہ: میری آنکھ نے اُس کے چہرے کے سوا اور کچھ نہ دیکھا۔ میرے کانوں نے اُس کی آواز کے علاوہ اور کچھ نہ سنا اور ہر چیز کے وجود میں اس کا وجود ہے اور ہر شخص ہمیشہ سے اُس کی خلوت گاہ میں ہے۔ جہاں تک ہمارے موجود ہونے کا تعلق ہے تو ہمارا وجود بھی ان کے وجود سے ہے اور جو وجود غیر کے سبب سے ہے وہ عدم کے برابر ہے اس لیے دل کی آنکھوں سے دیکھنے والا عارف حق کے علاوہ دوسری کوئی چیز نہیں دیکھتا۔ اس سلسلے میں ابنِ عربی کا مشہور شعر ہے:

ء وفی کل شی لہ آیۃ

تدل علی انہ واحد

ترجمہ: ہر چیز میں ایک نشانی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ وہ واحد ہے۔اس میں وہ اس طرح ترمیم کرتے ہیں:

ء وفی کل شی لہ آیۃ

تدل علیٰ انہ عینیۃ

ترجمہ: ہر چیز میں ایک نشانی ہے جو دلیل دیتی ہے کہ وہ ہر شے کا عین ہے۔

سندھ وہند میں ابنِ عربی کے نظریات کا اثر

سندھ وہند میں ابن عربی کے نظریات کیسے اور کب پہنچے؟ اس سلسلے میں ''گلزارِ ابرار'' نامی کتاب میں سے کافی معلومات ملتی ہیں۔ کتاب کے مؤلف غوثی کے مطابق آٹھویں، نویں، دسویں صدی ہجری میں احمد آباد اور گجرات صوفیوں کے بڑے مراکز تھے، خاص طور پر گجرات چشتی سلسلے کا بڑا مرکز تھا جو بختیار کاکیؒ کے زمانے میں قائم ہوا۔ چشتی سلسلے کے بزرگان بنیادی طور پر وحدت الوجود کی طرف مائل تھے اور وہ سب سے پہلے ابنِ عربی کی تحریروں سے مانوس ہوئے۔ دسویں صدی ہجری یا سولھویں صدی عیسوی میں سندھ کے صوفیائے کرام کی وہاں آمدورفت نے علمی اور فکری تعلیمات کو مزید مستحکم کیا۔ مسیح الاولیا شیخ عیسیٰ جنداللہ پاٹائی (۹۶۲ھ/۱۵۵۴ ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۱ء) نے برہان پور میں سکونت اختیار کی اور شاہ کریم کے وہ ہم عصر تھے۔ اُنھوں نے اپنی تفسیر ''انوار الاسرار'' لکھتے وقت فصوص الحکم اور ابن عربی کی دیگر تحریروں کو سامنے رکھا ہے۔ ''گلزار ابرار'' کے مطابق جامی کے نفحات الانس ''لوائح'' اور دیگر تصنیفات برصغیر کے اندر کافی مشہور تھیں جس کی علما نے شرحیں لکھیں۔ بیان العارفین سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کریم احمد آباد گئے تھے اور وہاں صوفیا کی سماع کی محفلوں میں شریک ہوئے لہٰذا یہ وہاں کا علمی اور صوفیانہ ماحول تھا، جہاں سے ابن عربی کے اثرات ان تک پہنچے یا اثر انداز ہوئے ہیں جسے مزید عالمانہ انداز میں بیان العارفین کے مرتب محمد رضا نے پیش کیا۔

دوسری کتاب ''لمعات'' فخرالدین عراقی (وفات ۹۸۸/۱۲۸۹) کی تصنیف ہے۔ وہ اصل میں ہمدان کے تھے جو قلندروں کے ٹولے سے سیر وسفر کرتے ہوئے ملتان پہنچے۔ وہاں اُنھیں شیخ بہاء الدین کی صحبت حاصل ہوئی جس نے اُنھیں اپنا خلیفہ اور داماد بنایا۔ شیخ کی وفات کے بعد وہ بغداد چلے گئے اور وہاں سے قونیہ گئے جہاں شیخ صدرالدین کی صحبت میں رہے جن سے فصوص الحکم پڑھی۔ فصوص سے متاثر ہو کر

رسالہ لمعات لکھا جس میں کل ۲۶ لمعات ہیں اور اس میں کائنات اور انسان کے تعلق کی تشریح عشق کے حوالے سے کی گئی ہے۔ مولانا جامی (وفات ۸۹۸ھ) لمعات سے اتنا متاثر ہوئے کہ نہ صرف اس کی تشریح اشعۃ اللمعات کے عنوان سے لکھی بلکہ اُسی طرز پر اپنی الگ کتاب لوائح کے نام سے بھی لکھی۔

برصغیر میں وحدت الوجودی یا ہمہ اوست اور خاص طور پر ابن عربی کی فکر کو عام کرنے کا سہرا بڑی حد تک جامی کی لوائح اور اشعۃ اللمعات کے علاوہ ان کی شاعری کے سر بھی ہے جس کے ذریعے اُنھوں نے ان تصورات کو مزید عام فہم اور قابلِ قبول بنا دیا۔ یہ جامی کی شاعری کا کمال تھا جس نے اُنھیں مقبولیت بخشی۔ جامی کی فکر اور عرفان کا برصغیر میں پہنچنے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ افغانستان کے علاقے ہرات کے تھے۔ ہرات کا ہندوستان کے قریب ہونے کے سبب آمد و رفت اور راستے کا زیادہ امکان تھا۔ سیر العارفین کے مصنف جمالی دہلوی ہرات میں جامی کے مہمان بنے تھے۔ اس طرح سندھ کے کچھ عالم بھی براہِ راست جامی سے مستفید ہوئے تھے۔ ''گلزارِ ابرار'' میں مولانا قاسم کا ہی نام ملتا ہے۔ میر علی شیر قانع نے معیار میں فکری لحاظ سے کچھ باتیں مشترکہ کہی ہیں۔ سب سے پہلے یہ شعر جو صفحہ نمبر ۱۴۳ پر موجود ہے۔

آن پادشاه اعظم دربسته بود محکم

پوشید دلق آدم، ناگاه بر در آمد

ترجمہ: وہ عظیم بادشاہ جو ایک قلعے میں محفوظ بیٹھے تھے اچانک آدم کی پوشاک پہن کر ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ بیت لمعہ ۲۴ میں دیا گیا ہے ان سے پہلے خواجہ عبداللہ انصاری کا قول بھی موجود ہے:

''حق تعالیٰ خواست کہ صنع خود را ظاہر کند، عالم را آفرید، خواست کہ خود را ظاہر کند، آدم را آفرید۔''

یعنی جب حق تعالیٰ نے چاہا کہ اپنی تخلیق کو ظاہر کرے تو عالم یا جہاں کو بنایا لیکن جب چاہا کہ اپنے آپ کو ظاہر کرے تو آدم کو پیدا کیا۔ لمعات اور 'بیان العارفین' میں مزید مشترک حوالہ جات اور اقوال کی تشریح آخر میں تعلیقات کی صورت میں دی گئی ہے۔

ابن عربی کی فصوص الحکم، فتوحات مکیہ، فخر الدین عراقی کی لمعات اور جامی کی لوائح کے علاوہ جس دوسری کتاب کے اشعار اور اشارات بیان العارفین میں ملتے ہیں وہ شیخ محمود شبستری (۶۵۰ ہجری ۱۲۵۳ء) کی گلشنِ راز ہے جو اُنھوں نے ۷۱۷/ ۱۳۱۷ء میں لکھی جس میں اُنھوں نے ۱۵ سوالات کا تفصیلی جواب دے کر تصوف کے بنیادی مسائل خدا، کائنات انسان کے تعلق کی وضاحت کی ہے۔

گو کہ مثنوی مولانا رومی (۱۲۰۴ھ ۱۲۷۳ء) کا بیان العارفین میں براہِ راست کوئی حوالہ یا شعر نہیں ملتا

تاہم شاہ کریم کے کئی ابیات اور کچھ اقوال میں براہِ راست رومیؒ کے خیالات کی ترجمانی اور تشریح ملتی ہے۔ بیان العارفین میں ایک جگہ بانسری کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ عام لوگ بانسری کی آواز سے متاثر ہو جاتے ہیں لیکن اس میں پھونکنے والے کی طرف توجہ نہیں جاتی۔ مولانا رومیؒ نے مثنوی کا آغاز بانسری کی اس تمثیل سے کیا ہے کہ ایک طرف وہ اس لیے آواز کرتی ہے کیونکہ اسے اپنی اصل شاخ سے کاٹ کر الگ کیا گیا ہے؛ دوسرا یہ کہ وہ اصل میں انسانی روح ہے جو اپنے اصل سے ملنے کے لیے بے تاب ہے۔

صوفیوں کا نظریہ ہے کہ وہ ظاہری حواسوں سے خدا کی ذات کو محسوس نہیں کر سکتے، اس کے لیے مخصوص حواسوں کی ضرورت ہے۔ رومیؒ نے اسی خیال کو نہایت شدومد سے کئی مقامات پر بار بار بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ے گوش خر بفروش و دیگر گوش خر
کین سخن را در نیابد گوش خر

ترجمہ: یہ گدھے والے کان بیچ کر دوسرے خریدو کیونکہ ان گدھے والے کانوں سے تم وہ خاص آواز نہیں سُن سکو گے۔

شاہ کریم نے اپنے اس شعر میں رومی کا وہی مفہوم بیان کیا ہے۔

ے هي ڪن گڏهنا وڪڻي، ڪن ڪي پيا ڳنهيج
تنين سان سڻيج، پريان سندي ڳالهڙي

ترجمہ: یہ گدھے والے کان بیچ کر دوسرے کان خرید لے اور ان سے ہی محبوب کی باتیں سُن۔

صوفیوں کے پاس صورت اور معنیٰ کا فہم بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ مثنویٔ رومی میں صورت اور معنیٰ پر مختلف مقامات پر بڑی بحث کی گئی ہے۔ صورت سے مراد یہ ظاہری دنیا ہے جس میں انسان بھی شامل ہیں اور معنیٰ سے مراد مخفی دنیا ہے جس میں ذاتِ خداوندی بھی شامل ہے۔ شاہ کریم نے اُسی خیال کو انتہائی خوب صورت انداز میں سندھ کی ایک مشہور لوک داستان ماروی کے حوالے سے اس طرح بیان کیا ہے:

ے صورت ليکي هت، معني ليکي مارئين
عمر مون جي چت، اوطاقون ٿرن ۾

ترجمہ: صورت کے لحاظ سے وہ یہاں ہے لیکن معنوی اعتبار سے اپنے قبیلے میں ہے۔ اے عمر، میرے لیے

سکون کی جگہ تو تھر ہی ہے۔

شاہ کریم کے اس بیت کی رومی کے مندرجہ ذیل اشعار سے مماثلت کی جاسکتی ہے:

؎ صورتش بر خاک و جاں بر آسماں
لامکانی فوق وہمِ سالکاں

ترجمہ: بدن کے لحاظ سے وہ زمین پر ہے لیکن روح کے لحاظ سے وہ لامکان پر ہے۔ یہ لامکان سالکان کے وہم اور گمان سے بالاتر ہے۔

اس سلسلے میں رومیؒ کا ایک دوسرا مشہور شعر ملاحظہ ہو:

گر بظاہر عالمِ اصغر توئی
دان بمعنی عالمِ اکبر توئی

ترجمہ: گو کہ بظاہر تو ''عالمِ اصغر'' ہے لیکن اصل میں ''عالمِ اکبر'' بھی تُو ہی ہے۔

شاہ کریم نے ایک شعر کے اندر قرآنِ پاک کی آیت ''مکرو اومکر الله والله خیر الماکرین'' کی تضمین کی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ محبوب سے ملاپ بہتر ہے یا جدائی، یہ ذاتِ خداوندی پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ وہی تدبیر کرنے والے ہیں:

؎ سوئي صلح سڄڻين، سوئي قوڙائون
والله خير الماكرين، ايھي ميڙائون

مولانا رومیؒ نے بھی اسی طرح کی تضمین کی ہے اور وہی خیال اس طرح پیش کیا ہے۔

؎ مکر حق سر چشمہ این مکرہا ست
''قلب بین اصبعین'' کبریا ست

ترجمہ: ذاتِ حق کی تدبیر تمام تدبیروں کا سرچشمہ ہے کیونکہ مومن کا قلب ذاتِ کبریا کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہے۔

تمام صوفی مشہور حدیث قدسی کا حوالہ دیتے ہیں۔

''كنت كنزاً مخفيا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق''

ترجمہ: میں مخفی خزانہ تھا پھر میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں جس کی وجہ سے میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

مولانا رومیؒ نے مثنوی میں اس حدیث کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جس میں ظاہر ہے کہ محبت کا پہلو

زیادہ غالب ہے۔ رومی فرماتے ہیں۔

؎ جملہ معشوقست و عاشق پردہ ای
زندہ معشوقست و عاشق مردہ ای

ترجمہ: سب کچھ وہ معشوق ہے اور عاشق پردے میں چھپا ہوا ہے۔ معشوق ہی زندہ ہے اور عاشق تو مردہ ہے۔

بیان العارفین کے صاحب نے اوپر اُسی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے یہ دو بیت لکھے ہیں:

؎ پاڻهي سلطان پاڻهي ڏي سنيهڙا
پاڻ کر پاڻ لهي، پاڻ سجائي پاڻ

دوسرا بیت:

؎ اسين سڪون جنهن کي، سي تان اسين پاڻ
هاڻي وچ گمان، صحيح سڃاتا سپرين

اگر غور کر کے دیکھا جائے تو ان دونوں ابیات میں اُسی حدیث شریف اور رومیؒ کا مرکزی خیال کارفرما ہے کہ اصل وہ خود ہی سب کچھ ہے اور اسے پہچاننے کے لیے یہ سب کچھ ہے۔

اس طرح نفی اثبات یا لا اور الّا کے متعلق رومی اور شاہ کریم کے خیالات میں کافی حد تک مماثلت و مشابہت ملتی ہے۔ مثال کے طور پر رومی کا ایک شعر ہے:

؎ لا شدی پہلوئی الّا خانہ گیر
این عجب کہ ہم اسیری ہم امیر

ترجمہ: لا بن چکے ہو اب الّا کے گھر میں آ جاؤ یہ عجیب بات ہے کہ تم بندہ بھی ہو اور امیر بھی

ایک اور شعر ہے:

؎ زانکہ در الّا ست او از لا گزشت
ہر کہ در الّا ست اوفانی نگشت

ترجمہ: جو ''الّا'' کی منزل پر پہنچا وہ ''لا'' میں سے گزر گیا اور جو ''الّا'' پر پہنچا وہ فنا سے بچ گیا

اب اس کی مطابقت میں شاہ کریم کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے جو اُنھوں نے قاضی قادن کے اس بیت کے جواب میں کہا تھا:

لا م لودی کد ، الا م لاھہ لک سین
جو مظہر سند و ماٹھیئن، تنھن کیئن کرین ود

اس بیت سے ظاہر ہے کہ شاہ کریم نے فقط نفی اور الاّ یعنی اثبات کو واضح نہیں کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ اُنھوں نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ انسان جو ذاتِ خداوندی کا مظہر ہے اس کو نظر انداز کیسے کیا جاسکتا ہے؟

عرفانِ شاہ کریم

خدا، انسان اور کائنات کے باہمی تعلق کا شعور صوفیائے کرام کی فکر کا بنیادی محور ہے اور تمام تصوف کا نظریہ اسی نسبت کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش ہے۔ عام طور پر صوفیوں کے پاس یہ نظریہ زیادہ مقبول ہے کہ یہ دنیا ایک بازگشت یعنی اصلیت سے خالی ہے۔ اصل حقیقت صرف ذاتِ خداوندی ہے لیکن انسان کو اس کائنات میں ایک خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ اس نظریے کو دوسرے الفاظ میں اس طرح بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کو ظاہر کرنے کے لیے یہ جہاں پیدا کیا لیکن اپنی ذات کو ظاہر کرنے کے لیے آدم کو بنایا اِس لحاظ سے انسان خدا کی ذات کا آئینہ ہے، ''خلق آدم علیٰ صورتہ'' کا بھی یہی مطلب ہے۔

انسان اور خدا کے تعلق کو واضح کرنے کی خاطر صوفیائے کرام نے زیادہ تر تمثیلات کا سہارا لیا ہے کیونکہ اس طرح حقیقت کو سمجھنا بہت سہل ہوتا ہے۔ سادہ مثال آواز اور اس کی بازگشت کی ہے۔ دوسری مثال پانی اور اس سے پیدا ہونے والے بُلبلے یا پانی اور اُس میں پیدا ہونے والی لہروں کی ہے۔ مولانا رومیؒ نے کاٹے ہوئے بانس کی لکڑی سے بنی بانسری اور اس سے نکلنے والی آواز کی تمثیل سے واضح کیا ہے۔

بہر حال انسان اور خدا کے تعلق کی یہ وضاحت ایک لحاظ سے آسان بھی ہے اور دوسرے لحاظ سے مشکل بھی ہے۔ تمثیلی انداز کو چھوڑ کر جب اس کی تشریح خالص علمی اور فلسفیانہ لحاظ سے کی جائے تو نہایت گھمبیر اور دقیق ہو جاتی ہے۔ محی الدین ابنِ عربیؒ کو عالمِ اسلام کا اس لحاظ سے سب سے بڑا صوفی شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اُنھوں نے اپنی تصنیفات میں خاص طور پر فصوص الحکم میں اس طرح کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے مقابلے میں مولانا رومیؒ نے اپنی مثنوی میں بنیادی طور پر تمثیلی انداز اختیار کر کے اس کی عقلی تشریح بیان کی ہے۔

صوفیائے کرام کی نظر میں جس انسان کو یہ سمجھ اور شعور حاصل ہو جاتا ہے وہ عارف ہے اور اس طریقے

کومعرفت کہتے ہیں۔ صوفیائے کرام کی نظر میں عالم فقط اشیا کے ظاہری پہلو تک محدود ہوتا ہے جبکہ عارف کا تعلق حقیقت سے ہوتا ہے اور اس رابطے کی بنیاد ان کا ذاتی مشاہدہ و تجربہ ہوتا ہے تاہم وہ مشاہدہ مخصوص تربیت اور ریاضت کے سوا حاصل نہیں ہوسکتا اور اس لیے مرشد یا شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔

بیان العارفین سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کریم بنیادی طور پر فکر و زہد کے مالک تھے تاہم وہ عرفانِ عالیہ کے مالک بھی تھے۔ ایک طرف ان کا عرفان بیان العارفین میں شامل اُن ملفوظات سے عیاں ہے دوسری طرف ان کی شاعری پڑھنے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ زاہد اور عارف بھی تھے۔ ایک طرف ان کے ملفوظات میں چادر اوڑھنے اور پگڑی پہننے سے لے کر پاؤں میں جوتا پہننے اور نہ پہننے کی تمام تفصیلات بیان العارفین میں ملتی ہیں لیکن اُسی وقت آپ کے ایسے اقوال بھی ملتے ہیں جو اُن کے وسیع المشرب عارف کی حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر فرمایا کہ زمین فقیروں کا حجرہ اور آسمان ان کی چھت ہے۔ کرامت کے لیے ان کا کہنا ہے کہ کرامات خرابات ہیں اور شراب کی طرح حرام بلکہ صاف صاف کفر ہے۔ اسی طرح فقیر کا اشتقاق کرتے ہوئے فرمایا ''ف'' مراد دائمی فکر اور ''ق'' سے قربِ الٰہی اور ''ی'' سے مراد خدا سے یاری اور ''ر'' سے مراد ریاضت ہے۔

پیر کسے کہتے ہیں؟ پیر میں کون سے اوصاف ہونے چاہئیں؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ جس شخص نے مرتبے کا لالچ نہ رکھا وہ پیر ہے اور میں فقیروں کو پیر سمجھتا ہوں کیونکہ پیر اس کو کہتے ہیں جسے دیکھ کر خدا یاد آ جائے۔ فرمایا کہ پیروں کو سب کام کرنے چاہئیں مثلاً زمین کو آباد کرنا، خلقِ خدا سے تعلق رکھنا۔ یہ بھی کہا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ سب کچھ پیر ہی دیتا ہے وہ بالکل غلط ہے جو کچھ ملتا ہے وہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے اور اس سے ہی سمجھنا چاہیے۔ ایک دفعہ ایک شخص اپنے آپ کو سیّد کہلا رہا تھا۔ اس کو بُلا کر کہا کہ تو اپنے آپ کو فقیر کیوں نہیں کہلاتا۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا کہ طالبِ خدا کو چاہیے کہ کسی طلب، لالچ یا مراد کشف اور کرامات، قرب اور معرفت کے لالچ سے خدا کو یاد نہ کرے بلکہ بغیر کسی مطلب کے اُنھیں یاد کیا جائے کیونکہ یہ خود خدائے ذوالجلال کی خواہش ہے کہ اُسے بغیر کسی مطلب کے یاد کیا جائے۔ بیان العارفین میں ایسے کئی اقوال و ملفوظات ملتے ہیں جو شاہ کریم کے عرفان کو اسلامی تصوف کی تاریخ میں ایک ممتاز و منفرد مقام دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں اُن کی شاعری پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی شاہ کریم اپنے عرفان کے ذریعے بالکل نئی روشنی ڈالتے ہیں مثلاً آپ قاضی قادن کے ابیات کو پسند فرماتے تھے اور اکثر مریدوں

کے سامنے پڑھتے تھے۔ ہر چند کہ قاضی قادن اپنے دور کے جیدّ عالم اور فاضل تھے، تاہم اُن کے مندرجہ ذیل اشعار اُن کی خاص مشاہداتی کیفیت کے آئینہ دار ہیں۔

ے سائر ڏيئي لت، اوچي نيچي ھوڙئي،
هيڪائين هيڪ ٿئو، ويئيسي جهت

شاہ کریم کا مشاہدہ ذرا مختلف ہے اور اُنھوں نے اپنا نظریہ اِس طرح پیش کیا ہے۔

ے سائر ڏيئي لت، اوچي نيچي ھوڙئي،
نابودي نا ٿئي، اي ناديدي جهت

قاضی قادن کا ایک دوسرا بیت ہے:

ے لا لاهيندي ڪن ڪي «لا» مورهين ناه
بالله ري پريان، ڪٿ نه ڏسجي ڪي پيو

شاہ کریم نے اُن کے جواب میں یہ شعر پڑھا جس میں نفی اور اثبات کے ساتھ انسان جو خدائی مظہر ہے اُس کی حیثیت کو نہایت خوب انداز کے ساتھ بیان کیا ہے۔

لام لوڏي ڪير، الام لاهه لڪ سين
جو مظهر سندو ماڙوئين، تنهن ڪيئن ڪرين وڌ

سالک صوفیوں کی نظر میں نفی اور اثبات یعنی لا اور الاّ کے بغیر سلوک کی تکمیل نہیں ہوسکتی اور شاہ کریم کے ابیات میں یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

ہر چند کہ شاہ کریم صوفیائے کرام کے اس نظریے سے اصولی طور پر متفق ہیں کہ انسان کا وجود محبت کا مرہونِ منت ہے اور انسان کو اپنے اصلی محبوب سے ہر وقت رابطے میں رہنا چاہیے اور ان کی خوش نُودی کے لیے جس میں آپ کی اپنی خوش نُودی بھی شامل ہے کوشش کرنی ہے لیکن محبت کے تقاضے کے سبب وہ تعلق نہایت نازک وعجیب ہے خاص طور پر جب وہ حاصل ہو جاتا ہے تو اُن کی عقلی تشریح نہیں کی جاسکتی۔

ے ڪا جا پر پرين، نه سا سئي ٻڌي
متيون سڀ منجهن، انهي ڏٺي قضيي

محبوب کی روش ایسی ہے جو کسی نے نہ سنی اور نہ سمجھی۔ ایسی حالت دیکھنے سے، عقل اور ہوش ختم ہو جاتے ہیں۔

شاہ کریم اپنے مشاہدے کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ سلوک یا محبت کا راستہ اتنا آسان نہیں جیسا کہ کچھ

لوگ سمجھتے ہیں یا ان کو گمان ہے کہ وہ اسی کی تکمیل کر چکے ہیں۔

ے آهي اهجائو پير پريان جو جيڏيون
جيئن ساجائو، تنين نان نہ پروڙئو

ترجمہ: اے سکھیو! محبوب کا پاؤں بے نشان ہے۔ جنھوں نے اسے پہچانا اُنھیں کوئی سمجھ نہیں آئی۔

ڈاکٹر عبدالغفار سومرو

عرضِ مرتب

تمام تعریفیں اور شکر جو سوچ کی سرحد سے دور اور عقل کے دائرے سے باہر ہیں اُس خالق کے لیے ہیں جس نے سالکان کی زبان کو معنویت کی راہ دکھائی اور عارفوں کو یقینی پہچان بخشی۔

قولِ مبارک ہے کہ ”لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک۔“

ترجمہ: میں تیری ثنا نہیں کرسکتا تیری ذات ہی تیری ثنا کی پہچان رکھتی ہے۔

اس لیے خدا کے بندے اس کی ثنا کی وادی میں گم ہیں۔ موحدوں کے قلوب ذات کی فکر میں حیرت زدہ اور اپنے آپ کو ناقص سمجھتے ہیں۔ اس کی راہ میں صدیقین کی صفائی اور پاکیزگی اندھیرے سے زیادہ نہیں۔ وہاں عارفانِ حق کے دلوں کی پرندے وحدت کی وادی میں حیران وسرگرداں ہیں۔

سبحان خالقی کہ صفاتش ز کبریا
برخاک عجز می فگند عقلِ انبیا
گر صد ہزار قرن ہمہ خلق کائنات
فکرت کند در صفت و عزتِ خدا
آخر بعجز معترف آیند کہ ای الہ
دانستہ شد کہ ہر ہیچ ندانستہ ایم ما
سبحان قادری کہ بر آئینہ وجود
بنگاشت از دو حرف دو گیتی کہ ماشیا

ترجمہ: پاکیزگی اُس خالق کے لیے جس کی کبریائی کی صفات انبیا کی عقل کو بھی عاجز کرتی ہیں؛ ہر چند کہ سینکڑوں ہزاروں برسوں سے اس کائنات کی مخلوق خدا کی صفت اور عزت پر فکر کناں ہے لیکن آخر میں اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہیں کہ بے شک اے اللہ پاک! ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ پاکیزگی اُس قادر کریم کے لیے جس نے وجود کے آئینے پر دو الفاظ لکھے کہ جس طرح وہ چاہتا ہے؛ اُسی طرح ہی ہوتا ہے۔

ناز ہے قادر کی اُس قدرت پر اور صانع کی اس صنعت پر جس نے انسانی گروہوں کو ذاتی اور صفاتی لحاظ سے مختلف اور الگ بنایا۔ جس نے فعل کے ارادے اور عمل کے صادر ہونے کے سلسلے میں سالکان کی راہ کی

صورت اور معانی کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ اور ایک دوسرے کا ناقص بنایا؛ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:
''فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات'' (سورۃ فاطر: ۳۵۔۳۲)
ترجمہ: پھر ان میں سے کچھ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ میانہ روی والے ہیں اور ان میں سے کچھ نیکی کے کاموں میں پہل کرنے والے ہیں۔

خداوندی کہ بے شبہ است و مانند
بقدرت بر خداوندانِ خداوند
خداوندی کہ او را نیست ہمتا
کہ زیر ہستی او جملہ اشیا

ترجمہ: خدا جو ہر شک سے بالاتر ہے اور جس کا کوئی ثانی نہیں جو اپنی قدرت سے تمام خداؤں کا خدا ہے؛ وہ خدا جس کا کوئی مثال اور کوئی ثانی نہیں جس کے زیرِ ہستی تمام چیزیں اور خزانے ہیں۔

صلوٰت اور سلام کے موتی گوہرِ آب دار ہمارے سردار کی بارگاہ اور اُن کے گنبد پر نچھاور ہوں، جن کے اشارے سے چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوا۔ جو قل ہو اللہ کے نور کا چشمہ ہے جو لیغفر لک اللہ کا خاص مخاطب ہے۔ جو ''لینصرک اللہ نصر اللہ عزیزا'' کے شرف سے مشرف ہے۔ یعنی محبوبِ خاص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جس نے رب العزت کے اس پسندیدہ بندے کی سوچ سمجھ کر پیروی کی اور ان کے بتائے ہوئے راستے کو اپنی نگاہ میں رکھا۔ وہ بدعت اور گمراہی کے گڑھے سے نکل کر سلامتی اور امن کی جھولی میں آ گیا۔ وہ جھوٹ اور اندھیرے میں فریب سے نکل کر ہدایت کے راستے پر گامزن ہوا۔

قبای لولاک برقامتِ او
زیبا و مناسب است و چالاک

ترجمہ: اُن کے بدن مبارک پر لولاک کی پوشاک بہت خوبصورت اور مناسب ہے۔

صلى الله عليه في الليل اذا يغشىٰ و النهار اذا تجلىٰ و علىٰ آله المجتبىٰ و اصحابه المقتدا اجمعين۔

امابعد یہ حقیقت واضح اور روشن ضمیر سورج کی طرح روشن اور کیمیا کا اثر رکھنے والے دانشوروں، دقیقہ سنج اور حق کی بات قبول کرنے والوں سے مخفی نہیں ہے کہ مرید اپنے مرشد کے قول اور فعل سے الگ نہیں رہ سکتے اور وہ قول و فعل تمام کے تمام کسی کو یاد نہیں ہو سکتے اس لیے حضرت نے جو ارشادات فرمائے یا اُن کے حضور میں جو کچھ رونما ہوا اُس کو ایک دفتر میں جمع کرنا چاہیے تا کہ مریدوں کو فیض حاصل ہو۔ راہِ حق اختیار

کرنے والے احباب کے اسرار پر اس فقیر کے ہاتھوں یہ کتاب تصنیف ہوئی۔ اُن احباب کا کہنا تھا کہ ہمارے پیرومرشد نے جو کچھ برتا اور اس کے زمانے میں جو کچھ برپا ہوا وہ سب کچھ لکھ کر جمع کیا جائے، تاکہ غافلوں کے لیے تنبیہ اور متکبرین کے لیے تکبّر توڑنے کا سامان بنے۔ یہی سبب ہے کہ میں نے محمد رضا بن عبدالوسع عرف میر دریائی بن داروغہ گھر ساکن ٹھٹھہ جو حضرت جی کا دلی طور پر ظاہری اور باطنی لحاظ سے خادم اور پاؤں کی خاک ہے؛ حضرت کی دل پذیر حکایات اور کرامات، سید عبدالکریم بُلڑی جو صاحبِ عزت وعرفان، زاہدوں کے رہنما اور پرہیزگاروں کے پیشوا ہیں۔ جو ولایت کے عارف اور نبی کے وارث ہیں جو سچے فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہیں، جو اُمتِ مصطفیٰ کے چراغ اور دین کی روشنائی ہیں، جو اہلِ تحقیق کے امام اور دوستی کے دربار میں باعزت ہیں، جو بندگانِ خدا کے لیے سواری کی نشست اور ولیوں کی شمع ہیں جو اسلام کی دلیل ہیں، جو طریقت کا حسن اور معرفت کی کشتی ہیں، جو وصل کی درگاہ کے والی اور عارفوں کا شرف وشان ہیں، زمانے کے قطب ہیں، جو خدا کی مہربانیوں کا خزانہ اور دریا ہیں یعنی حضرت عبدالکریم بن سید جلال قدس اللہ سرہ' کے کامل فرزندوں، اچھے ساتھیوں، سچے مریدوں اور اصل خادموں جو سب کے سب اُن کے منظورِ نظر تھے اور ان کی صحبت میں رہتے تھے؛ ان سے سن کر اس کتاب کی شکل میں مرتب کیا جو ایک مقدمے اور سات ابواب اور اختتام پر مشتمل ہے۔ کوشش کر کے مشکل فارسی الفاظ سے دور رہنے کی سعی کی ہے تاکہ کسی پڑھنے والے کو مشکل پیش نہ آئے۔ اس کتاب کا نام ''بیان العارفین وتنبیہ الغافلین'' رکھا ہے اور رب العزت کی بارگاہ میں امید کرتا ہوں کہ اِس کتاب کے پڑھنے سے فائدہ ہوگا اور پڑھنے والے اس کتاب کے مصنف، مرتب اور کاتب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اس کتاب کے اندر جہاں بھی لفظ ''حضرت جی'' استعمال کیا گیا ہے اُس سے مراد ولایت کے والی اور بہت بڑی بزرگی والے حضرت سید عبدالکریم ہیں۔ جہاں تک حضرت جی کے مریدوں خادموں اور مخلصین کا تعلق ہے کہ وہ اتنی زیادہ تعداد میں ہیں کہ بیان کرنے سے باہر ہیں اسی لیے ہم نے اس سلسلے میں اختصار سے کام لیا ہے۔

پہلی فصل پیری مریدی اور تاریخِ ولادت کے متعلق ہے۔ دوسری فصل ان مقامات کے متعلق ہے جہاں ان کے آباواجداد نے بودوباش اختیار کی۔

فصلِ اول: پیری مریدی اور تاریخِ ولادت: معلوم ہونا چاہیے کہ سید عبدالکریم کی ولادت متعلوی یعنی مٹیاری جو سندھ کا ایک علاقہ ہے سال 944 ہجری میں ہوئی۔ آپ اویسی سلسلے کے تھے جیسا کہ اُن کے

آباواجداد کی نقل منقول ہے۔آپ جوانی کے زمانے میں سماع کی طرف زیادہ مائل تھے اور ایک دن جب آپ سماع میں مشغول تھے تو اُن کے بڑے بھائی میاں سید جلال جوخود وقت کے بڑے عارف تھے وہ وہاں پہنچے اور اُنھوں نے گال پرتھپڑ مارا اور وہاں سے اُنھیں جبراً لے کر چلے آئے اور اپنی نیک سیرت والدہ ماجدہ کے پاس پیش کیا اور کہا کہ میں تو کوئی علم حاصل نہ کرسکا اور اپنے آپ کوضائع کر دیا اور یہ بھی کچھ نہ پڑھے فقط سماع میں وقت ضائع کرے جو بالکل نامناسب ہے۔ کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت جی نے یہ بیت پڑھا:

ے ان در سندي مگڻيءِ اڳي ائين نہ هير
جيئن ڊگها ڪري پير، سجيون راتيون سمهي

ترجمہ: اس در پر مانگنے والے کی یہ عادت نہ تھی کہ ساری رات اپنے پاؤں کودراز کر کے سوتا رہے یعنی لمبی تان کرسوجائے۔

کہتے ہیں کہ جب تک میاں سید جلال زندہ تھے تو شاہ کریم فقیروں اور درویشوں کی صحبت میں رہتے اور ان کی خدمت کرتے رہے۔جب میاں جلال اس فانی دنیا سے دارالبقا کی طرف منتقل ہو گئے تو اس کے بعد آپ اپنے اہل وعیال کی خدمت میں مشغول ہوئے، ورنہ شاید یہ بھی ہرگز قبول نہ کرتے۔حضرت جی نے روحانی تربیت بہار کے علاقے کے ایک ایسے فقیر سے حاصل کی جو اس وقت سندھ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔روایت ہے کہ آپ نے بتایا کہ ایک دن جب کہ اُن کی جوانی کا زمانہ تھا تو ایک فقیر ان کے گاؤں کی مسجد میں آ کر ٹھہرے۔اُنھوں نے بتایا کہ اُن کا تعلق بہار کے علاقے سے ہے جو ہندوستان کا ایک صوبہ ہے۔

دراصل وہ عارفِ یکتا، مرشدِ زمانہ، قطبِ وقت، پیرِ بےنظیر، صاحبِ تجرید وتفرید اور الٰہی رازوں کے امین اور خدا کی نعمتوں سے نوازے ہوئے شخص تھے۔ میں ان کی خدمت میں دن رات مشغول ہو گیا اور جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ مرغے کھانے کے شوقین ہیں تو میں نے مرغوں کا ایک ہجوم پالا اور پھر ہر روز ایک مرغا ذبح کر کے بھون کر ان کی خدمت میں پیش کرتا تھا۔مطلب یہ کہ ان کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، تقریباً چھ ماہ وہ اُسی مسجد میں رہے۔ایک دن اُنھوں نے اپنا احوال اس طرح بتایا کہ:

''میں اصل میں ایک سپاہی تھا۔میرے عزیز رشتے دار بڑے خوشحال اور بڑے مالدار تھے۔ایک دن اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر جنگ کے لیے نکلا اور جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے اور جب دونوں طرف سے جوان گرنے لگے، تب میرے ہاتھوں اتنے لوگ مارے گئے کہ ان کے خون سے میری تلوار کا ہتھیا برف کی طرح

ہاتھ میں جم گیا اور اس وقت خدا کے خوف نے ایسا گھیراؤ کیا کہ میں اُن کی محبت کے غلبے میں آ کر اپنے آپ کو کہنے لگا کہ خدا نے تمھیں مخلوق کے قتل کے لیے تو پیدا نہیں کیا ہے۔

اُس وقت ہی گھوڑے سے اُترا اور لگام بھائیوں کے حوالے کر کے ان کو کہا کہ میں آ رہا ہوں، یہ بہانہ کر کے بھائیوں سے بھاگ نکلا اور جنگلات اور ریگستانوں سے گزرتے ہوئے کسی جنگل میں پھنس گیا جہاں فقط ہاتھی ہی ہاتھی تھے اسی حیرانی و پریشانی کے عالم میں دن کو درختوں کے پتوں میں چھپ کر گزارتا تھا رات کو پیدل چلتا رہتا تھا۔ آخر کار دن رات ایک کر کے اس خوف ناک جنگل سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور ایک نئے شہر میں آ پہنچا۔ اس طرح کئی شہر اور علاقے دیکھتے اور قدرت کے عجیب مناظر کا مشاہدہ کرتے شہر شہر گھومتے ہوئے یہاں تک پہنچا ہوں اور وہاں سے جیسے ہی گھوڑے سے اُتر کر باہر نکلا ہوں تو ایک گھڑی بھی واپس جانے کا خیال نہیں کیا۔

اپنا احوال دینے کے بعد مجھ سے پوچھنے لگے کہ یہاں آپ کے ملک میں کون سے بزرگ اور درویش ہیں اور وہ کس طرح خدا کو یاد کرتے ہیں؟ میں نے ان کو بتایا کہ ایک محترم نوح ہیں دوسرے سید میراں یوسف بکّھری جو ٹھٹھہ شہر کے باہر ایک پہاڑی پر رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اُس وقت کے دوسرے کئی مشہور اور معروف درویشوں کے نام اور ان کے ذکر و فکر کا طریقہ اُنھیں بتایا۔[۱۲] اُن سب میں سے سید میراں یوسف بکّھری کے ذکر کا طریقہ اُنھیں بہت پسند آیا اور بعد میں اکثر ان کے طریقۂ ذکر کی تعریف کرتے تھے۔ آخر ایک دن اس شخص نے مجھے ذکر کی تلقین کی اور یہ فرمایا کہ یہ راز کسی کو مت بتانا میں نے یہ بات قبول کی لیکن ایک دن اچانک زبان سے وہ بات نکل ہی گئی۔ اس کے بعد جب میں مسجد میں اُن سے ملنے گیا تو وہ وہاں سے جا چکے تھے۔ اس واقعے نے مجھے بہت ملول اور دل گیر کر دیا۔ میرے لیے پوری دنیا اندھیر بن چکی تھی اور تمام عیش و عشرت زہر کی طرح محسوس ہونے لگی۔ اسی فکر میں حیران و سرگرداں رہا کہ اچانک دل میں خیال آیا کہ ممکن ہے کہ وہ سید میراں یوسف کے پاس گئے ہوں۔ یہ سوچ کر مسجد سے باہر نکلا اور گھر کی طرف بھی نہیں گیا سیدھا ٹھٹھہ کی طرف رُخ کیا کئی گاؤں اور ''دیہاتوں'' سے گزرتے ہوئے تکلیف اور مشکلات برداشت کرتے کرتے بالآخر سید یوسف کے دائرے میں پہنچ ہی گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ بزرگ وہیں بیٹھے ہوئے

ہیں اُنھیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اگلی پچھلی تمام تکالیف بھول گیا۔ قریب جا کر ان کے چہرۂ مبارک کو اچھی طرح سے دیکھنے کی کوشش کی تو اُن کے بلند درجات اور شرحِ صدر کا احساس ہونے لگا۔ میں ابھی سوال کرنے والا ہی تھا کہ آپ فرمانے لگے کہ سید میراں یوسف کی جو تعریف سنی تھی وہ سب سچ تھا، بلکہ اُنھیں اس سے بھی مزیادہ پایا۔ ۱۳۱ تنہائی میں ملاقات ہوئی تو وہ سب کچھ میں نے سنایا جو شروع سے آخر تک میرے ساتھ ہو چکا تھا۔ اچانک جب ان کی نظر میرے ننگے پاؤں پر پڑی تو اپنے جوتے اُتار کر مجھے پہننے کے لیے دیئے اور کہا کہ حج پر جا رہا ہوں اس لیے تکلیف کے باعث میں نے وہ لے کر اپنے پاس رکھے لیکن پہننے کی ہمت نہ ہوتی تھی بلکہ سوغات سمجھ کر سینے کے ساتھ لگا کر رکھا۔ سوچا کہ اُنھیں اپنے سر پر تاج سمجھ کر رکھوں گا۔ ہر چند کہ سید میراں نے مشورہ دیا کہ پاؤں میں پہن لو میں نے یہ بات قبول نہیں کی۔ پھر بعد میں فرمایا کہ اچھا تو اُس سے ٹوپی بنوا کر سر پر رکھو۔ میں ٹوپی ساز کے پاس جا کر اسے ٹوپی میں سلوا کر سر پر پہن کر اُن کے حضور میں حاضر ہوا، یہ دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے اور جانماز کے نیچے پڑے ہوئے پیسے نکال کر مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ اس رقم سے ٹھٹھہ شہر سے روٹیاں لے کر آؤ۔ میں نے وہ پیسے تبرک سمجھ کر اپنے پاس رکھے اور اپنے پیسوں سے روٹیاں لے کر لوٹا لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ آپ وہاں موجود نہ تھے۔ یقین ہوا کہ آپ وہاں سے جا چکے ہیں۔ مجھے ایسا بڑا جھٹکا لگا جیسے زمین پاؤں کے نیچے سے نکل گئی ہو اور پہلے کی خوشی غم میں تبدیل ہوگئی۔ روٹی سر پر رکھ کر اُنھیں ہر گاؤں اور بستی تلاش کیا۔ آخر کار بڑی در بدری کے بعد بندر کے شہر ۱۳۲ جو سندھ کا ہی شہر ہے وہاں اُنھیں تلاش کر لیا۔ اس وقت کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہونے والے تھے۔ میں نے بھی وہ تمام روٹیاں اور کھانے کا سامان کھول کر ان کے آگے رکھا اور بڑے ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ مجھے دیکھ کر ان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور تکلیف کی حالت میں دیکھ کر ہمدردی کرنے لگے اور مجھے ایک لکڑی ہاتھ میں دے کر کہنے لگے کہ جاؤ، جا کر اپنے اہل وعیال کے لیے خوراک خرید کرو۔ جب میں نے وہ لکڑی اپنے ہاتھ میں لی تو وہ سونے کی بن گئی۔ میں نے عرض کیا کہ میں سونے کے واسطے آپ کے پیچھے نہیں لگا ہوں، اُس پر آپ مزید مہربان ہوئے اور فرمایا کہ واپس چلے جاؤ۔ میں نے کہا آپ کی خدمت کیے بغیر مجھے کوئی قرار اور آرام نہیں ملے گا بلکہ پریشان رہوں گا لہٰذا میرے حق میں دعا فرمائیے۔ اُس پر فرمایا کہ جاؤ دو تین سالوں کے بعد تمھارے دل میں عشقِ خداوندی کی وہ شمع جلے گی جس سے تو خوشی سے زندگی گزارے گا البتہ ابھی تم یہاں سے واپس چلے جاؤ اور میرے بدلے اپنے اہل وعیال کی خدمت میں مشغول ہو جاؤ۔ اپنی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ کہے کہ الوداع، پھر روانہ ہو گئے اور میں اپنے آپ کو انتہائی بے یار و مددگار محسوس کرنے لگا۔ اُس دوران میں ان کی

تلاش میں کئی مرتبہ پیر آر کے پاس شیخ پٹھو کے مقبرے میں گیا۔ ۶؎ وہاں میں نے ایک کونے میں چار فقیروں کو دیکھا۔ ان میں سے ایک اٹھے اور کشتہ ہاتھ میں لے کر گدا کے لیے پیر آر شہر کی طرف گئے اور جلد ہی اُس کو کھانے کی چیزوں سے بھر کر واپس آئے۔ پھر وہ کھانا ان میں سے ایک فقیر کے آگے رکھا گیا جس نے اس کھانے کے پانچ حصے کیے، چار آپس میں تقسیم کر لیے اور ایک حصہ میرے لیے رکھا۔ جب سے وہ لقمہ کھایا ہے اُس کے بعد کھانا کھانا یا نہ کھانا میرے لیے برابر ہو گیا ہے، یعنی وجود میں سے بشریت کی صفت ختم ہو گئی ہے۔

دوسری روایت ہے کہ ان فقرا میں سے ایک نے زمین سے ایک لکڑی اٹھا کر مجھے دی جس کے چوسنے کے بعد میرے اندر سے کچھ نہ کچھ کھانے کی خواہش ختم ہو گئی۔ شاہ کریم کے ان بزرگوں کے علاوہ اس زمانے کے بڑے عارف اور قطب مخدوم نوح رحمۃ اللہ علیہ اور وقت کے ولی سید میراں یوسف بکھری جو ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے اور مخدوم آدم سمیجو جو کلان گوٹ میں رہائش پذیر تھے، جو اپنے وقت کے ولی تھی ان سے خاص صحبت رہی۔

فصلِ دوم: شاہ کریم کا مرتبہ اور مقام: معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت جی کے اتنے درجات ہیں جو کہ تحریر کی گرفت سے باہر ہیں البتہ جو کچھ سندھ کے بزرگوں نے بیان کیا ہے اس کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔ ہم نے بھی ایسے بزرگوں کی خدمت کی ہے مثلاً مخدوم اسماعیل جاگو اور سید رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ لیکن کہیں سے بھی گوہرِ مقصود حاصل نہیں ہوا۔ جب حضرت جی کی خدمت میں آ کر حاضر ہوا اور عرض کیا تو آپ نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ ''وہ'' ہے یا نہیں بس لفظ ''آن''، یعنی ''وہ'' کہنے سے مجھے اصل مطلب حاصل ہو گیا اس لیے ہر وقت جو حضرت جی کی خدمت میں رہتے تھے ان کو وہ مرتبہ اور مقام کیوں نہیں ملے گا۔ کہتے ہیں کہ حاجی شورو کے کئی مرید تھے لیکن جب حضرت جی کی خدمت میں آئے تو ان پر حضرت جی کی نگاہ کا اتنا اثر ہوا کہ ان کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی کو مرید بنانا مناسب نہیں لگا ہے۔ اس کے بعد اُنھوں نے اپنے مریدوں سے کہا کہ آج سے ہم خود حضرت جی کے مرید ہیں ۷؎ اور آپ لوگ بھی ان کے مرید ہیں۔ اُس کے بعد مریدوں کو نصیحت فرمائی، خبردار اس کے بعد دوسرا خیال دل میں مت لانا۔ ایک روایت ہے کہ درویش بہاء الدین گوڈڑیو بھی مخدوم نوح رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خلفا میں سے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت جی کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت جس نظر سے آپ خدا کا دیدار کرتے ہو میرے اوپر بھی وہ نظرِ شفقت فرماؤ۔ یہ بھی کہتے تھے کہ میری ہمیشہ سے تمنا رہی ہے کہ حضرت جی کی صحبت کا ایسا موقع مل جائے جب کوئی اور موجود نہ ہو اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت جی کا ایک طرف ہو کر سونا ہماری کئی عبادتوں سے بہتر ہے۔ حضرت جی

خدا کی راہ کو اتنی تیزی سے طے کرتے ہیں کہ اس کا اندازہ انہی کو ہے ۱۸؎ جس کا ہمیں کوئی اندازہ نہیں۔ بہاء الدین گودڑیو نے کہا کہ میں نے جو اولیائے کرام کے بارے میں رسالے مرتب کیے وہ حضرت جی ہی سمجھتے تھے اس لیے اُن کی وفات کے بعد بھی میں نے اُنھیں کبھی کھول کر نہیں دیکھا۔ روایت ہے کہ اپنے زمانہ کے عارف اور شیخ حضرت میاں سید ابراہیم ولد پیرِ طریقت حضرت سید یوسف جو میاں سید جعفر کے دادا تھے اور اُنھیں حضرت جی کے پاس بڑی پذیرائی تھی، ان کا کہنا ہے کہ جس دن سے حضرت جی نے محبت اور شوق کے گھوڑے کو تقوے کے تازیانے سے دوڑایا ہے، اس وقت سے ان کی لگام میں کبھی ڈھیل نہیں آئی۔ میاں ابراہیم ولد مخدوم نوح کا قول ہے کہ ہمیں فن وحکمت میں سے تھوڑا کچھ حصہ ملا ہے لیکن حضرت جی زمانے کے لقمان حکیم ہیں اور اُنھیں تمام فنون اور ہنر میں مہارت حاصل ہے۔ روایت ہے کہ ایک دن عارفِ زمانہ اور دانش مند مخدوم ضیاء الدین وعظ فرما رہے تھے اور حضرت جی اُس وقت صغیر پن میں تھے، لیکن ایک کونے میں بیٹھ کے وعظ سن رہے تھے۔ وعظ ختم ہونے کے بعد جیسے ہی شاہ کریم اٹھ کر چلنے لگے تو مخدوم صاحب کی نظر ان پر پڑی ۱۹؎ تو دیکھتے ہی فرمانے لگے سبحان اللہ یہ لڑکا اس عمر میں ہی حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت میں ہے، اگر میں جوانی میں دیکھتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ روایت ہے کہ ایک درویش مہران نہڑیو جو خود بھی بزرگی اور درویشی میں بڑے نامور تھے کے مرشد فوت ہوگئے۔ کچھ عرصے کے بعد اُنھیں حضرت جی کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ وہ حضرت جی سے بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ میں حضرت جی کو اپنا مرشد تسلیم کرتا ہوں اور اپنی گردن ان کی غلامی میں دیتا ہوں۔ درویش صالح سومرو سے روایت ہے کہ حضرت جی کے لیے لذیذ طعام قیمتی لباس ان کی فقیرانہ طبیعت کے لحاظ سے برابر تھے یعنی ان کی طبیعت پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا لیکن دوسروں کی وجہ سے نہ کبھی ایسا کھانا کھاتے تھے نہ ہی ایسا لباس پہنتے تھے، بلکہ پیوند لگے ہوئے کپڑوں پر قناعت کرتے تاکہ مریدوں کے لیے قیمتی لباس اور اچھا کھانا ضروری نہ ہوجائے۔ روایت ہے کہ درویشی رنگ میں رنگے ہوئے پیرِ طریقت میاں عبدالعزیز جو ڈاڈون کے رہنے والے تھے، ایک دن حضرت جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر باادب کھڑے رہے، حضرت جی نے فرمایا کون کھڑے ہیں، ۲۰؎ اُنھوں نے جواب دیا کہ عبدالعزیز۔ اس پر فرمایا: خوش آمدید اُس کے بعد ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا، عبدالعزیز کہنے لگے کہ جب سے آپ کا یہ قول سنا ہے کہ زخمی کو مزید زخم نہ دینے چاہئیں، تب سے سچے دل سے آپ کے پیچھے آپ کا مرید بن گیا ہوں۔ فانی فی اللہ اور عارف باللہ میاں عیسیٰؒ جو حضرت جی کے تمام پیارے مریدوں میں سے تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ میں نے کئی ملک دیکھے دن بڑی محنت اور مشقت سے گزارے اور کئی بزرگوں کی

خدمت کی۔ آخر بیزار ہو گیا کہیں سے بھی مقصد حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ آخر کار جب حضرت جی کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہاں تمام مشکلات اور در بدری سے جان خلاصی ہوئی اور مجھے اپنی منزل مل گئی۔ روایت ہے کہ شروع والے دنوں میں حضرت جی خدا کی تلاش اور طلب میں کسی طرف نکل جاتے تھے۔

درویش صابو سومرو کہتے تھے کہ ہالا کنڈی جو مخدوم نوحؒ کی رہائش ہے وہ بہشت اول ہے اور حضرت جی کی رہائش ''بہشتِ ثانی'' ہے۔ درویش احمد سے روایت ہے کہ جو فرد حضرت جی کی صحبت میں آئے، چاہے ایک مہینہ رہے یا ایک لمحہ جاتے وقت وہ روتے جاتے تھے اور حضرت جی کی صحبت کو چھوڑنا ان پر ناگوار گزرتا تھا۔

اس وقت کے نامور عالم میاں عبدالرشید بصیر سے روایت ہے کہ ہم جب حضرت جی سے کوئی نکتہ سنتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نا معلوم معنیٰ اور فہم کے کئی دفتر کھل گئے ہوں۔ روایت ہے کہ ایک دن راستے میں چلتے ہوئے فقیر بہاء الدین گوڈریہ نے زمین پر کھجور کا آدھا حصہ دیکھا جسے اُنھوں نے ہاتھ سے اٹھا لیا۔ ان سے پوچھا کہ یہ آپ نے کیوں اٹھایا تو جواب دیا کہ اس پر الف لکھا ہوا ہے یہ بات جب حضرت جی نے سنی تو فرمایا کہ کون کون سی چیز زمین سے اٹھائیں، کیونکہ ہر چیز پر خدا کا نام لکھا ہوا ہے۔ بے چارے بہاء الدین نے تو فقط کھجور کی گٹھلی پر اُسے دیکھا۔[۲۲] روایت ہے کہ ابو بکر ولد بایزید ایک بزرگ اور پہنچے ہوئے شخص تھے اور وہ سونڈا کے رہنے والے تھے۔ ان کے بیٹے سے روایت ہے کہ وہ ہر وقت وجد اور حال کے غلبے کے تحت رہتے تھے اور جب بھی یہ کیفیت ان پر طاری ہوتی تھی تو ہمیں بلا کر کہتے تھے کہ جاؤ حضرت جی کی خدمت میں پہنچو۔ ایک دن اس جیسی کیفیت طاری ہوئی اور ہمیں نہایت تاکید سے کہا کہ جا کر حضرت جی کی خدمت میں عرض کریں۔ روایت ہے کہ ایک شخص اپنے مقصد کی خاطر پیر پٹھو کے مقبرے پر آ کر بیٹھا اور عبادت کرنے لگا اور رات کو خواب میں اُنھیں ایک بزرگ نے کہا کہ خلقِ خدا اپنے مقاصد حاصل کرنے کی خاطر حضرت جی کی طرف رجوع کر رہی ہے تم یہاں بیٹھ کر کیا کر رہے ہو؟ جیسے ہی خواب سے بیدار ہوئے سیدھے آ کر حضرت جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جلد ہی ان کے خاص مریدوں میں شمار ہونے لگے۔

محمد رضا

بابِ اوّل

حق کا ذکر

فصلِ اول: حق کا ذکر

فرمایا:فوت الانفاس قتل الانبیا بغیر حق.

یادِ خدا سے دم یا سانس کی غفلت انبیاء کے ناحق قتل کے برابر ہے۔

کہنے لگے کہ اپنے سانس (دم) کی حفاظت کیا کرو اور ہر سانس اٹھانے کے ساتھ اللہ پاک کا نام لو کیونکہ ہر دم آپ کے پاس خدا کی امانت کی طرح ہے اس لیے جس نے ہر سانس میں خدا کو یاد کیا اس نے گویا امانت باسلامت کا حق ادا کیا لیکن جس نے ایک دم بھی خدا کی یاد کے بغیر گزارا اس نے گویا امانت میں خیانت کی۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ وہ ایک دن وقت زاہدِ وقت میاں عبداللہ کے ساتھ حضرت سید صاحب کے پاس گئے۔ کافی دن وہاں رہے اور ایک دن صبح کو اجازت چاہی۔ تب فرمایا: جہاں بھی رہو خدا تعالیٰ کو ظاہر باطن میں ہر وقت یاد کرتے رہو اور اگر اس کی محبت دل میں نہ رکھ سکو تو پھر کم از کم یہ شرم کرنا کہ کس مقام سے آئے ہو اور کس کی صحبت میں رہ کر آئے ہو۔

ے تون چئو ا+ هيڪڙو وائي ٻي م سک

سچو اکر من ۾ سوئي لکئو لک

ترجمہ: تو کہہ (اقرار کر) کہ اللہ ایک ہے اور دوسری کوئی بات مت سیکھ۔ یہی حرفِ حق دل میں بار بار لکھتے (دہراتے) رہو۔

فرمایا کہ اپنی سانس کو خدا کا قاصد یعنی پیغام پہنچانے والا سمجھو۔ جو سانس خدا کی یاد میں اٹھے وہ صحیح ہے۔ جس کے بارے میں یہ سمجھو کہ اسے سنوار کران کے حضور میں بھیجتے ہو لیکن اگر کوئی دم خدا کی یاد سے غفلت میں گزرا تو سمجھو کہ تم نے ایک نبی کو قتل کیا اس لیے کل آپ سے پوچھا جائے گا کہ میرے انبیاء کو کیوں قتل کیا؟

فرمانے لگے کہ طالب کو چاہیے کہ چلتے وقت اکیلا ہو اور اپنے پاؤں پر نظر رکھے اور اِدھر اُدھر نہ دیکھے

کیونکہ نظر دوڑانا دل کے انتشار اور خرابی کا سبب بنتی ہے۔ مطلب یہ کہ ہر قدم پر اللہ کا نام لے کیونکہ عمر ایسے ہی گزر جائے گی اور سورج ایک جگہ نہ ٹھہرے گا۔ پھر ایسے ہی زندگی پوری ہو جائے گی۔

فرمایا کہ اگر آپ کو کوئی ایسی چیز مل بھی جائے جس سے آپ ترقی کر سکو لیکن خدا کی قسم اگر یہ چیز سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موافق نہیں ہے تو اس کو خدارا چھوڑ دو چاہے اس میں آپ کے لیے کتنا ہی نفع کیوں نہ ہو؟

فرمایا کہ طالب کو تین کام کرنے چاہئیں:

(۱) کم کھانا (۲) خلوت اختیار کرنا (۳) زیادہ محبت کے ساتھ خدا کا ذکر کرنا۔

فرمایا کہ ہمیشہ خاموشی اختیار کرنی چاہیے اور اگر آپ سے کوئی بھی کسی چیز کے متعلق معلوم کرے تو اسے زبان سے جواب نہ دو بلکہ اس کو ہاتھ کے اشارے سے بتا دو یہ اس لیے کہ وہ گھڑی بھی حق کی یاد سے غافل نہ جائے۔

ایک مرید سے منقول ہے کہ ایک رات حضرت جی کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ کتے کی آواز آئی جس پر کہنے لگے، سبحان اللہ، جنہیں جاگنے کا حکم ہے وہ غفلت کی نیند میں ہیں جبکہ وہ بے چارے جاگ رہے ہیں ۲۶۔ مزید فرمایا کہ دو بندے مل کر سفر نہ کریں لیکن سفر پر نکلو تو پھر الگ الگ ہو جاؤ بلکہ اس طرح کہ تمھیں ایک دوسرے کے سائے کی بھی خبر نہ ہو کیونکہ دوسرے آدمی کے سائے سے دل میں وسوسہ پیدا ہوتا ہے اور آدمی خدا سے دور ہو جاتا ہے۔

ایک مرید سے منقول ہے کہ ایک دن وہ خود اور ایک اور عقیدت مند دونوں مل کر حضرت جی کی خدمت میں آئے۔ دیکھا کہ فقیر میاں عبدالقدوس تنہائی میں آپ سے ملاقات کر کے واپس جا رہے تھے۔ آپ نے ہم دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر فرمایا کہ میاں عبدالقدوس بڑا نیک آدمی ہے جو وہ خود اکیلا آیا اور اکیلا ہی چلا گیا۔ ہمیں اکیلا آدمی بہت پسند ہے اس سے کہ دو آدمی مل کر کسی کے پاس جائیں۔ پھر فرمانے لگے کہ آدمی کو چاہیے کہ درخت پر سنبھل کر چڑھے تاکہ اسے اس کا پھل وغیرہ ہاتھ آ سکے۔ درخت کی ٹہنی کو پکڑنا اور پھل توڑنا درست نہیں ہے۔

فرمایا کہ طالب کو چاہیے کہ کسی چیز کی تمنا نہ کرے بلکہ کسی بھی مطلب، کشف اور کرامت، قرب اور معرفت وغیرہ کا خیال نہ رکھے اور ساتھ ہی فرمایا کہ کشف اور قرب وغیرہ کو اپنا مقصد نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے کوئی بھی مطلب رکھ کر یاد نہ کرو۔ مجھے کسی مطلب کے سوا کیوں نہیں یاد کرتے۔ مزید کہا کہ جو خود کو

طالب کہلاتا ہے لیکن کسی چیز یا سبب کے لیے خدا کو یاد کرتا ہے وہ دراصل خدا سے تعلق نہیں رکھتا۔

ارشاد ہے کہ فقیرِ فقر کی نشانی یہ ہے کہ اگر جاتے ہوئے چادر کہیں کانٹوں میں پھنس جائے تو اسے پتہ نہ چلے اور نہ ہی چادر کی طلب کرے۔ کہنے لگے کہ طالب کو کوشش کرکے گفتگو نہیں کرنی چاہیے اس لیے کہ اس وقت وہ خدا کے ذکر سے دور ہو جاتا ہے۔ [۲۷]

ایک مرید سے منقول ہے کہ وہ ایک دن حضرت صاحب کے پاؤں دبا رہے تھے کہ خیال آیا آپ کے لیے پانی کا لوٹا بھر کے رکھوں تب آپ نے اجازت دی لیکن کہنے لگے کہ راستے میں اللہ اللہ کرتے جانا۔ جب کوزے کو پانی میں ڈال کر بھرنے لگو تو غور کرنا کہ اس میں سے کون سی آواز نکلتی ہے۔ یقین کرنا کہ وہ آواز غیر اللہ کی نہ ہوگی اس لیے تم بھی اللہ اللہ کرتے جانا۔

فرمانے لگے وہ شخص خدا کا طالب نہیں ہو سکتا جو اہلِ دنیا میں مشہور ہو یا وہ کسی دوسرے واسطے سے پہچانا جائے یا وہ لوگوں میں پہچاننے کی طلب رکھتا ہو۔

کسی بھی آدمی نے قیل وقال کے ذریعے خدا کی معرفت حاصل نہیں کی اس لیے طالب کو گفتگو کرتے وقت زیادہ فکر کرنی چاہیے کہ کہیں اپنا نقصان نہ کر بیٹھے۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ ایک دن وہ کسی گاؤں میں بیٹھے تھے تو حضرت صاحب کے ہاں ایک آدمی آیا جو کہنے لگا کہ مجھے بہت درد اور تکلیف ہے میرے لیے دعا کریں۔ آپ نے مجھے اشارہ کرکے کہا کہ اس شخص سے پوچھو کہ اسے دنیا کا درد ہے یا خدا تعالیٰ کا۔ یہ سن کر اس شخص نے کہا کہ دنیا کا درد ہے تب آپ نے بہت افسوس کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے سمجھا تھا کہ تمھیں خدا تعالیٰ کا درد نصیب ہوا ہے۔

اگر کوئی طالب محض زبان سے اللہ کو یاد کرتا ہے لیکن اس وقت اس کا دل خدا سے غافل ہے تو ایسا ذکر کسی فائدے کا حامل نہیں یہ گویا دل میں غیر اللہ کو بٹھانا ہے۔ اس کے بعد یہ سندھی شعر پڑھا: [۲۸]

ڏکين ذات پٺور هينئڙو لوهَ سنداڻ جيئن ~

سنَياري کي سڄڻين، ورجي تان نہ ويو

ترجمہ: دل لوہے کی سندان کی طرح ضرب لگنے کا عادی ہو گیا ہے اس لیے محبوب کے ذکر سے تھک کر ہارنے والا نہیں ہے۔

رات کے وقت تو ہر کوئی جاگتا ہے لیکن مرد وہ ہے جو دن میں خدا کو یاد کرے (یعنی دنیا کے تمام کام کاج بھلا کر خدا کو یاد کرے)

انسان کے لیے اس سے زیادہ اور کیا شرف ہو سکتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

فاذکرونی اذکرکم. (سورۃ:۲-۱۵۲)

''تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں۔''

مزید کہا کہ طالب کو چاہیے کہ خود کو بحرِ وحدت میں اس طرح غرق کرے کہ ''اذکرونی'' کو ایک کردے۔

بچپن کا ذکر ہے کہ استاد ہمیں لکڑیاں لانے کے لیے جنگل میں بھیجتا تھا اور ایک سبق بھی دیتا تھا کہ یاد کر کے آنا۔ پھر ہم جب جنگل میں جاتے تھے تو باقی سب اپنا سبق یاد کر لیتے تھے لیکن میں صرف خدا کا نام لیتا رہتا تھا۔ واپس آنے کے بعد استاد جب وہ سبق پوچھتا تھا تو دوسرے سارے سناتے تھے لیکن میں نہیں سنا سکتا تھا، اگرچہ میں پڑھنے کے لیے کوشش کرتا رہا لیکن فائدہ نہ ہوا۔

اگر نماز پڑھنے کے وقت کسی دوسری چیز کا خیال آ گیا تو پھر گویا اس شخص نے اس چیز کی عبادت کی۔

طالب کو چاہیے کہ بات کرتے وقت زیادہ فکر کرے کیونکہ گفتگو کرنے میں خود کا نقصان ہے ۲۹ فرمایا کہ اللہ اللہ کہو اور دوسروں کا نام لینا چھوڑ دو۔

بیت

چرين جئن چت ڪري، سگ سيئي ڇن

جي ڀانئين پرين مڙان، ته مت منهنجي ڳن

ترجمہ: 'اپنے دل کو پاگلوں کی طرح کر کے سارے واسطے توڑ دے۔

اگر چاہتے ہو کہ محبوب سے وصال ہو تو میری اس نصیحت پر عمل کرو۔'

آپ کا ارشاد ہے کہ غرق (غیر سے مشغولی) سے فرق (مولا سے مشغولی) بہتر ہے۔

ماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ. (سورۃ الاحزاب:۳۳-۴)

یعنی خدا نے انسان کے اندر دو دل نہیں بنائے ہیں۔

اگر طالب سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فقط افسوس کرنے میں وقت صرف نہ کرے بلکہ یاغافر یاغفار یاغفور پڑھے۔ اپنا حال اپنے ہاتھوں نہ کھو بیٹھے لیکن خدا کی یاد میں لگ جائے۔

ے پريان سندي ڳالهڙي، جيڪو ٻي ڪري

مت منهنجي ڪن ڪر، تنهن ڪي جاب م ڏي

ترجمہ: اگر کوئی محبوب کے سوا کسی اور کی بات کرے، میری نصیحت پر کان دھرتو اسے کوئی بھی جواب نہ دے یعنی کوئی بھی واسطہ نہ رکھ۔

اگر کوئی مبتدی یعنی ابتدائی سالک خدا کے ذکر سے ایک لمحہ بھی غافل رہے گا تو درمیان میں بڑا فاصلہ پڑ جائے گا وہی حالت منتہی یعنی پختہ سالک کی ہے۔

طالب کو چاہیے کہ اپنے حال میں مشغول رہے، ماضی اور مستقبل کی فکر میں نہ پڑے۔ ذکر کرنے والے کے دل کو کوئی بھی چیز سیاہ نہیں کرتی اگر چہ وہ حلال نہ ہو۔

جو آدمی خدا کو یاد نہیں کرتا اس میں اور جانور میں کوئی بھی فرق نہیں ہے سوائے اس کے کہ اسے طاقت نہیں ہے۔ طالب کے لیے غافل ہونے سے موت بہتر ہے کیوں کہ موت خلق سے (غائب) ہونا ہے اور ذکر سے غافل ہونا حق تعالیٰ سے دور ہونا ہے۔ ۳۰ؔ

جب یہ حالت ہو کہ طالب کو ذکر کرتے آج اور کل کے دن میں فرق محسوس نہ ہو تو گویا وہ فریب میں مبتلا ہے لیکن اگر کسی نے خدا کی یاد کو آج کے بجائے کل پر چھوڑ دیا تو اس کے لیے مرنا بہتر ہے۔

جیسی بھی عبادت کرو اس میں اجر و ثواب کا خیال مت کرو کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھے کشف اور کرامت کے واسطے یاد نہ کرو۔

بيت

وائي ٻي مَ ٻُڌ، سروئان موران پکڻان

ٻا+ سندو سڄڻين، هو هلاچو هل

ترجمہ: دوسری کسی آواز پر بھٹک نہ جاؤ بھلے وہ کسی خنزیر یا مور جیسے پرندے کی کیوں نہ ہو۔ خدا کی قسم یہ سارا شور و غل محبوب کے سوا کسی کا نہیں ہے۔

ایک دوسرے کے سامنے (کچہری کے لحاظ سے) نہ بیٹھو کیوں کہ ایسا کرنے سے خدا سے دُور ہو جاؤ گے۔ جلی ذکر یعنی اونچی آواز سے ذکر زیادہ زور سے کرو اور ایسی ضرب مارو کہ پہلی ہی ضرب سے دل پاش پاش ہو جائے۔

بيت

متيون ميڙي ڪانءُ، واڇا ڪجي وڃ پٺ

جو تو سائر ٻانئيو، سو هر ہوئي ناهہ.

ترجمہ: ''عقل کی تمام باتیں جمع کر کے جلا دو فقط محبت کے ساتھ چھلانگ لگاؤ جسے دریا سمجھ بیٹھے ہو وہ تو ایک گام بھی نہیں۔''

جب جلی ذکر شروع کرو تو ''لا الہ'' دائیں طرف سے کہو اور ''الا اللہ'' بائیں طرف سے کیوں کہ دل بائیں طرف ہے۔ جلی ذکر کے بہت فوائد ہیں۔ ایک یہ کہ ۳۱ ذکر کرنے والے کی بخشش ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ جو اسے سنتا ہے اس کی مغفرت ہوتی ہے اور اگر وہ سننے والا دوسرے تک پہنچاتا ہے تو اس کی بھی مغفرت ہوتی ہے اس طرح یہ ساتویں شخص تک دراز ہوتا ہے۔ اس کے سوا جلی ذکر کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایسا شخص نیند میں ہو خواہ بیداری کی حالت میں خدا کا نام نہیں بھولتا۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جس طرح چرواہا جنگل میں مویشی کو دن میں ''ھدی ھدی'' پکار کر بلاتا ہے لیکن جب رات کو اپنے گھر میں سوتا ہے تو نیند میں بھی یہ الفاظ کہتا رہتا ہے بلکہ اتفاقاً بیدار ہونے کے بعد بھی یہ الفاظ اس کی زبان سے نکلنے لگتے ہیں۔ مطلب یہ کہ طالب کے لیے جہری ذکر بھی اس طرح ہے۔

اگر کوئی شخص ذکر جہری کی ابتدا لاالہ الااللہ سے کرے اور ختم کرے تو دوسرا ایک دم الا اللہ سے شروع نہ کرے بلکہ کچھ وقفہ کرے جیسے، پہلا شخص الا اللہ سے آغاز کرے۔

طالب کو چاہیے کہ جتنا جہری ذکر کرے اتنا ہی قلبی ذکر بھی کرے اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے ایک آدمی دودھ سے دہی بنانا چاہے تو اس کے لیے تھوڑی دہی دودھ میں ڈالے اور اسے ایک جگہ نہ رکھے بلکہ گھماتا رہے تو یہ دودھ دہی نہ بن سکے گا الٹا خراب ہو جائے گا لیکن اگر اسے ایک جگہ رکھ دیا جائے گا تو وہ دہی بن جائے گا اور اس سے مکھن بھی نکالا جا سکے گا۔

فرمایا:

الذکر بلا فکر کشجر بلا ثمر.

یعنی ذکر، فکر کے بغیر ایسے ہے کہ جیسے پھل کے بغیر درخت ہو اس لیے ذکر سے فکر بہتر ہے۔ ۳۲

طالب کو چاہیے کہ اللہ کا نام لیتے وقت فکر کرے اور نیت کرے کہ ایسی ہستی یعنی خدا کا نام لے رہا ہے جو اپنے آپ کو آپ جانتا ہے اور یاد کرتا ہے۔

سماع مخفی ذکر ہے کیونکہ اس میں احد کا ورد ہے لیکن عام لوگوں کو پتہ نہیں وہ حیران ہیں کہ وہ صرف آواز ہی آواز ہے۔ کہا کہ خلق کے ساتھ رہو لیکن ان سے مل کر ایک نہ ہو جاؤ۔

بیت

کڏيون ۽ ڪِروٽون، اي پڻ سگر ٽوڪَ
هِنيون ڏجي حبيب کي، لڳ ڳڏجن لوڪ

ترجمہ: حجرے اور سجدہ گاہیں گرچہ متبرک ہیں لیکن دل اپنے محبوب کو دینا چاہیے اور ظاہری طور پر لوگوں میں رہنا چاہیے۔

یعنی انجمن میں خلوت ہونی چاہیے۔

ایک دن ایک مردِ خدا آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا کہ سائیں بوڑھا ہوگیا ہوں کیا کروں۔ کہنے لگے کہ جا کر اللہ اللہ کرو اس سے زیادہ کیا کروگے۔

ـہ وهاٽي ۽ وڃ، تو نہ سرندو تن ري،
تان سا وجي پيچ، پئي جا ڪاٽ پرين سين

ترجمہ: 'اگرچہ سحر ہوچکی ہے پھر بھی چلتے جاؤ اس لیے کہ اس کے بغیر تیرا گزارہ نہیں۔ محبوب کے ساتھ جو کمی پڑ گئی ہے اسے پورا کرو۔

کہنے لگے کہ کسی کو خدا حافظ کہتے وقت یہ الفاظ کہے جاتے ہیں کہ جاؤ اور جا کر قرار حاصل کرو۔ ان کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا ہے کہ جا کر سو جاؤ بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ گوشہ نشین ہو کر خدا کو یاد کرو اور اس کے ذکر سے قرار حاصل کرو۔

خلق مردہ ہے اور صرف ذکر کرنے والے زندہ ہیں۔ مثال کے طور پر جب مچھیرے مچھلیوں کو جال میں پھانس کر باہر نکالتے ہیں اس وقت کچھ مچھلیاں مردہ ہوتی ہیں کچھ تڑپتی رہتی ہیں اور کچھ زندہ ہوتی ہیں اس لیے مچھیرے کہتے ہیں کہ یہ مچھلیاں زندہ ہیں۔ فرشتے بھی اسی طرح ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ یہ جو ذکر کرنے والے ہیں وہ زندہ ہیں اور دوسرے سب مردہ ہیں۔ ۳۳۔ جس شخص کے دل میں خدا کی یاد نہیں ہوتی اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے لیے ایک سانپ کا بچہ بھی اژدہا کے برابر ہے۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کو اپنا دوست قرار دیں گے جس کے دل میں ان کے لیے محبت ہوگی۔ طالب کو چاہیے کہ ہر حال میں خدا کو یاد کرے پھر اس میں اس کو توفیق ہو یا نہ ہو لیکن اپنی طاقت کے مطابق خدا کی راہ پر چلنے کی کوشش کرے کیونکہ جب باغبان اپنے دونوں ہاتھوں سے

کدال مارتا ہے تو زورِ بازو کے نتیجے میں زمین کا کچھ ٹکڑا تیار کر لیتا ہے۔

جب تک طالب اپنے دل کو تمام خیالات اور خطرات سے خالی نہ کرے گا تب تک خدا کا ذکر اس کے دل میں قرار نہ پائے گا کیونکہ جب تک جھاڑیوں سے بھری ہوئی زمین کو صاف نہ کیا جائے گا تب تک اس میں کوئی بھی پودا نہیں اُگے گا۔ اگر کوئی فرد یہ سمجھتا ہے کہ فلاں فلاں کام پورا کر کے خدا کو یاد کروں گا تو وہ غلطی پر ہے کیونکہ دنیا کے کام ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ ایک ختم ہوگا تو دوسرے کا سامنا ہوگا۔ مطلب یہ کہ اس طرح ابدی فراق یعنی ہمیشہ والی فرقت کا شکار ہوگا ہے دنیا کے کاموں کی مثال اس طرح ہے جس طرح ایک شخص مٹی کا برتن بھر کر اپنے سر پر رکھے پھر بھی کوشش کرے لیکن جیسے ہی چلنے لگے گا تو مٹی منہ پر ضرور لگے گی۔

بيت

اٿي چل چرين جئن، سگ سيئي ڇن

جي پائئين پرين مڙان، ته مت منهنجي ڳن

ترجمہ: دیوانہ وار اٹھ کر چل اور سارے تعلقات کو منقطع کر۔ اگر تُو چاہتا ہے کہ محبوب سے ملن ہو تو میری اس نصیحت پر عمل کر۔

طالب کو چاہیے کہ خدا کی طلب سے کبھی بھی عاجز نہ ہو اور ایسا کبھی بھی نہ سوچے کہ خدا کوئی ایسی چیز ہے جس کی طلب نہیں کی جا سکتی ہے بلکہ ہر حال میں خدا کی طلب میں مشغول رہے اور اپنے دل میں ایسے خیالات نہ آنے دے۔

اسم اللہ کا ذکر ہی خدا کا ذکر نہیں بلکہ وہ تو ان ناموں میں سے ایک نام ہے خود خدا تعالیٰ تو چیز ہی کچھ اور ہے۔ ذکر یہ نہیں ہے کہ فقط زبان سے اللہ اللہ کرے بلکہ ذکر وہ ہے جس میں دل کا تعلق خدا سے ہو جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

'من احب شی اکثر ذکرہ'

یعنی جو آدمی جس چیز سے محبت کرتا ہے اسے وہ اکثر یاد کرتا ہے۔

بيت

جي جاڳندي من ۾، ستي پڻ سيئي

من پريان نيئي، پکڻيو ڀاڻ ڳري

ترجمہ: جو حالتِ بیداری میں دل میں ہیں وہی خواب میں بھی ہیں۔ میرا دل ان کے قابو میں ہے۔

حدیث ہے کہ:

'ان اللہ لاینظر الا صورکم ولا الیٰ اعمالکم ولاکن ینظر الیٰ قلوبکم ونیاتکم۔'

یعنی خدا تعالٰی تمھاری صورتوں کو نہیں دیکھتا نہ ہی تمھارے اعمال کو بلکہ وہ تمھارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔ ۳۵

ذکر، فکر کے سوا بیکار ہے، فکر دل کی صفائی کے سوا حاصل ہونا ناممکن ہے اور دل کی صفائی مجاہدے کے سوا ہرگز حاصل نہیں ہوگی۔ اس طرح الٰہی جذبے اور کشش کے سوا مجاہدہ ناممکن ہے۔

محبوب سے حالتِ وحدت کے حصول کے لیے ذہنی یکسوئی اور خلوت ضروری ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

'ان اللہ وتر یحب الوتر'

یعنی خدا اکیلا ہے اور اکیلا ہونا پسند کرتا ہے جو بیابانوں میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرتا ہے اسے خدا تعالٰی اکیلا نہیں چھوڑے گا بلکہ اسے کھانے اور پینے کے لیے اتنا ملے گا کہ وہ کسی کا محتاج نہ رہے گا۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ ایک دن میں اور دوسرے عقیدت مند حضرت جی کے ساتھ جا رہے تھے۔ اتفاقاً مجھ سے ''ہو ہو'' کی آواز نکل گئی جب آپ نے وہ آواز سنی تو آپ کو یہ آواز عجیب لگی اور میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے کہ ذکر میں یہ آہ وفریاد کیوں؟

مٺ پيڙيائي يليءَ جو اٿي ته واءِ

ترجمہ: مٹھی کو بند رکھنا اچھا ہے، جو کھل گئی تو سب کچھ اُڑ جائے گا۔

خدا تعالٰی سے کشف اور کرامت، مشاہدہ اور معرفت حاصل کرنا یا غوث اور قطب ہونے کی تمنا نہ کرو۔ ان باتوں کے فریب میں نہ آؤ بلکہ خدا کو خدا کے لیے یاد کرو۔

بیت

پاڻياري سپ ڪار، جا سر گهڙو پري

ڪا لئه سندي سڄڻين، ڪا پورهئي ڪاڻ پري

ترجمہ: سر پر مٹکا رکھ کر پانی بھرنے والیاں تو سبھی ہیں لیکن ان میں سے کوئی کوئی ایسی ہے جو اپنے محبوب کے لیے بھرتی ہے اور کچھ فقط مزدوری کے لیے یہ کام کرتی ہیں۔ ۳۶

تنہائی میں تو سالک اللہ کا ذکر کرتا ہے لیکن اصل مرد تو وہ ہے جو لوگوں کے مجمعے میں بھی غافل نہ ہو۔ جب کوئی فقیر حجرے میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرتا ہے تو اس وقت روحانی طور پر اسے معیت حاصل ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر وہ مرشد کی روحانی زیارت سے غافل رہا تو کچھ بھی حاصل نہ کر سکا۔ اس طرح جب فقیر حجرے میں گوشہ نشین ہوتے ہیں تو بڑی محنت کرتے ہیں لیکن جب باہر آ جاتے ہیں تو دوبارہ غافل ہو جاتے ہیں۔

عقیدت مند چاہے مشرق میں ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ ذکر میں مصروف ہے تو گویا وہ میرے قریب ہے، جو مرید میرے ساتھ رہتا ہے اور ذکر سے غافل رہتا ہے تو وہ گویا مجھ سے بھی دور ہے۔

بیت

ور وسري تہ کوھ، پر ور نہ وسرئوس
کونہ چوندو کڏھين تہ، اڱڻ اونداھوس

ترجمہ: ''اگر خاوند نے اسے بھلا دیا تو کیا ہوا؟ اسے لیکن خاوند کو بھولنا نہیں چاہیے۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے آنگن میں اندھیرا ہے۔''

ایک دن درویش احمد رونجھو نے حضرت جی سے پوچھا کہ گزر بسر کا ذریعہ کیا ہے؟ حضرت جی فرمانے لگے کہ: بیلچہ مارتا ہوں اور زمین کاشت کرتا ہوں۔ پوچھا کہ جب یہ کام کرتے ہیں تو خدا کو کس طرح یاد کرتے ہیں؟ اس پر آپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ اے احمد جب پانی بھرنے والی عورت دو مٹکے سر پر رکھ کر اُنھیں ایک ہاتھ سے پکڑ کر ۳۷ باتیں کرتی ہوئی گھر جاتی ہے تو وہ مٹکے اس کو چلنے اور باتیں کرنے سے تو روک نہیں سکتے۔ یہ سن کر احمد خاموش ہو گیا اور پھر نہ بولا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ وہ مٹکے دراصل دل پر رکھے ہوئے ہوتے ہیں ہاتھ پاؤں پر نہیں۔

حضرت جی فرمانے لگے کہ نفی اور اثبات میں فرق کرو یعنی ''لا الـــــہ الا اللہ'' کہتے وقت اثبات کی ضرب زوردار لگاؤ۔ پھر فرمانے لگے کہ ذکر کرنے والے کو قرآن بھی یاد نہیں رہتا۔ پھر کہنے لگے کہ مردہ شیر سے زندہ بلی بہتر ہے کیوں کہ زندہ اللہ کا نام لے سکتا ہے لیکن مردہ کچھ بھی کہہ نہیں سکتا۔

ایک دن مریدوں سے کہا کہ تم نے ہمارا بہت ذکر کیا ہے اب خدا کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔

ایک مرید نے بتایا کہ میں ٹھٹھہ سے چل کر حضرت صاحب کی خدمت میں بلڑی آیا۔ جب وہاں پہنچا تو آپ عبادت میں مشغول تھے اس لیے میں وہاں بیٹھے ہوئے مریدوں کے ساتھ باتیں کرنے لگ گیا۔ جب حضرت صاحب نے میری آواز سنی تو مجھے بلایا اور مجھے نصیحت کرنے لگے کہ جب تم بات کر رہے تھے تو مجھے بہت تکلیف ہو رہی تھی کہ فقیر کی تو حالت یہ ہونی چاہیے کہ وہ ہمہ وقت اللہ سے مصروف رہے اگرچہ دوسرے باتوں میں محو ہوں۔اس کے بعد مجھے بہت سی نصیحتیں اور ہدایتیں کیں میں نے وہ ہدایتیں سُن کر جانے کی اجازت چاہی اور ٹھٹھہ واپس آیا، اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی پوشیدہ چیز عنایت کرے تو اسے چاہیے کہ وہ ظاہر نہ کرے۔

بیت

مٺ پيڙيائي ڀلي، جي اُپٽي تہ واءِ

جہ پڌر وڏي ڳالهڙي، ڇڏي وڃي ساءِ

ترجمہ: مٹھی کو بند رکھنا اچھا ہے کیونکہ اگر کھل گئی تو پھر کوئی بھی بات پوشیدہ نہیں رہے گی۔اس طرح جب کوئی بات ظاہر ہوگئی تو پھر اس میں مزہ نہیں رہے گا۔

منقول ہے کہ ایک دن ایک مرید حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس سے پوچھا گیا کہ خدا کے سوا دوسرے کسی کو یاد کرتے ہو کیا؟ مرید نے جواب دیا کہ خدا کی یاد میں مشغول ہونے کے بعد حضرت صاحب کو یاد کرتا ہوں۔اس پر کہا کہ اچھا! جو سالک رزق کی فکر میں غلطاں ہے اسے چاہیے کہ اللہ کا ذکر کرنے کے بجائے یارازق کہتا رہے۔

بیت

جيڪي گهران مَ وڃ، جيڪي موٽ مَ سهٽي

هيڪڙيائي هٿ ڪر، ٻيون ٻيري ٻج

ترجمہ: اے سوہنی! اپنے گھر سے نہ نکل یا نکل تو واپس نہ آ۔ایک ہی راستے پر چل۔باقی سب چیزیں چھوڑ دے۔غرض کہ سارے کاموں سے یک سُو ہو کر محبوب میں مصروف ہو جا۔

منقول ہے کہ ایک مرید آپ کی خدمت میں آیا۔اس سے پوچھا کہ ''کیا خدا کو یاد کرتے ہو؟ مرید

نے جواب دیا'' کہ آپ کی برکت سے سب کچھ حاصل ہے۔ اس پر مرید کو سمجھایا کہ اتنی بڑی بات نہ کہو کیونکہ اس راہ میں محبوب کے انوار حسن کا ذرّہ ملنا بھی بڑی بات ہے۔[۳۹]

ساری عبادات سے اللہ پاک کا نام افضل ہے۔ اس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جیسے روپے میں پیسے ہیں اور دینار میں درہم ہیں یا پتھروں میں لعل و گوہر ہیں ان میں سب سے زیادہ قیمتی سنگِ فیروزہ ہے۔ اس طرح عبادات میں اللہ کا نام (اسمِ ذات) ہے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ آپ سے سب استفادہ کر رہے ہیں لیکن میں محروم ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔ یہ سوچو کہ تم اس راستے پر کس طرح پہنچے ہو۔

بيت

سوئي هيڏان سوئي هوڏان, سوئي من وساءِ

تنهين سندي سوجهري, سوئي سو پساءِ

ترجمہ: وہی اس طرف بھی ہے تو اس طرف بھی اور وہی دل کے اندر بستا ہے۔ اسی کے نور سے ہی اسے دیکھا جا سکتا ہے۔

سالکوں میں کچھ وہ ہیں جو محبوب میں مصروفیت کے علاوہ تمام کاموں سے فارغ ہیں۔ کچھ خوش نصیب ایسے ہیں جو محبوب کے انوار سے سرشار ہو کر بھی دنیاوی کاموں میں مصروف ہیں۔

فرمایا کہ حبس دم کی مثال اس طرح ہے کہ جب مشکیزے میں ہوا پھونکی جاتی ہے تو پھر وہ بھری ہوئی لگتی ہے اور جب ہوا نکالی جاتی ہے تو خالی نظر آتی ہے۔ اس طرح حبس دم کے وقت بہت زیادہ ''اللہ اللہ'' کیا جائے اور دم چھوڑتے وقت ''لا الہ الا اللہ'' یوں کہا جائے کہ دل کی صفائی ہو جائے۔

ایک مرید سے منقول ہے کہ اس نے حضرت کی خدمت میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ کا یہ قول سنایا:

'انما حرم الوصول لیقطع الاصول'

یعنی ایسی ملاقات حرام ہے جو اصول کو توڑ دے۔[۴۰]

یہ الفاظ سن کر آپ بہت خوش ہوئے اور کافی وقت تک یہ الفاظ دہراتے رہے۔

خداتعالٰی کا فرمان ہے کہ: 'واذکر ربک اذا نسیت' (سورۃ الکہف، ۱۸:۲۴)

یعنی خدا کو وہاں تک یاد کرو جہاں تک آپ خود کو بھول جاؤ۔

خدا کو ان ساعتوں میں یاد کرو تا کہ نفس کی خواہشات اور لذتوں کو بھول بیٹھو اور رب کو اس ساعت میں بھی یاد کرو جب اس کا ذکر بھول بیٹھو۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:

'واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفه ودون الجهر' (سورۃ الاعراف ۷:۲۰۵)

یعنی، اپنے رب کو یاد کرو اپنے قلب میں عاجزی اور خفیہ طریقے سے اور آواز کے بغیر۔

من عرف نفسه فقد عرف قلبه ومن عرف قلبه فقد عرف روحه ومن قد عرف روحه فقد عرف سره ومن عرف سره فقد عرف اسراره ومن عرف اسراره فقد عرف اخفائه ومن عرف اخفائه فقد عرف ربه۔[۲۱]

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے واقعی اپنے قلب کو پہچانا اور جس نے اپنے قلب کو پہچانا اس نے روح کو پہچانا۔ جس نے روح کو جانا اس نے پوشیدہ اسرار کو جانا۔ جس نے اسرار کو جانا اس نے اصل راز کو جانا۔ جس نے راز کو جانا اس نے بڑے پوشیدہ راز کو جانا اور جس نے اسی پوشیدہ راز کو جانا اس نے واقعی اپنے رب کو پہچانا۔

خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

'ان الله یامرکم ان تودوا الامانات الیٰ اهلها' (سورۃ النساء:۴-۵۸)

یعنی، بیشک اللہ حکم دیتا ہے کہ آپ لائق لوگوں کو امانتیں پہچاؤ۔ تمھارا دم یا سانس جو اللہ کی طرف سے تمھارے پاس امانت ہے اسے ذکر اللہ ہی میں استعمال کرو اور ان میں ہرگز خیانت نہ کرو۔ مرشد کی صحبت میں تو ہر ایک خدا کو یاد کرتا ہے لیکن کامل وہ ہے جو مرشد سے دور ہونے کے باوجود خدا کے ذکر میں مشغول ہو اور اس طرح جہاں بھی ہو اور جس حال میں بھی ہو اپنے محبوب کو یاد کرے۔

فقیر کو چاہیے کہ سیاہ لباس پہنے بلکہ سر پر بھی کپڑا رکھے۔ طالب کو چاہیے کہ ہمیشہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے اور سلائی بھی الٹی سیدھی ہونی چاہیے۔ اس طرح رنگین پیوند کپڑوں میں لگانے سے بھی گریز کرے کیونکہ فقیر کی دنیا سیدھی سادی ہے۔ لباس میں وہ سلائی دکھاوے کی خاطر نہ کرے بلکہ ٹکڑوں پر ٹکڑے لگانے کا مطلب سادگی اور نرمی کو ظاہر کرنا ہے۔

ایک مرید سے منقول ہے کہ ایک دن کچھ مرید حضرت کی تہد سی رہے تھے کہ مجھے بھی ارشاد کیا کہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں۔ میں نے عذر پیش کیا کہ میں سلائی نہیں جانتا، مجھے سیدھی سلائی نہیں آتی تو آپ نے فرمایا کہ جیسے بھی تمھیں آئے ویسے لگاؤ۔ میں بہت خوش ہوا اور دوسروں کے ساتھ سلائی میں مصروف

ہو گیا۔

اپنے فرزندوں کو کہا کہ آپ کے پاس ایک چادر اور ایک کلاہ ہونی چاہیے۔[۴۲] اس حال میں اپنے رب سے ذکر وفکر کی مشغولی اختیار کرو اور تنہائی کو پسند کرو اور آپ کے عیال کی خدمت ہمارے ذمے ہے اس لیے کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔

ایک مرید نے بات کی کہ ایک دن حضرت صاحب کی خدمت میں جانا ہوا۔ میرے کاندھوں پر اچھی خاصی موٹی کفنی پہنی ہوئی تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ حضرت صاحب کی پیٹھ پر کپڑا نہ تھا تو میں نے وہ کفنی اپنے کاندھوں سے اتار کر آپ کے کاندھے پر ڈالی۔ آپ نے کہا کہ دوسرے پھٹے ہوئے کپڑے اس پر ڈالو کہ یہ سخت ہو جائے کیونکہ یہ مجھے بہت نرم محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بعد میں نے ہمیشہ پھٹے ٹکڑوں والا کپڑا اختیار کیا اور پھر کبھی بھی سفید چادر اور نرم کپڑا کاندھوں پر نہ رکھا۔

خیال آیا کہ بہتر کپڑے پہننے چاہئیں لیکن بعد میں ایسا اس لیے نہ کیا کہ کہیں دوسروں کے لیے حجت یا ضروری نہ ہو جائے۔

منقول ہے کہ حضرت سوار ہو کر کسی طرف جا رہے تھے تو راستے میں ایک درویش جو اپنی بزرگی، مجاہدے اور ترکِ لباس کے وجہ سے مشہور تھا آپ سے ملا۔ اس وقت اس بزرگ نے سفید لباس پہنا ہوا تھا اور سر پر بڑی پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے آپ وہ ہی ہیں جو پہلے تھے۔ وہ بات اس شخص کو اچھی نہ لگی اور یہ شعر پڑھا:

ے ڦٽيون ڪر ڦڙڪيون، ور ونگائي پاءِ
جا تن اندر ڪاءِ، سا معلوم محبوب کي[۴۳]

ترجمہ: رنگ دار پگڑی کو پھینک دے اور الٹی سیدھی ہی سر پر رکھ کیونکہ جو تیرے دل کے اندر ہے وہ تیرے محبوب کو معلوم ہے۔

حضرت صاحب کو یہ بات ناگوار گزری اور آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھا:

بيت

فڪر ڪر ڦڙڪين، ور ونگائي لاهه
سائي ساري هٿ ڪر، سيٽن جا سهاءِ

ترجمہ: اس پیوند لگی ہوئی پگڑی کی فکر کر اور اس کے بل نکال کر سیدھا رکھ۔ وہی بات کرنی چاہیے جو محبوب کو اچھی لگے۔

یہ سن کر وہ شخص بالکل خاموش ہو گیا اور کچھ نہ بولا۔

فرمایا کہ سر کو پوری طرح ڈھانپ کر رکھو درمیان میں برہنہ نہ چھوڑو کیونکہ اس جگہ شیطان قبضہ جما لیتا ہے۔ جو شخص حلال کھاتا ہے اور حلال پہنتا ہے اس کی دعا بھی قبول ہوتی ہے۔ وہ حلال اس طرح ہے کہ وہ اپنا ستر بھی ڈھانپتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے حلال کما کر کھاتا ہے۔ اس صورت میں وہ جو بھی دعا وغیرہ مانگتا ہے وہ مستجاب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خوراک اور پوشاک کا انتظام دو باتوں کی وجہ سے کیا ہے ایک بھوک سے بچنا اور دوم ستر کی حفاظت کی وجہ سے اور فقیروں نے دونوں کو قبول کیا ہے۔

طالب کو چاہیے کہ پگڑی باندھتے وقت سیدھی اور خوب صورت نہ باندھے ایسی ویسی باندھے اور پگڑی باندھنے کے وقت زیب و زینت کی فکر سے دست کش ہونا چاہیے۔[۴۴]

فرمانے لگے بالفرض کوئی شخص آسمان سے اترتا ہوا نظر آئے اور قیمتی لباس میں ملبوس نظر آئے لیکن وہ ذکر کے انوار سے محروم ہو تو اس کے قریب ہرگز نہ جاؤ برعکس اس کے اگر بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس شخص آ کر تمھیں ملے اور وہ صاحبِ ذکر بھی ہو تو اس کی صحبت کو غنیمت مانو۔

روایت ہے کہ ایک دن حضرت صاحب کی چادر دھلائی کے لیے گئی ہوئی تھی تب تک آپ پشت پر بغیر کپڑے کے بیٹھے تھے۔ ایسے میں آپ کے فرزند میاں حسین آ گئے جنھوں نے اپنی سفید چادر اتار کر آپ کے شانوں پر رکھی۔ تب آپ نے وہ چادر اتار کر زمین پر رکھی اور کہنے لگے کہ سفید چادر ان کو اوڑھنی چاہیے جن کے دل روشن اور سفید ہوں۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا:

بیت

ڪاڙياريون ڪيئن ڪن، عمر اڇا ڪپڙا

جني جا ٿرن ۾ ور ٿا ويڻ سهن

ترجمہ: اے عمر! وہ عیب والی عورتیں کیسے سفید کپڑے پہنیں گی جن کے خاوند تھر میں طعنے سہتے ہیں۔

'قوت الفقیر ما وجد ولباسه ما ستر وسکنه حیث درکه' یعنی فقیر کا گزارہ وہ ہے جو اسے ملے۔ اس کا لباس وہ ہے جو ستر ڈھانپے اور اس کے رہنے کی جگہ وہ ہے جہاں اسے رات پڑ جائے۔ پہلے ایسے

درویش بھی گزرے ہیں جو اپنے پیوند لگے لباس کے ساتھ چلہ کشی کرتے تھے۔[45]

منقول ہے کہ ایک دن ایک فقیر آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اس سے آنے کا سبب معلوم کیا اس پر وہ فقیر کہنے لگا کہ یہ پھٹا ہوا کرتہ ہے اسے کسی فقیر سے سلائی کرانے کے لیے آیا ہوں۔ یہ سُن کر آپ کو بہت برا لگا اور اسے کہا کہ فقیری کی پہلی منزل اپنا خرقہ خود سلائی کرنا ہے۔

ایک دن آپ سید جلال شیرازی رحمۃ اللہ علیہ جو وقت کے فنافی اللہ اور خدا کے برگزیدہ بندے تھے ان کے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ آپ اکثر لمبا جبہّ اور دستار پہنتے تھے۔ اس دن بھی آپ اس لباس میں تھے جس پر اس بزرگ نے کہا کہ اس جبّے کو ترک کیوں نہیں کرتے ہو؟ کیا یہ عزت اور تکریم کی نشانی ہے؟ اس پر آپ نے جواب دیا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''یابنی آدم قد انزلنا علیکم لباساً یواری سواتکم وریشا ولباس التقویٰ ذالک خیر' (سورۃ الاعراف: ۷: ۲۶)

یعنی اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے آپ کے لیے پوشاک کو نازل کیا ہے کہ جیسے آپ اسی سے اپنی ستر پوشی کریں اور پارسائی / پاکیزگی والی پوشاک زیادہ بہتر ہے۔ تقوے کا لباس حلال والا ہے اس سے ستر پوشی ہوتی ہے۔''

یہ بھی فرمایا کہ 'من اراد صاحبہ فاللہ سیکفیہ' یعنی جو دوستی رکھنا چاہے تو پھر اس کے لیے اللہ کافی ہے۔ مزید یہ بھی کہا کہ فقیر کو قرآنِ پاک کی اس آیت پر اس دنیا میں ہی عمل کرنا چاہیے۔

'یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ لکل امری منھم یومئذ شان یغنیہ' (سورۃ عبس: ۸۰: ۳۴۔۳۷)

یعنی ''جس دن ہر ایک بھاگ کر دور ہوگا اپنے بھائی سے، ماں سے، باپ سے، بیوی سے اور اپنے بیٹے سے اس دن ہر ایک پر اپنی فکر غالب ہوگی۔

فقیر کو اس آیت پر غور وفکر کرنا چاہیے کہ ایسا واقعی ہے یا نہیں۔ حضرت صاحب یہ نصیحت کرتے ہوئے خود رو رہے تھے۔ آخر میں کہا کہ اگر سمجھو کہ نکاح کرنے سے خدا کے ذکر میں خلل نہیں پڑے گا تو نکاح کر سکتے ہو۔[46] لیکن اگر سمجھتے ہو کہ نکاح کرنے سے خدا کی یاد سے محروم ہو جاؤ گے تو پھر وہ نکاح نہ کرو۔ اس نصیحت کے بعد ہمیں اجازت دی اور ہم ٹھٹہ پہنچے۔

کافی مدت کے بعد جب آپ ٹھٹہ تشریف لائے تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث کا غذ

کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر آپ کے پاس لے گیا۔

''ما ترکت بعدی فتنه آخر علی الرجال من النساء''

یعنی ہمارے بعد مردوں کے لیے چھوڑا ہوا فتنہ عورت میں ہے۔'' آپ یہ حدیث سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے دُہرانے لگے اتنا کہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ گویا حالتِ وجد میں آ گئے ہیں۔

اس کے بعد یہ حکایت سنائی کہ ایک دن میں ٹھیاری کے شہر میں سماع میں مشغول تھا کہ اتفاقاً میرا بڑا بھائی میاں سید جلال وہاں آیا اور مجھے بازو سے پکڑ کر گھر لے آیا جہاں پہلے سے ہی قاضی اور دیگر سادات بیٹھے تھے۔ مجھے ان کے آگے بٹھایا گیا۔ میں حیران و پریشان تھا اور کچھ بھی خبر نہ تھی کہ یہ سب کچھ کیا ہے حتیٰ کہ قاضی نے پوچھنا شروع کیا کہ ان چار شرعی شرائط کے مطابق آپ نے فلاں بنتِ فلاں کو قبول کیا؟ یہ سن کر گویا میرے ہوش خطا ہو گئے اور میں بالکل چپ ہو گیا۔ آخر شرم کی وجہ سے اور اتنے سادات جو آ کر اکٹھے ہوئے تھے ان کا خیال کرتے ہوئے مجبوراً ہاں کی لیکن اب جو میں اکٹھے اپنے فقیروں کو نکاح سے منع کرتا رہا ہوں اس کا سبب فقط یہ ہے کہ مجھے جو نقصان راہِ سلوک میں نکاح سے ہوا ہے مبادا وہ دوسروں کو بھی پہنچے۔۵۲

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نکاح کرنا سنت ہے اور اس میں پیغمبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی ہے لیکن عجب بات ہے اور یہ سب کو خبر ہے کہ آپ رات کو عبادت میں اتنا کھڑے رہتے تھے کہ آپ کے پاؤں مبارک بھی سُوج جاتے تھے۔

منقول ہے کہ مولانا بہاء الدین گودڑیو شادی سے پہلے اپنے ہاتھوں سے کبھی بھی پیسہ نہیں لیتے تھے اور نہ دیتے تھے۔ شادی کے بعد جب کسی آدمی نے پیسے دیئے تو وہ لے کر دانتوں سے پکڑ کر اپنے عمامے پر رکھے۔ میاں ابراہیم مخدوم نوح علیہ الرحمتہ کا بیٹا جو اس وقت موجود تھا بتاتا ہے کہ میں نے بیٹھ کر وہ پورا نظارہ دیکھا۔ مجھے یہ بات بہت گراں گزری اور دل میں عجیب بے قراری اور بے آرامی محسوس ہوئی۔ آخر وہاں سے اٹھ کر حضرت صاحب کی خدمت میں آیا اور اس فقیر کی ساری حقیقت حال پیش کی۔ سن کر فرمانے لگے کہ دنیا واقعی ایک مکّار اور غدّار بوڑھی عورت کی طرح ہے جو ہمیشہ دوسروں کو فریب دے کر اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ خاص طور پر ایسے فقیروں کو جو زہد وتقویٰ کے لباس میں ہیں اور پارسائی کی دستار پہنتے ہیں۔ آپ کے یہ الفاظ سن کر میرے من کو بہت سکون آ گیا اور پھر میں اجازت لے کر چلا آیا۔۵۳

فرمایا کہ ''العلم نکته و کثره الجاهلین.''

یعنی علم کے چند نکات ہیں لیکن جاہل لوگ اسے زیادہ کر کے دکھاتے ہیں۔

علم والے اور دانش مند جب انتہا پر پہنچتے ہیں تب اللہ کو یاد کرتے ہیں اُدھر فقیر شروع ہی سے اس نام کو لیے بیٹھے ہیں۔ مطلب یہ کہ عالموں کی انتہا فقیروں کی ابتدا کے برابر ہے۔ جیسے قول ہے کہ

'شمة من المعرفة خير من كثرة العلم'

یعنی معرفت کا ذرّہ بھی ظاہری علم کی کثرت سے بہتر ہے۔ اس طرح قرآن کے حفاظ تو بہت ہیں لیکن حدوں کے حفاظ یعنی حدود اللہ کی نگہبانی کرنے والے کم ہیں۔ علم کے طالب بھی بہت ہیں لیکن علیم یعنی ذاتِ خداوندی کے طالب ناپید ہیں۔

بيت

كنز قدوري كافيا جي پڙهي پروڙين سڀ

نه كر منڊي ماكوڙي, كوهه ۾ پٽي كڇي اڀ

ترجمہ: اگرچہ تو کنز قدوری اور کافیہ جیسی سب کتابیں پڑھ اور سمجھ لے لیکن پھر بھی تیری مثال ایسی ہے جیسے کوئی چیونٹی کنویں میں آسمان کو ناپنے کا دعویٰ کرے۔

فرمایا کہ: "العلم بلا عمل كشجر بلا ثمر"

یعنی عمل کے بغیر علم ایسے ہے جیسے میوے کے بغیر درخت۔ کہنے لگے کہ علماء اور فقرا میں یہ فرق ہے کہ علما خلق کے درمیان پردہ کرنے والے ہیں اور فقرا اس پردے سے الگ ہیں۔

فرمایا کہ فقیر کو چاہیے کہ سپارے کا ربع پڑھے کیونکہ وہ فرض ہے۔ باقی پوری عمر خدا کی یاد میں مشغول رہے۔ علم بہشت تک پہنچاتا ہے لیکن ذکر خدا تک پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد قاضی قادن رحمتہ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے بڑے عارفوں میں سے تھے ان کے یہ بیت پڑھے:

بيت

كنز قدوري كافيا, كي كونه پڙهئوم

سو پاڙهه ئي كو ٻيو, جنان پرين لڌوم

ترجمہ: کنز قدوری اور کافیہ سے میں نے کچھ بھی نہیں سیکھا۔ وہ پڑھنا ہی کچھ اور ہے جس سے میں نے محبوب کو حاصل کیا۔[۵۵]

بیت

لوکان نحو صرف، سون مطالع سپرين
سوئي پڙهئو سو پڙهان، سوئي سو حرف

ترجمہ 'لوگ تو صَرف اور نحو پڑھنے میں مصروف ہیں لیکن میں محبوب کے مطالعے میں مشغول ہوں، میں تو بار بار وہی حرف پڑھ رہا ہوں'۔

کہتے ہیں کہ اگر کوئی طالب علم ایک مرتبہ اپنے ارادے سے حضرت جی کی مجلس میں شریک ہوتا تھا تو زیادہ مطالعے سے باز آ جاتا تھا۔ منقول ہے کہ ایک مرید ایک طرف سبق لیتا تھا تو دوسری جانب آپ کی مجلس میں آتا تھا۔ ایک دن میاں عیسیٰ رحمتہ اللہ علیہ نے جو خود حضرت کے عقیدت مندوں میں سے تھے آخر اُس مرید کو کہہ دیا کہ اگر تم حضرت جی کی صحبت سے کچھ حاصل کرتے تو پھر یہ پڑھنا بند کر دیتے۔

فرمایا علم عمل کے سوا ایسے ہے کہ جیسے کوئی پیاسا آدمی ہو لیکن فقط پانی پانی پکار رہا ہو لیکن جب تک پانی نہ پیے گا تب تک پیاس ختم نہ ہوگی۔

منقول ہے کہ ایک عالم جو مشکوٰۃ شریف اور دوسری کئی کتابیں پڑھتا تھا اور بحث کرتا تھا اور دوسروں کو اس کی تشریح کر کے سناتا تھا ایک دن حضرت کی محفل میں شریک ہوا۔ کہتے ہیں کہ حضرت کا چہرہ دیکھ کر اُس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ سب کتابیں لا کر حضرت کے سامنے رکھ دیں۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس شخص نے پھر کبھی بھی کتابوں کو نہ اٹھایا بلکہ علمِ حقیقی کی طرف رجوع کیا اور حضرت کے خاص لوگوں میں شمار ہونے لگا۔ ۵۶

فرمایا کہ علم ایک چراغ کی مانند ہے اور اعمال فتیلے اور تیل کے برابر ہیں۔ کوئی بھی چراغ تیل اور فتیلے کے سوا روشنی نہیں دے سکتا یعنی کسی کام کا نہیں۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میاں محمد جو وقت کے بڑے علماء اور دانش مندوں میں سے تھے اُن کا داماد حضرت جی کی خدمت میں آنے لگا۔ جلد ہی اس پر اتنا فقیری کا رنگ غالب آ گیا کہ پڑھنے پڑھانے کو بالکل ترک کر دیا۔ آخر ایک دن میاں محمد نے حضرت کو کہلوا بھیجا کہ کیا آپ نے فلاں کو پڑھنے سے منع کیا ہے بلکہ ہدایت کرو کہ جو پڑھا ہے اسے ضائع نہ کرے۔ اس وقت وہ شخص حضرت کے ہاں بیٹھا تھا۔ آپ اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ کیا سبب ہے کہ پڑھنا ترک کیا ہے؟ جواب دیا کہ اگر علم پڑھتا ہوں تو فقرا کی صحبت سے محروم رہتا ہوں لیکن اگر فقرا کے ساتھ بیٹھتا ہوں تو علم میسر نہیں ہوتا۔ حضرت نے یہ سنا تو بہت خوش ہوئے اور از راہِ عنایت فرمایا کہ جو علما کو علم کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ تمھیں بغیر پڑھے

حاصل ہوگا۔

کئی مرتبہ وقت کے مشہور علماء اور دانش مند جیسے مولانا صدر، مخدوم حامد ڈاڈوں والے اور مولانا داؤد مفتی آپ کی مجلس میں آتے تھے لیکن جب آپ معنیٰ کے موتی اور دقیق نکتے بیان فرماتے تھے تو وہ سب سمجھنے سے عاجز ہوتے تھے اور حیرت کا اظہار کرتے تھے۔ ۵۷

فرمایا ایک مرتبہ خیال آیا کہ کتاب ''کشف الاسرار'' کا مطالعہ کیا جائے، صابو سومرو رحمتہ اللہ علیہ جو وقت کے عارفوں میں سے تھے اُنھوں نے منع کیا کہ یہ خیال چھوڑو بلکہ خدا کو یاد کرو اور اس کے نام کا ورد کرو۔ میرے لیے یہ نصیحت بہت فائدہ مند ثابت ہوئی اس کے بعد قاضی قادن کا یہ شعر پڑھا:

بیت

سيئي سيل ٿيام، پڙهيام جي پاڻ لئه

اکر اگيان ايري، واگهو ٿي وريام

ترجمہ: وہ میرے لیے کانٹے بن گئے جو میں نے پڑھ رکھا تھا اور وہ مگرمچھ بن کے میرے سامنے آنے لگے۔

فرمایا کہ شریعت، خدا کے راستے کا دروازہ ہے پھر اگر کوئی اس دروازے سے داخل نہ ہوگا تو وہ گمراہ ہوگا اسی طرح جیسے اگر کوئی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونا چاہے تو وہ مقررہ دروازے سے داخل ہو تو اسے آنے دیا جائے گا اور اس شخص کو کوئی بھی بے ادب نہیں کہے گا لیکن اگر دیوار کود کر داخل ہوگا تو وہ بے ادب کہلائے گا اور سزا کے لائق بھی ہوگا۔

فرمایا کہ کچھ لوگ قرآن پاک کے ایک لفظ کے ایک لاکھ معنیٰ کرتے ہیں لیکن جب قیامت کے دن خدا پاک کے سامنے حاضر ہوں گے اور اپنے پروردگار سے معانی سنیں گے تو ان کو یقین ہوگا کہ خود کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ ۵۸ بلکہ ان کو احساس ہوگا کہ یہ مالیخولیا جیسے مرض میں مبتلا تھے اور غلط باتیں کی تھیں۔

ایک مرید سے روایت ہے کہ ایک رسمی طالب علم نے یہ نکتہ نکالا کہ جو لوگ حضرت کی خدمت میں آتے ہیں، وہ علم سے محروم ہو جاتے ہیں اور شریعت پر عمل کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے یہ بات حضرت صاحب کو آکر بتائی۔ ایک دن حضرت اس طالب علم کے مہمان ہوئے اس نے بہت تعظیم و تکریم کی اور جو بھی میسر تھا وہ حاضر کیا۔ ایک اور مرید جس نے مجھ سے وہ بات سنی تھی وہ بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے وہی ذکر چھیڑا۔ آپ وہ بات سن کر ناراض ہو گئے اور ان کو مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ ہم نے شریعت کے خلاف کون سی بات کی

ہے۔ ہمارے ہاں جو بھی فقرا آتے ہیں ان کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ کم کھاؤ، کم سوؤ، خلق کے ساتھ کم ملو خدا کو زیادہ یاد کرو، کیا یہ سب کچھ شریعت کے خلاف ہے؟ تب وہ طالب علم بہت شرمندہ ہوا اور ایسی ہیبت اس پر طاری ہوئی کہ ایک حرف بھی نہ بولا بلکہ گلے میں کپڑا ڈال کر حضرت کے پاؤں پر گر پڑا اور زمین پر بیٹھ کر بہت منت سماجت کرنے لگا۔ کہنے لگا کہ میں نے یہ الفاظ کبھی بھی نہیں بولے ہیں اور مجھ پر یہ تہمت ہے لیکن اگر غلطی سے کہے ہیں تو توبہ کرتا ہوں اور دوبارہ کبھی نہیں کہوں گا۔ اس کے بعد حضرت صاحب وہاں سے روانہ ہو کر کسی اور گاؤں میں آئے۔ وہ شخص کافی عرصہ آپ کے ساتھ رہا اور ہر وقت زاری اور پشیمانی کا اظہار کرتا رہا۔ ۵۹ے

فرمایا کہ اصل بات عمل کی ہے، عمل کے سوا ہر چیز بے کار ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص داڑھی منڈوائے، شراب نوشی کرے اور خود کو پڑھا لکھا اور دانا سمجھے حتیٰ کہ 'فصوص' اور 'لمعات' جیسی کتابیں اس کی نظر سے گزری ہوں تو ان سب باتوں سے کیا فائدہ؟ مطلب یہ کہ عمل کے سوا علم بے کار ہے۔

فرمایا کہ جو شخص دنیا کے واسطے [علم] حاصل کرتا ہے وہ کافر ہے جو آخرت کے واسطے کرتا ہے وہ منافق ہے البتہ جو اللہ کے لیے علم حاصل کرتا ہے وہ مومن ہے۔ طالب کو چاہیے کہ پیر کی حاضری میں رہے یا بزرگوں کی کتابوں سے مستفیض ہو۔

فقیر کو چاہیے کہ کم کھائے، زور کی بھوک لگے تو فقط پانچ نوالے کھائے کیونکہ کھانا جینے کے لیے ہے، نفس کی لذت کے لیے نہیں لیکن اگر فقیر بھوک کی شدت سے شکم سیر ہوا، اس نے گویا حرام کھایا، عام لوگوں کے لیے روزہ وہ ہے کہ فجر کے وقت نیت کریں اور مغرب کے وقت افطار لیکن خواص کا روزہ یہ ہے کہ جب اس پر بھوک اور پیاس غلبہ کرے تو اس وقت چند قطرے پانی کے ایسے پیے جیسے پیاس برقرار رہے۔ اس طرح اگر بھوک اُنھیں بے حال کرے تو چند نوالے کھائیں لیکن شکم سیر نہ ہوں اور بھوک کو بالکل ختم نہ کریں۔ فقیر کو چاہیے کہ بھوکا تن بغیر کپڑے اور جگر پیاسا رکھے۔ فقیر کا مرتبہ تب بلند ہوگا جب خلق کے ساتھ ہوتے ہوئے جدائی اختیار کرے گا اور کم کھانے پینے کو قبول کرے گا۔ ۶۰ے

فقیر کو کبھی بھی گھی نہیں کھانا چاہیے کیوں کہ چکناہٹ اندر کو کالا کرتی ہے۔ فقیر کو تنہائی پسند ہونا چاہیے۔ طعام کے خیال کو بھی دل سے دور رکھے کیونکہ شیطان ہمیشہ اس فکر میں مشغول رہتا ہے البتہ خلق کو مطلع کرے کہ وہ اسے کھانا پہنچائیں، کافروں کا طعام ہرگز نہیں کھانا چاہیے کیونکہ اس سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ ان کے کھانے سے اتنی پرہیز کرو جتنی وہ خود کرتے ہیں۔ جب سے یہ پتہ چلا ہے کہ کافروں کے کھانے سے اندر کالا ہوتا ہے تو ایسا طعام فقرا کو کبھی نہیں کھلاتے بلکہ میں خود وہ طعام کھا لیتا ہوں کہ جیسے میرا خود کا نقصان ہو لیکن ان

کا فائدہ نہ جائے۔ فرمایا کہ کئی لوگ ایسے ہیں جو فقرا کو محض اس لیے کھانا کھلاتے ہیں کہ ان کا نام مشہور ہو اور لوگوں میں عزت والے سمجھے جائیں یعنی ہر ایک ان کی تعریف کرے۔ بھوک کے سوا کھانا کھانا خدا کے واسطے ہے اور بھوک لگنے سے کھانا نفس کے واسطے ہے۔ فرمایا کہ مہمان کے لیے کافی طعام تیار کرواؤ لیکن تھوڑا تھوڑا کر کے سامنے پیش کرو کہ جیسے جلدی میں کھا کر شکم سیر نہ ہو جائے۔

کچھ صوفی بزرگ کھانے کے بعد کلی کرتے ہیں تو اس کے ساتھ کھانے کے ذرات بھی باہر نکال کر پھینک دیتے ہیں تا کہ کیڑے مکوڑے وغیرہ کھائیں۔ دوسرے پہلی کلی کو باہر کے بجائے اندر لیتے ہیں کہ جیسے کھانے کے بچے کھچے ذرات نیچے زمین پر نہ گریں اور بے ادبی نہ ہو۔

فرمایا کہ طالب کو چاہیے کہ اکیلا سفر کرے لیکن اگر کوئی چار بندے سمجھتے ہیں کہ ایک روٹی پر گذارا ہو جائے گا تو پھر اکٹھے سفر کر سکتے ہیں۔[61] کہتے ہیں کہ ایک دن ایک مرید اپنے گاؤں سے چل کر حضرت کی خدمت میں آیا۔ اُس کو پکے ہوئے چاول کھانے کے لیے دیئے گئے جس پر اس شخص نے کہا کہ سائیں میں نے ایسا کھانا کبھی نہیں دیکھا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ راستے میں کیا کھایا؟ اس نے جواب دیا کہ جؤ کا آٹا ساتھ تھا۔ اس کی روٹی پکا کر کھائی ہے اس پر آپ بہت خوش ہوئے اور یہ بیت پڑھا:

بیت

اسين تتان آئيون، جتي کهنبو ناهہ
جي وجون کنهن وياهہ، تہ پڻ مٿي لوئيون

ترجمہ: ہم وہاں سے آئے ہیں جہاں سرخ رنگ کا کپڑا نہیں ہوتا اگرچہ ہم کسی شادی بیاہ میں جائیں تو بھی ہمارے سروں پر اونی لوئی ہوتی ہے۔

فرمایا کہ فقیر کی دنیا کرامت دکھانا اور پیٹ بھرنا نہیں ہے۔ فقیر کا کھانا پینا، پوشاک پہننا، ہنسنا اور ملنا جلنا دوسروں سے مختلف ہونا چاہیے۔

اگر کوئی دوست آ کر مہمان ہو جائے تو بھیک مانگ کر یا قرض لے کر بھی اس کی خاطر تواضع کی جائے۔ آپ کے پاس کافی طعام موجود تھا کہ آپ کے بیٹے نے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں اس طعام میں سے کچھ حصہ دیجیے کہ ان کو پیش کریں۔ آپ خاموش رہے اور طعام اٹھانے نہ دیا[62] آپ کا بیٹا ششدر رہ گیا کہ آج کیا ہو گیا ہے کہ طعام سے منع کرتے ہیں۔ کہنے لگے کہ ہم طعام دینے میں بخیلی نہیں کرتے لیکن ہم

چاہتے ہیں کہ تم یہ آشنائی ختم کرو اور یہ میل میلاپ بھی ختم کرو پھر دوسری آشنائی پیدا کرو۔

فرمانے لگے کہ ایسی دوستی اور مہمانی ہرگز اختیار نہ کرو جس میں فقر کو قبول نہ کیا جائے۔ ایسی دوستی کو چھوڑ دو کیونکہ یہ بات یاری دوستی کے مسلک سے نہیں لگتی۔ فرمایا کہ بھیک مانگنا خدا کا خزانہ ہے؛ اس کو کبھی بھی نہ چھوڑ و؛ باقی جو تمھارے پاس ہے وہ سب کچھ فانی ہے۔

بیت

پنجين ڊمين ڊمڙ ڪڍجي ڪي سڄڻين

ته پڻ توئي ڪتيون جي سو سرءِ ڪم

ترجمہ: محبوب کی خاطر پانچ درہم کے بجائے ایک درہم بھی لے لینا چاہیے۔ پھر بھی تُو فائدے میں ہے اگر تیری مراد پوری ہو۔

فرمایا ایک جماعت رزق کی طالب ہے اور دوسری جماعت ایسی بھی ہے کہ رزق جس کا طالب ہے اور یہ وہ ہیں جو خدا کی طلب میں ہیں۔ نیک بخت وہ ہے جو رزق ڈھونڈتا ہے اور بد بخت وہ ہے جو ایک جگہ بیٹھک ڈھونڈتا ہے اور وہاں بیٹھا رہتا ہے۔ اگر فقیر کو طعام کے بعد دہی، چکناہٹ یا دودھ ڈال کر دیں لیکن فقیر اس دہی کو دوسروں کے لیے نہ چھوڑے اور خود ختم کر دے[٦٣] تو دنیا بھی اسے چھوڑ جائے گی۔ فرمایا کہ اگر فقط بھوک کے سبب کوئی خدا کو پہنچتا تو اُس پہنچنے والے سب سے پہلے یہ شیر ہوتے۔

فرمایا کہ طالب کو تب تک کھانا نہیں کھانا چاہیے جب تک وہ اتنا بے حال نہ ہو کہ خدا کا ذکر نہ کر سکے۔ اس طرح پانی بھی تب تک نہ پیے جب تک پیاس کی وجہ سے بے حال نہ ہو اور اسی طرح تب تک نہ سوئے جب تک یہ سمجھے کہ زمین پر گر جاؤں گا۔ اسے بہت کم گو ہونا چاہیے۔

آپ کی روش شہباز کی طرح ہو یعنی اگر ایک مرتبہ ارادہ کرنے سے کوئی چیز مل جائے تو لے کر کھائے ورنہ باز رہے۔ طالب کو چاہیے کہ جب سو قسم کے طعام سامنے آئیں تب شکم کا بیسواں حصہ بھر کر کھائے۔

فرمایا کہ فقر یا گدائی والا طعام پاک ہے اور جب وہ اٹھا کر فقیر اندر داخل ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ وہاں پہنچے اور اپنے پر کھول کر اس طعام کو ہر شک وشبہات سے محفوظ کرے۔ جو شخص فقرا کے لیے گدائی کرتا ہے لیکن خود اس میں سے نہیں کھاتا تب بھی اس کو برکت حاصل ہوگی۔ خدا کی راہ میں گدائی کرنا فقرا کا طریقہ ہے۔[٦٤] مقولہ ہے کہ

'الجوع طعام اللہ فی الارض'

یعنی بھوک اللہ کی طرف سے طعام ہے۔

اس دھرتی پر مثال دیتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی تمھیں کہے کہ تم آج رات ہمارے مہمان ہو تو گویا تم خود کچھ بھی نہ کرو گے کیونکہ تمھیں یقین ہے کہ آج تمھیں کہیں اور سے دعوت ہے۔ پھر جب خدا تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں رزق کی ضمانت اٹھائی ہے اور اس کا ہر وعدہ سچا ہے تو تمھیں یقین کیوں نہیں آتا اور رزق کی طلب میں حیران و پریشان کیوں ہوتے ہو یا فقط اپنی محنت اور کسب پر اعتماد کیوں کرتے ہو۔

طالب کو چاہیے کہ لوگوں سے شروع میں جو آشنائی اور قربت رکھتا ہے اس کو ختم کرے اور دوبارہ ایسی قربت سے گریز کرے بلکہ طالب کو خلقِ خدا سے اس طرح بھاگنا چاہیے جیسے کوا تیر سے اور آدمی شیر سے۔

طالب کو چاہیے کہ ہمیشہ اکیلا رہے اور اپنی نظر اپنے سینے تک محدود رکھے۔

اگر کوئی طالب زبان سے یادِ الٰہی میں محو ہے لیکن دل میں خدا کو بھول بیٹھا ہے اس کی مثال اس ہرن کی طرح ہے جسے شکاری کا تیر لگا ہے اور ایسی حالت میں شکاری سے بھاگ نکلا ہے۔ اب اس کا زخم خراب ہو چکا ہے اور اس میں کیڑے پڑ چکے ہیں اور بہت درد میں مبتلا ہے لیکن اگر تیر لگنے سے پہلے ہی زمین پر گرتا تو حلال ہو جاتا سب کو فائدہ بھی ہوتا اور اس درد یا مصیبت سے بھی بچ جاتا۔ ۶۵ طالب کو گنے کی چھڑی کی طرح ہونا چاہیے جس کی جڑ اور پتے بے کار ہیں اور بیچ کا حصہ اچھا اور بہتر ہے اور وہ ہی لذیذ اور میٹھا ہے۔ اس طرح بوڑھاپن اور بچپن دونوں بے کار ہیں اس لیے عبادت اور توبہ کا وقت جوانی میں ہے۔ اس میں ہی عبادت کا مزہ لیا جائے اور حق کی یاد میں مشغول ہوا جائے کہ جیسے جوانی والی عبادت کی برکت کی وجہ سے بچپن کی خطائیں معاف ہوں اور بوڑھا ہونے کے وقت سرخرو ہو۔ جیسے قول ہے کہ:

ان الحسنات یذھبن السیات (سورہ ہود: ۱۱-۱۱۴)

یعنی بیشک نیکیاں بُرائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

طالب کو چاہیے کہ مٹی کی ہانڈی کی طرح ہو جس کو پانی سے بھر کر آگ پر رکھتے ہیں۔ اگر آگ کی گرمائش سے اس میں دراڑ یا ہلکا سوراخ پڑ گیا تو ہمیشہ عذاب برداشت کرتا رہے گا۔

بيت

جي مون سڌ ڪنا، ڀنيوران ڀهار تي

سي جي ڀرين سنا، تہ هوند نہ ونا نڪري

ترجمہ: بھنبھور سے باہر نکل کر جو میں نے فریادیں کیں، اگر میرا محبوب وہ سنتا تو ہرگز ایسے چھوڑ کر نہ جاتا۔

طالب کو چاہیے کہ جب سفر میں ہو تو کسی کے ہاں مہمان نہ بنے۔ جب رات پڑ جائے تو انتظار کرے کہ جیسے گاؤں والے سو جائیں تو پھر گاؤں میں داخل ہو۔ فقیر کو چاہیے کہ تنہا رہے اور لوگوں سے نہ ملے۔ بیابان میں یا ایسی جگہ ٹھہرے جہاں کوئی آدمی دیکھ نہ سکے۔ ٦٦

صلح اور امن، بیابان اور صحرا میں ہوتا ہے، خزانہ بھی ویرانے میں ملتا ہے اس طرح محبوب بھی تنہائی میں ملتا ہے۔

بیت

ور سا سُجي ويڙ، جتي سڄڻ هيڪڙو،

سوما گوئي ڦيرِ، جتي ڪوڙ ڪماڙهئين

ترجمہ: وہ بیابان زیادہ بہتر ہے جہاں محبوب تنہا مل جائے۔ وہ جگہ چھوڑ دی جائے جہاں خراب قسم کے لوگوں کی اکثریت ہو۔

فرمایا کہ جنّات دو قسموں کے ہیں ایک شیطان کے روپ میں اور دوسرے انسان کی شکل میں۔ شیطان کی صورت والے لاحول پڑھنے سے بھاگ جاتے ہیں لیکن انسانی صورت والے کبھی بھی نہیں جاتے۔ انسان کی صورت والا ایک جن شیطانی صورت والے ہزار جنوں سے بدتر ہے۔

جب سے پتہ چلا ہے کہ نماز کی پہلی صف میں بہت زیادہ ثواب ملتا ہے تب سے پہلی صف میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا ہے تاکہ دوسرے ثواب حاصل کرسکیں۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ ایک دن میں نے نماز کی امامت کروائی کہ حضرت صاحب بھی پیچھے آ کر نماز میں شامل ہو گئے۔ دعا مانگنے کے وقت دیکھا تب بھی آپ بیٹھے ہی تھے اس کے بعد جب گھر کو چلنے لگے تو میں بھی آپ کے پیچھے چل پڑا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ دعا تو بہت پرجوش انداز میں مانگی اور ہمیں بھی بہت اچھی لگی تاہم افضل یہ ہے کہ اپنے حال کو ظاہر نہ کیا جائے۔ اگرچہ حال کو چھپانا بھی بہت مشکل کام ہے خاص طور پر جب وہ کسی پر ظاہر ہو جائے اس کے بعد یہ نقل سنائی۔

ایک عورت اور اس کے سسر ایک ساتھ کسی جنگل میں سے گزر رہے تھے ٦٧ راستے میں عورت کو زچگی کے درد ہونے لگے جس پر وہ بہت پریشان ہونے لگی۔ اگر چلاتی ہے تو سسر کو پتہ چلتا ہے اگر چھپاتی ہے تب بھی درد اور تکلیف صبر کرنے نہیں دیتے وہ آخرکار لاعلاج ہو کر پکارنے لگی۔

کہنے لگے کہ اگر پہلے تیر سے شکار زمین پر گرا تو حلال ہوگا لیکن اگر نہ گرا اور کچھ اثر ہوا تو وہ کام سے گیا اور ہمیشہ کے لیے مصیبت میں پڑا۔ طالب کو نیند نہیں کرنی چاہیے بلکہ بیٹھا رہے پھر نیند اگر غلبہ کرے اور بے بس ہو کر کسی کروٹ سو جائے تو وہ ہی اس کا قبلہ ہے۔ طالب کو دن ہو یا رات پاؤں سیدھے کر کے نہیں سونا چاہیے۔ اگر فقیر کو نیند سے بیداری ہو جائے تو اٹھ کر بیٹھ جائے تب تک جب دوبارہ اسے نیند ستائے تو پھر سو جائے۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ ایک دن کوئی فقیر ٹانگیں سیدھی کر کے بیٹھا تھا کہ آپ نے اسے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ گدڑی کو اپنے کندھے پر رکھ کر آرام سے بیٹھ۔ فقیر نے کہا کہ حضرت کا وہ سخن میرے دل پر ایسا نقش ہو گیا کہ اس کے بعد کبھی بھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھا۔

جو بھی خدا کے طالب ہیں اُنھوں نے دنیا سے سرد مہری اختیار کی ہے اور اسے خوار و خراب سمجھا ہے لیکن جو دنیا کے طالب ہوئے وہ خدا سے محروم رہ گئے۔

ایک مرید سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت صاحب کسی گاؤں کو جا رہے تھے۔ میں اور ایک دوسرا فقیر آپ کی خدمت میں تھے۔ راستے میں اس فقیر کا والد آ کر آپ سے ملا اور عرض کی ۶۸ کہ اس خادم یعنی میرے بیٹے کو ہدایت کیجیے کہ کپڑا وغیرہ پہننے کا خیال رکھے اور میرے حقوق کا بھی خیال کرے۔ یہ سُن کر حضرت صاحب مسکرانے لگے کہ یہ دعا ہرگز نہیں کی جائے گی بلکہ یہ دعا کی جائے گی کہ کاش خدا کی طلب میں مشغول رہے اور اس راستے کو کبھی بھی نہ چھوڑے۔

فقیر کو چاہیے کہ سارے تعلقات ختم کرے اور تنہائی یعنی تجرّد اختیار کرے۔

بیت

جي تجريدان نڱئا، پيئا ۾ تفريد
ڪن ڪڏهين ٿئي، هن ڏهاڙي عيد

ترجمہ: جو تجرید سے نکل کر تفرید میں داخل ہوتے ہیں ان کے لیے کبھی نہیں بلکہ ہر دن عید ہوتی ہے۔

فقیر کو چاہیے کہ پہلے ''تجرید'' کی تکمیل کرے پھر ''تفرید'' کی معلومات لے۔ اگر کوئی کہے کہ میں فقیر ہوں لیکن خلق سے ملنے جلنے میں فائدہ ہے تو وہ فقیر نہیں ہے۔

بيت

ﭘﻨﻴﻮران ﺑﻪ ﭠﻮڪ، ڪنهن نه نيا پاڻ سين
سڪڻ سپرين کي، لاڳاپا سين لوڪ

ترجمہ: بھنبھور سے کوئی دو چیزیں اپنے ساتھ نہ لے جا سکا۔ ایک محبوب کی محبت اور دوسری خلق کے ساتھ تعلقات۔

فرمانے لگے کہ دل کا سکون اسباب کے ترک کرنے میں ہے ان کو جمع کرنے میں نہیں اس لیے کوئی فقیر بھلے سچے دل سے نہ سہی جھوٹے خیال سے ایک سال کسی حجرے میں تنہائی میں بسر کرے گا تو خدا تعالیٰ اس کے دل سے جھوٹ نکال کر اسے سچ سے معمور کر دے گا۔

الشهرة آفة ولاكن الناس يحبونها والوحدة راحة ولكن الناس لايرضىٰ بها.

یعنی مشہور ہونا مصیبت ہے لیکن لوگ اسے پسند کرتے ہیں اور تنہائی راحت ہے لیکن لوگ اس میں خوش نہیں ہیں۔

وآخر ما ياخذ من روس الصدقينحب الجاه.۶۹

یعنی فرمایا کہ فقرا کی دنیاداری مرتبہ اور جاہ پسندی ہے۔ طالب کو چاہیے کہ بلند ہمت ہو۔

بيت

ونگا ور پاڳن، گھور ابتي گھوتين
سيتڙيين پر ڏئور وئا ڪچ چرن

ترجمہ: ان کی دستار کے پیچ کج ہیں اور ان مستوں کی نگاہیں بھی کج ہیں۔ وہ اپنی کمان کے بل بوتے پر کچھ ملک میں گھومتے پھرتے ہیں۔

مزید کہنے لگے کہ وہ کمال قوت والے ہیں۔ فرمایا کہ رونے کی بیس اقسام ہیں۔ ان میں سے فقط ایک خدا کے واسطے ہے، باقی انیس خدا کے سوا غیر کے واسطے ہیں۔

بيت

نينهن نياهي نه ٿئي، سڏين سيڻ نه هون
ڪارين راتين رت ڦڙا، جان نيڻ نه رون

ترجمہ: محبت محض پیغام سے نہیں ہوتی اور نہ ہی آرزو کرنے سے محبوب ملتا ہے، جب تک اندھیری راتوں میں آنکھیں خون کے آنسو نہیں روتیں۔

فرمانے لگے کہ اُس طالب کو کیا حاصل ہوگا جس کے دل میں حرص وہوس ہو۔ایسا کہتے ہوئے قاضی قادن رحمتہ اللہ علیہ کا یہ بیت پڑھنے لگے۔

بیت

سڄڻ منجهه هئام، مون ويني واءِ ٿيا
هيڏان هوڏان هنڙار، هئين جاڙ وڏام

ترجمہ: محبوب میرے اندر تھے اور پہلو بدلتے ہی غائب ہوگئے اور میں فضول اِدھر اُدھر ڈھونڈ رہا تھا!

طالب کو چاہیے کہ اپنا وجود گم کردے تو پھر وہ راز معلوم ہوجائے گا جو 'فصوص' اور 'لمعات' جو تصوف کی اعلیٰ کتب ہیں سے بھی ہاتھ نہ آئے گا۔

فارسی شعر:

رو نفی وجود کن کہ دریابی
سری کہ نیابی در فصوص و لمعات

ترجمہ: جاؤ اور اپنے وجود کی نفی کرو۔تب تمھیں وہ راز معلوم ہوگا جو 'فصوص' اور 'لمعات' میں بھی نہ ملے گا۔
تب تک خدا کی معرفت حاصل نہیں ہوگی جب تک اپنی جان نہیں دی جائے گی۔

بیت

پهرين پاڻ وڃاءِ، پاڻ وڃائي هو لهه
توهان ڌار نه سپرين، منهن منجهين پاءِ

ترجمہ: پہلے خود کو فنا کرو اور خود کو فنا کرکے اسے حاصل کرو۔محبوب تجھ سے جدا نہیں ہے فقط اپنے اندر دیکھ!

جو اُجرت کی خاطر عبادت کرتا ہے، وہ بندہ نہیں ہے بلکہ اُجرت پر مزدور ہے۔اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی آدمی کچھ مزدور اور ایک غلام کسی کام سے لے جائے۔فارغ ہونے کے بعد غلام اپنے مکان کی طرف چلا جائے لیکن دوسرے مزدور اپنی اُجرت لینے کے انتظار میں رہیں۔

طالب کو چاہیے کہ عجز اختیار کرے اور بندگی قبول کرے۔ یہ دو بنیادی باتیں ہیں۔ بادشاہ جو بھی کرے یا جو اس کا خیال ہو غلام کا کام ہے کہ اس پر راضی رہے۔ ایسا نہ کہے کہ یہ کیوں اور کس لیے کیا؟

بیت

اي ڪچائي منجھه تو، جو تو پانيو ڪچ،
جيڪي سندو سڄڻين، سو سيوئي سچ.

ترجمہ: یہ تیری غلط فہمی ہے جو تمھیں جھوٹ نظر آتا ہے حالانکہ محبوب کی ہر بات تو مکمل سچ ہے۔
ایک مرید مجازی عشق میں گرفتار تھا۔ اسے ہدایت کے طور پر یہ شعر سنائے:

بیت

مجازي م مت ڪر، اکيون اي م پير
هاري حقيقين جي، پڇي تين نه پير

ترجمہ: مجازی رشتے نہ بنا اور اپنی آنکھوں میں ایسی عادت نہ ڈال۔ اے کمزور انسان! کسی سے پوچھ کر حقیقت والوں کے پیچھے کیوں نہیں لگتے؟

بیت

اي مجازي ماءِ، جي تو پانئيا سپرين
هاري حقيقي پرين، ڪچو ڪوھ تياءِ

ترجمہ: اے مادر! جنھیں تو نے اپنا محبوب سمجھا ہے وہ تو مجازی ہیں۔ اے نادان! تو خود کو حقیقی محبوب کے آگے کیوں شرمندہ کرتا ہے۔

طالب کو چاہیے کہ جب کسی بزرگ سے الٰہی سخن سنے تو دل کے کانوں سے سنے اور ایسا نہ کہے کہ میں نے پہلے بھی یہ سنا ہے چاہے وہ سنا کیوں نہ ہو لیکن اگر اس طرح کہے گا تو یہ سخت دلی کی نشانی ہے۔ آخر ایسے سخن سننے کا کیا فائدہ جس پر عمل نہ کیا جائے۔

بیت

ڪرها ڪاميا جر، الٺو ڇو نه هٿو
مون آن گهٺو سيڪارئو، سيا لڌو نه هُڙو

ترجمہ: اے اونٹ! کامیا دریا کا پانی کیوں نہیں پیتے، میں نے تو تمھیں بہت آمادہ کیا لیکن شاید تمھارے نصیب میں نہیں تھا۔

طالب کو چاہیے کہ مخلوق سے ملنے کی زیادہ رغبت نہ رکھے اور اس طرح گزارے کہ حال کا پتہ دوسرے کسی کو نہ پڑے جس طرح بارش کے موسم میں سیپ کڑوے پانی سے باہر نکل کر منہ کھولتی ہے تاکہ بارش کا قطرہ اس کے شکم میں داخل ہوجائے۔ پھر اگر وہ پانی کا قطرہ کڑوے پانی کی ملاوٹ سے پاک ہوگا تو وہاں قیمتی موتی جنم لے گا لیکن اگر اس قطرے میں ملاوٹ ہوئی تو وہ ہرگز موتی نہیں بن سکے گا بلکہ ناقص اور نامکمل رہے گا۔

طالب کو ایک ایسے شخص کی طرح ہونا چاہیے جو شہد اتارنے کی تمنا رکھتا ہو جیسے وہ ہر درخت میں شہد کو دیکھتا ہے اور اس کی تلاش میں پھرتا ہے۔ پھر اسے ایسے درخت سے شہد ملتا ہے جس میں کسی کا گمان بھی نہیں ہوتا ہے اس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔

بیت

مند م منهه ويهه, ايي اوسڙ اس ۾
تو سيئي سيڻ ڪيار ڏور جنين جو ڏيهه,

ترجمہ: اے عورت چھاؤں میں نہ بیٹھ بلکہ دھوپ میں کھڑی انتظار کر۔ تم نے ان سے رشتہ جوڑا ہے جن کا وطن دُور ہے۔

طالب کو چاہیے کہ جن سے کوئی سخن سنے تو اسے چھوڑ کر اصل ذوق حاصل کرے۔ طالب کو چاہیے کہ جو بھی اچھا گفتہ کسی سے سُنے پھر وہ کافر ہو یا مسلمان، مجذوب ہو یا ہوش مند اس پر عمل کرے اور اسے نہ چھوڑے۔ طالب کو چاہیے کہ مخلوق کے ساتھ نہ ہو یعنی خلوت اختیار کرلے تاکہ وہ دیکھ سکے جو اسے دیکھنا ہے۔ اس کی مثال دیتے ہوئے فرمانے لگے اگر تیز بہتے ہوئے پانی میں نظر ڈالو گے تو اپنی صورت کبھی بھی نظر نہیں آئے گی لیکن اگر اسی پانی سے کوئی برتن بھر کر کچھ دیر رکھ دیا جائے کہ جیسے صاف ہوجائے تو پھر اس میں دیکھنے سے صورت صاف نظر آئے گی۔ ۳ے

بیت

جي لياڪ لوڪ ڏنهن, جان جان سي نه لتاء
تان تان ٿيي نه ماء, پورو پسڻ پرين جو

ترجمہ: مخلوق کی جانب کھلے دریچے جب تک بند نہیں ہوتے تب تک اے ماں، محبوب کا مکمل دیدار

حاصل نہیں ہوگا۔

جب تک طالب حرص وہوس کے پھندے میں گرفتار رہے گا اور اس میں خود کو خوش محسوس کرتا رہے گا تب تک وہ خدا سے دور رہے گا۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی بیل ہل چلانے کے کام کا عادی ہو، اب اس کا مالک چاہتا ہے کہ اسے دوسرے کام میں لگائے تو جب تک اسے کچھ دن بھوکا اور پیاسا نہیں رکھے گا اور ہل چلانے کا کام اس سے نہیں لے گا، تب تک وہ بیل کسی کام کا نہیں رہے گا۔

بیت

امڙ کوءِ گهروءِ, مونهان ساٿڙو وڃي نڪرئو

هينئڙو ڏيئي وٽ جئن, مون جئن تان نہ ٻرئوءِ

ترجمہ: اے ماں! تیرا گھر بھاڑ میں جائے میرے ساتھی نکلے جا رہے ہیں۔ میری طرح تیرا دل دیے کی بتی کی مانند نہیں جلا۔

جب کوئی مال دار چاہتا ہے کہ اس کی بھینس زیادہ دودھ دے تو اسی کا بچھڑا ذبح کر دیتا ہے البتہ دوسرا بچھڑا لا کر دکھاتا ہے تاکہ دودھ زیادہ دے۔ اس بھینس کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا بچھڑا ذبح کیا گیا ہے اور یہ بچھڑا غیر ہے لیکن ضرورت سمجھ کر وہ اسے چاٹتی رہتی ہے اور لاچار ہو کر اسے قبول کرتی ہے اور کچھ بھی نہیں کہتی۔ عام لوگوں کی کشتیاں اس طرف چلتی ہیں جس طرف لہروں کا رخ ہے لیکن خدا کے طالبوں کی کشتیوں کا رخ الٹا ہوتا ہے۔[۴۷]

بیت

چوري پاھت ڳجهہ سين, پڌر ناھ ارٿ

پهرين پاڻ لڪائين, تهان پوءِ وٿ

ترجمہ: چوری کی مصلحت چھپانے میں ہے اس راز کو ظاہر کرنے میں نہیں۔ وہ ہمیشہ پہلے خود کو چھپائے گا اور بعد میں چوری کی ہوئی چیز کو۔

فرمایا کہ، من مدحک فقد ذبحک. یعنی جس نے تیری تعریف کی اس نے گویا تمھیں ذبح کیا۔ فرمانے لگے کہ جو اس حدیث پر عمل کرے گا اس کے لیے تا حیات یہ کافی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ

'کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل و عد نفسک من اصحاب القبور'

یعنی اس دنیا میں خود کو مسافر یا راہ طے کرنے والا سمجھ اور اپنے نفس کو لحد میں داخل کر یعنی اصحاب القبور والوں میں شامل سمجھ۔

فرمانے لگے کہ فقرا کے سوا دوسروں سے صحبت نہ کرو تا کہ زندگی یا مرنے کے بعد ان کے ساتھ ہو جاؤ۔ دن رات میں چوبیس گھڑیاں ہیں ان میں سے ایک گھڑی دینی بھائیوں کے پاس جایا کرو۔ وہ ایسے ہیں جو تمھیں تمھارے عیوب بتاتے ہیں۔

ایک دن کوئی مرید حضرت کی خدمت میں آیا جسے بیٹھنے کے بعد آپ نصیحت کرنے لگے کہ جو شخص پانی بھی نہ پیے اور تنہا بھی رہے تو وہ جلد خدا رسیدہ ہوگا۔ کہتے ہیں کہ اس شخص پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے لوگوں سے ملنا جلنا تو بند کیا ہی لیکن پانی پینا بھی بند کر دیا۔ آخر اتنا ضعیف اور کمزور ہو گیا کہ خود کو اٹھوا کر حضرت جی کی خدمت میں حاضر ہوا، پہنچنے کے بعد افسوس کرنے لگا کہ کاش پیدل خدمت میں آتا۔ آپ نے فرمایا کہ جب نفس مردہ ہو تو سوار ہونا جائز ہے ورنہ سواری کرنا غلط ہے۔ ۵ے

بیت

سڪان جي نه سڻينءِ پارانيا پرين جا
سي ساٿي نه سڃاڻ، جي تنين کي ڏين

ترجمہ: جو محبوب کے پیغامات محبت سے نہیں سنتے وہ ساتھی ان کو نہیں پہچانیں گے جو اُنھیں یہ پیغام دیتے ہیں۔

فرمایا کہ جو تیرے سامنے تیری تعریف کرے وہ تیرا دشمن ہے۔ خلوت اسے اختیار کرنی چاہیے جو پہلے خود (نفس) کو باہر نکالے اور بعد میں حجرے میں بیٹھے۔

بیت

ڳالهه اهائي هڪڙي، جا مون ڪالهه ڪئي
ڀينر ڪيم پڪتئين تيندي تا نه ٿئي

ترجمہ: بات وہی ایک ہے جو میں نے کل آپ سے کی تھی۔ اے بہن! تم بے جا مغز ماری نہ کرو دوسری بات نہ ہوگی۔

فرمایا کہ عزت کا بھوکا طالب ہر روز کئی مرتبہ قتل ہوتا ہے کیونکہ وہ جب دوسروں کے پاس جاتا ہے جو

اسے عزت نہیں دیتے ہیں تو گویا وہ قتل ہوتا ہے۔

اس دن سے ڈرنا چاہیے جب سب کے راز اور بھید ظاہر اور عیاں ہوں گے۔ فرمایا کہ فقیر کے پاس کسی دنیا والے شخص کا آنا ستر جنّات اور شیاطین سے بدتر ہے۔

فرمایا کہ وہ بزرگ جو خود تجرید میں ہیں اور مخلوق کو بھی خدا کی راہ کی جانب بلانے کی تکلیف نہیں کرتے وہ ان لوگوں پر ہنستے ہیں جو دوسروں کی یہ سمجھ کر مدد کرتے ہیں کہ اُنھوں نے خدا کو صحیح پہچانا ہے جو دوسروں کو خدا کی راہ دکھاتے ہیں۔

کہنے لگے کہ پیر خود مخلوق کو خدا کی طرف بلانے کا کام ہرگز اختیار نہیں کر سکتے البتہ جب خدا اور رسول کا حکم ہوتا ہے تب یہ ذمے داری قبول کرتے ہیں۔

فرمایا کہ جس شخص نے مرتبے کا لالچ نہ رکھا تو وہ خود پیر ہے۔

طالب کو چاہیے کہ حجرے کا دروازہ تنگ اور چھوٹا بنائے تا کہ ہر مرتبہ جب وہ اندر داخل ہو تو اس کی کمر جھک جائے اس لیے وہ ہر وقت خبر دار رہے گا لیکن اگر دروازہ کشادہ ہوگا اور آسانی سے اندر باہر آنا جانا رہے گا تو غافل اور آرام طلب ہو جائے گا۔

فرمایا کہ طالب اگر پیر کے پاس بیٹھا رہے اور اس وقت کوئی اہلِ دنیا آ جائے تو طالب کو چاہیے کہ وہاں سے چلا جائے اور وہاں نہ بیٹھے کیونکہ وہ عالم، حکمت کا ہے اور یہ عالم، قدرت کا ہے۔ وہ شخص ضرور دنیا کی حکمت کی باتیں کرے گا جو فقرا کو نہیں سننی چاہئیں البتہ پیر سنے تو صحیح ہے۔ مزید سمجھاتے ہوئے کہا کہ دریا کے کچھ جاندار خشکی پر پہنچتے ہی مر جاتے ہیں اس طرح خشکی کے جانور دریا میں داخل ہونے سے مر جاتے ہیں اور دوسرے ایسے بھی جانور ہیں جو دریا میں ہوں تو بھی سلامت اور خشکی پر ہوں تو بھی سلامت رہتے ہیں۔

کہنے لگے کہ فقیر جب سفر پر جائے تو تین منزلیں کرے۔ پہلی جب کسی دریا کے نزدیک سے گزرے تو وہاں منزل کرے اور اس کے بعد آگے بڑھے اور جب کسی قبرستان سے گزرے تو وہاں پر بھی کچھ دیر کے لیے سکوت اختیار کرے۔ تیسری جب کسی گاؤں میں پہنچے تو مسجد میں منزل انداز ہو۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ ایک دن ہم حضرت کے ساتھ کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب کشتی کنارے پر پہنچی تو آپ چھڑی لیے ہوئے جلدی نیچے اتر آئے۔ دوسرے سب اپنا اپنا سامان اتارنے میں لگ گئے جس میں اُنھیں بہت پریشانی بھی ہوئی اس پر حضرت صاحب نے یہ قول دُہرایا

'نجا المخففون وھلک المثقلون'

یعنی ہلکے وزن والے چھٹکارا پا گئے اور بھاری وزن والے ہلاکت میں پڑ گئے۔

جب کوئی شخص کسی بزرگ کے ہاں بیٹھا ہو اور وہ بزرگ تقریر شروع کر دیں اور سننے والا اس کا اہل نہ ہو تو خدا کی طرف سے تین مانع صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اسے نیند آ کر تنگ کرے گی۔ دوسری یہ کہ تب اسے کوئی شخص آ کر بلائے گا اور وہ وہاں سے کھسک کر کسی دوسری جگہ کام میں مشغول ہو جائے گا۔ تیسری یہ کہ اس کو وہاں بیٹھے ہوئے دل میں اتنے خیالات آئیں گے کہ وہ ان میں ڈوب جائے گا۔

فرمایا کہ ایسا مکان جہاں غصہ اور سختی ہو وہاں پر معرفت نہیں ہوگی۔ مرد وہ ہے جو اپنا غصہ ہضم کرتا اور کھا جاتا ہے۔ سب حلال کھانوں میں زیادہ حلال غصّے کو کھانا ہے۔ نرمی کے ساتھ چلنے والے کو دگنا ملتا ہے۔ ۸ے

نرمی والے آدمی کی مثال خربوزے کی بیل کی طرح ہے جو میوہ بھی دیتی ہے اور سایہ بھی کرتی ہے اور سخت آدمی اس کھجور کے درخت کی طرح ہے جو سب میں زیادہ بلند ہے لیکن نہ اتنا میوہ دیتا ہے اور نہ سایہ۔

منقول ہے کہ ایک دن بڑی دور سے کوئی فقیر آپ کی خدمت میں آیا اور آتے ہی دو تین فقرا کی نشستیں پھلانگ کر اوپر جا کر بیٹھا۔ آپ سخت نظروں سے دیکھ کر چپ ہو گئے۔ کہا کہ فقیر کو چاہیے کہ جب مجلس میں حاضر ہو تو جوتے وغیرہ اتار کر بیٹھ جائے اور اوپر بیٹھنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ یہ شاہانہ طریقہ ہے۔

اگر کوئی تمھیں نام سے پکارے تو دو مرتبہ نرمی سے جواب دو لیکن آپ کسی کو پکارو تو 'میاں' کہہ کر پکارو۔

بیت

ٿند م ٿاءِ ڪٿاءِ، بوڏ چوني ته جيُ چو

جي ٻانئين پرين مڙان، ته ڏوهنون گڻ ٻاءِ

ترجمہ: جا بہ جا بُری بات مت کر اگر وہ تمھیں کہیں 'ڈوب جا' تب بھی تم اُنھیں 'جی' کہو۔ اگر محبوب سے ملنا چاہتے ہو تو اپنی خطاؤں کو نیکیوں سے بدلو۔

اگر کوئی خود کو پہنچا ہوا یعنی خدا رسیدہ سمجھتا ہے تو وہ ہرگز پہنچا ہوا نہیں ہے۔

فرمایا کہ خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے لیکن اپنے بندوں سے ان کے کاموں کے متعلق پوچھتا ہے خدا تعالیٰ سے اپنے کاموں کے بارے میں کوئی بھی نہیں پوچھ سکتا ۹ے جیسے قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ:

"لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون." (سورۃ الانبیاء: ۲۱-۲۳)

یعنی اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا البتہ ان سے پوچھا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی ارشاد ہے کہ:

"ما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا۔" (سورۃ الحشر: ۵۹-۷)

ترجمہ: یعنی رسول ﷺ جو تمھیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔

جب کوئی طالب مسلسل تین دن ذکرِ الٰہی نہیں سنے گا تو اس کے دل پر سیاہ داغ بن جائے گا۔ پھر اگر چوتھا دن بھی گزرا تو وہ داغ پہلے سے بھی بڑا ہو جائے گا۔ اس طرح جیسے جیسے دن گزرتے جائیں گے تو سیاہ دھبہ بھی پھیلتا جائے گا۔

فقیر کو چاہیے کہ مجلس میں تب تک بیٹھے جب تک ذکرِ الٰہی ہوتا رہے لیکن جب دنیا کا ذکر شروع ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہاں سے چلا جائے اور وہاں نہ بیٹھے۔ فقیر کے حجرے سے نکلنے کے دو اسباب ہو سکتے ہیں یا تو بالکل بے کار ہو کر بیٹھ جائے گا یا کسی حاجت میں لگ جائے گا۔

کہنے لگے کہ فقرا کا حجرہ یہ زمین ہے اور آسمان اس کی چھت ہے۔

فرمایا کہ کرامات خرابات یعنی شراب خانے کے برابر ہیں بلکہ سیدھا کفر ہیں۔

منقول ہے کہ ایک دن کوئی شخص حضرت جی کو سفارش کے طور پر کسی اور کے ہاں لے گیا لیکن اس نے یہ بات نہ مانی۔ آپ لوٹ آئے۔ راستے میں آپ کو ایک درویش ملا جو کہنے لگا کہ تم نے ولی شخص کو واپس کیا ہے، اب تم بھی اس کو تیر مارو۔ اس پر ان کو یہ واقعہ بتایا گیا کہ میں اکثر مخدوم نوحؒ اور دوسرے کئی بزرگوں کی مجلس میں جاتا تھا لیکن وہاں میں نے کبھی بھی کرامت والی بات نہ سنی۔ وہاں ہمیشہ ذکر کی بات ہوتی تھی۔ کہا کہ اکثر پیر اپنے اس حال پر روئیں گے کہ اگر دنیا میں ان کا نام مخفی رہتا تو بہتر تھا۔ ۸۰

منقول ہے کہ ایک دن حجرے سے باہر ایک سیّد دوسرے شخص سے بحث کر رہا تھا کہ میں سیّد ہوں اس لیے تم سے زیادہ فضیلت والا ہوں۔ تب آپ اس سیّد کو بلا کر کہنے لگے کہ تمھیں کیا ہوا ہے جو خود کو فقیر نہیں کہلواتے؟ کیونکہ یہ مرتبہ بھی اس میں داخل ہے اس لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

الفقر فخری۔

یعنی فقر میرا فخر ہے۔ فقیر جب کسی سے رخصت ہو تو اس وقت اسے کوئی بھی غرض یا طمع نہیں رکھنی چاہیے۔

فرمایا کہ کرامات سے کافر بھی مرید ہو جاتے ہیں لیکن مرید وہ ہے جو بغیر کرامت کے اخلاص حاصل کرے۔ کہا کہ جو تمھارے پاس ہے وہ خرچ کر۔ لالچ چھوڑ دے گا تو اصل غرض اور مقصد حاصل ہوگا۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت صاحب دعا کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ ایک مرید وہ سب کچھ سن رہا تھا لیکن کچھ دنوں کے بعد ثواب والی بات اس کے ذہن سے اتر گئی تو دوبارہ حضرت کو کہنے لگا کہ ثواب والی بات پر دوبارہ روشنی ڈالیں۔ یہ سن کر حضرت کو غصہ آیا اور اس کو کافی دیر تک نصیحت کرتے رہے کہ ہر کوئی اجر و ثواب سے رغبت رکھتا ہے لیکن اصل پر کوئی جاتا ہی نہیں ہے۔ اس مرید نے پھر کبھی ایسا سوال نہ کیا۔

فرمانے لگے کہ مردِ خدا کی ایک نظر چالیس چہلم سے بہتر ہے۔ ۸۱

ا ن تکلم العارف فقد هلک و ان سکت المحب فقد هلک.

یعنی اگر عارف کچھ بولتا ہے تو بھی ہلاک ہوتا ہے لیکن محبّ چپ رہتا ہے تو بھی ہلاک ہوتا ہے۔

کہنے لگے کہ کمال حاصل کرنے والے شریعت کے لحاظ سے جَو کے دانے جتنا حساب ہی رکھتے ہیں جیسے یہ شعر ہے:

همان مردی تمام است در تمامی
کند با خواجگی کارِ غلامی

یعنی: وہ مرد ہر لحاظ سے کامل ہے جو سردار ہوتے ہوئے غلامی کرتا ہے۔ فرمایا کہ علما کے سامنے زبان قابو میں رکھی جائے۔ ولی کے سامنے دل کو سنبھالا جائے اور بادشاہوں کے سامنے نظر کو نیچا رکھا جائے۔

کہنے لگے کہ مرید کو چاہیے کہ پیر کو سورج کی طرح جانے یعنی جہاں ہو وہاں پیر کو حاضر سمجھے۔

فقرا تین اقسام کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہیں کہ جو اس فکر میں مبتلا ہیں کہ خدا تعالیٰ ان سے کیا سلوک کرے گا۔ دوسرے وہ ہیں جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے پتہ نہیں ان کی تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ نیک ہیں یا بد اور تیسری قسم کے فقیر اپنے حال میں مشغول ہیں اور پھر فکر سے فارغ ہیں۔ کہنے لگے کہ وہ دل جس میں دنیا یا آخرت کا خیال داخل نہ ہو خدا کی طلب اور راہ ایسے دل والے کو ملے گی۔

فرمایا کہ ایسا طالب جو دونوں جہانوں کی امید رکھتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت صاحب کو گھٹنے میں اکثر درد رہتا تھا۔ ایک دن گھٹنا اٹھاتے ہوئے آپ کو بہت درد ہوا تو چیخنے لگے کہ 'اللہ' اس کے بعد آپ فوراً فرمانے لگے کہ یہ نام میں نے خدا کے واسطے نہیں لیا بلکہ گھٹنے میں درد کی وجہ سے ایسا کیا۔ فرمانے لگے۔

نمازِ عابدان رکوع و سجود است
نمازِ عارفان ترکِ وجود است ۸۲

ترجمہ: عابدوں کی نماز رکوع اور سجدہ ہے عارفوں کی نماز وجود کو ترک کرنا ہے۔

کہنے لگے کہ ہم نے حاجت کے سوا کوئی ایک قدم بھی نہیں اٹھایا ہے۔ جب فقیر کو کوئی مسئلہ درپیش آئے تو پہلے دل میں سوچے۔ امید ہے کہ وہاں سے مطلب پورا ہوگا لیکن اگر ایسا نہ ہو تو کسی دوسرے سے مشورہ کرے۔ فرمانے لگے کہ خدا کی راہ میں ہاتھ پاؤں اور زبان سے نہیں چلنا چاہیے بلکہ دل سے چلنا چاہیے۔ پھر اگر دل میں کوئی گمان گزرے تو پھر دوسروں سے پوچھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

بیت

جي پڇنا سي نه منجھنا، جي پڇن سي وير

جو لکڻ ۾ ماڙهوئين، سو کلکڻ ۾ کير

ترجمہ: جو پوچھتے ہیں وہ کبھی بھی گمراہ نہیں ہوتے، اور جو پوچھتے ہیں وہ عقل مند ہیں۔ وہ بات جو لوگوں میں اچھی ہے وہ دودھ میں خراب ہے۔

اگر کوئی بندہ خدا تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے تو اسے پتہ نہیں چلے گا کیونکہ وہ اپنی عقل اور ادراک کے مطابق مانگے گا لیکن اگر نہیں مانگے گا تو مالک خود اسے وہ چیز دے گا جس کے لائق وہ خود ہے۔

فرمایا کہ بہشت میں انسان کے سب اعضا ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کو دیکھنے کی قوت عطا ہوگی جیسے یہاں آنکھوں کو ہے لیکن وہی مرتبہ اس دنیا میں خدا کے خاص بندوں کو حاصل ہے جو ان کے سب اعضا دوسروں کی آنکھوں کی طرح دیکھتے ہیں۔

فرمانے لگے کہ دل کے دائیں طرف رحمانی فرشتہ بیٹھا ہے اور بائیں طرف شیطان جو پریشان کرنے والا ہے اور دونوں کے درمیان دل ہے۔ دل جب رحمانی فرشتے کی طرف مائل ہوتا ہے تو نیک اور اچھے کام ہوتے ہیں لیکن جب بائیں طرف ہو تو شیطانی کام ہوتے ہیں اور اسے گمراہ کرنے میں لگ جاتے ہیں اس لیے مردِ خدا کو چاہیے کہ دونوں کو اچھی طرح پہچانے تاکہ فریب میں نہ آجائے اور شیطان اس پر حملہ آور نہ ہو۔۸۳

فرمانے لگے کہ لوگوں نے جس چیز کو معرفت سمجھا ہے وہ معرفت نہیں ہے کیونکہ جب کوئی شخص بخار یا مرض کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتا ہے تو اس وقت بے جا باتیں کرتا رہتا ہے لیکن جب ہوش میں آتا ہے تو اپنی کی ہوئی باتوں کو بالکل بھول جاتا ہے۔ ان لوگوں کی معرفت کی مثال بھی اس قسم کی ہے۔

کہتے ہیں کہ ہر آدمی خدا کو تین مرتبہ دیکھتا ہے۔ایک مرتبہ اس دنیا میں آنے کے وقت یعنی تولّد کے وقت۔دوسرا الست بربکم. کے وقت۔تیسرا مرنے کے وقت۔اس طرح ہر انسان کے تین اجسام ہیں لیکن تینوں ایک شکل کے ہیں ایک وہ جو بالکل ظاہر اور عیاں ہے دوسرا اسی جسم جیسا ہے اور تیسرا عرش کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ جب اس ظاہری جسم سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو عرش کے نیچے والے جسم سے بھی وہی جرم سرزد ہوتا ہے جس پر فی الفور وہ وہاں سے غائب ہوجاتا ہے۔اس پر فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا یہ بندہ جو اس جگہ پر تھا وہ کہاں غائب ہوگیا۔خدا فرماتا ہے کہ وہ میرا راز تھا اور اب بھی میرے راز میں ہے اور تمھیں کوئی خبر نہیں ہے۔مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندے کا راز ان فرشتوں پر عیاں نہیں کرتا اور ان کے جرائم بھی دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا لیکن اس جسم سے جو بھی ظاہر ہوتا ہے اس کو دیکھنے والے فرشتے لکھتے جاتے ہیں۔اس طرح اس جسم سے جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ عرش کے نیچے والے جسم سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

فرمایا کہ محبوب کے بھید کو فاش کرنا خود کو پھانسی پر لٹکانے کے برابر ہے۔جیسا کہ منصور نے کیا اور اس کا نتیجہ بھی دیکھا۔ کہنے لگے کہ طالب کا دل دریا کی طرح ہے ۸۴ جس میں کئی ہیرے جواہر ہیں۔ پھر اگر اس میں دیکھے گا تو ہیرے پائے گا ورنہ خالی ہی رہے گا۔اس وقت آپ نے یہ شعر پڑھا:

دریا دلیم و دیده ما معدن در است
گردستِ من تهی ست ولی چشمِ من پر است

ترجمہ: ہمارا دل دریا ہے اور ہماری آنکھیں موتیوں کی کان ہیں۔اگر چہ میرے ہاتھ خالی ہیں لیکن میری آنکھیں بھرپور ہیں۔

فرمانے لگے کہ محبوب کی انتہا نہیں ہے اور نہ ہی طالب کی کوئی انتہا ہے لیکن اگر محبوب کی کوئی انتہا ہوتی تو طالب کی بھی ہوتی۔ طالب کی بھی ایک منزل ہے جسے 'انتہا' کہتے ہیں لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس سے اوپر کوئی منزل یا مقام نہیں ہے۔

بیت

چاچر چگیرن، گهور نه اچي گهاتوئين
اکیون انهن سندیون، ڪڏا ڪرون پچن

ترجمہ: ماہی گیر پہلوانوں کو کم پانی نظر میں نہیں جچتا۔ان کی آنکھیں تو گہرے پانی کی تلاش میں

ہوتی ہیں۔

بيت

هنجهه تنهين هوءِ اونهي ۾ اوڙاهه جو

اي ڪانيرو ڪوءِ، جو ڇاڇر ۾ ڇيرون ڪري

ترجمہ: ہنس وہاں ہوتا ہے جہاں بہت گہرا پانی ہوتا ہے البتہ یہ کوّا ہے جو چھوٹے کم گہرے پانی میں کھیل رہا ہے۔

فرمانے لگے کہ درخت آخر میں اس طرح گرتا ہے جس طرف بل کھاتا ہے۔ مبتدی اور منتہی میں کوئی فرق نہیں اگر اُنھیں اصلیت کی آگاہی نہیں ہوئی ہے۔ فرمانے لگے کہ نمازی کو چاہیے کہ تکبیر اولیٰ یعنی اللہ اکبر کہتے وقت دل کی توجہ اللہ کی بڑائی کی طرف کردے اور ''سبحان ربی العظیم'' اور ''سبحان ربی الاعلی'' کہتے وقت دل میں استقامت پیدا کرے اور یہ فکر کرے کہ ہر بڑائی اور شان جس کا ہم خدا تعالیٰ کے متعلق تصور کر سکتے ہیں وہ ان سب سے اونچا ہے۔۸۵

فرمایا کہ اپنے حسب نسب پر فخر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ بھی دنیا کی ایک چیز ہے بلکہ اپنا باپ دادا خود ہونا چاہیے۔ کہنے لگے کہ اب ایسا وقت آچکا ہے کہ بیٹے اپنے باپ کی کرامات پر فخر کرتے ہیں جو کب کے گزر چکے ہیں۔

جي اتر جي لاهه، سڄڻ سڀ پرکيا

ري پنهنجي ڪنئي، سير بري نه باهه

ترجمہ: شمال اور جنوب میں سب دوستوں کو آزما کر دیکھا لیکن اپنی کمائی کے بغیر اچھی آگ نہیں جلتی۔

فرمایا کہ شریعت میں حقیقت اس طرح ہے جیسے دودھ میں مکھن۔ سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ ظاہر میں شریعت کی پیروی کرو یعنی کہ روزہ رکھو نماز پڑھو، نفل ادا کرو اور دل کو خدا کے ساتھ جوڑ کر رکھو۔

فرمایا کہ حقیقت کی معلومات رکھ لیکن کسی کو نہ سنا۔ کہنے لگے کہ جس نے فقط شریعت سیکھی لیکن حقیقت کی کوئی بھی خبر نہ رکھی تو وہ اُس پرندے کی طرح ہے جس کا ایک پر ٹوٹا ہوا ہے۔ پھر اس سے وہ کتنی بھی کوشش کرے لیکن اُڑ نہیں سکتا۔ بالکل وہی حالت اس شخص کی ہے جو حقیقت جانتا ہے لیکن شریعت سے بے خبر ہے۔ طالب کے لیے یہ دونوں ضروری چیزیں ہیں۔۸۶

کہنے لگے کہ طالب کو چاہیے کہ سننے کے وقت اپنے کان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کانوں کی طرح اور اپنی زبان کو اس درخت کی طرح سمجھے جس پر تجلی پڑی اور اپنے دل میں حق تعالیٰ کی امید رکھے تو وہ سب کچھ سنے گا جو حضرت موسیٰ کو نصیب ہوا۔

فرمایا کہ دنیا کا ترک کرنا دین کا ترک کرنا ہے اور خود کو ترک کرنا خدا کو ترک کرنا ہے۔

فقیر کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے اسما کے اسباب معلوم کرے اور سمجھے کہ دنیا میں اچھائی اور برائی، ہدایت اور گمراہی جو کچھ بھی ظہور پذیر ہوتا ہے وہ اُس ذات کے اسما کی وجہ ہے اس لیے جہاں ہدایت دیکھے تو سمجھے کہ یہ ہادی کی وجہ سے ہے۔ اس طرح اگر قہر دیکھے تو وہ اس کی قہاریت کے سبب سے ہے لیکن فقیر کو چاہیے کہ جہاں گمراہی اور قہر دیکھے وہاں سے بھاگ کر ہدایت کی طرف آئے۔ بہرصورت نیکی اور بدی کو ذاتِ خداوندی کے نام سے سمجھے اور اس میں کسی اور کا دخل نہ سمجھے۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ میں ایک دن حضرت جی کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک آپ اپنے نفس کو نہیں پہچانو گے تب تک خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانو گے۔ میں کافی وقت اس بات پر غور کرتا رہا لیکن اس کے معنی نہ سمجھ سکا۔ آخر بڑی سوچ کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی نفس کی معرفت روح کی معرفت ہے اور روح کی معرفت عجز و عاجزی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ ایک دن پھر میں حضرت کی خدمت میں گیا اور یہ حقیقت عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے بالکل صحیح سمجھا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ:

"ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار." (سورۃ ھود: ۱۱-۱۱۳)

ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تم سے آگ لپٹ جائے گی۔

کہنے لگے کہ اگر کوئی بندہ سردی میں کسی دوسرے بندے پر اس طرح سایہ ڈالے کہ اس پر سورج کی گرمی یا دھوپ نہ پہنچے تو وہ بھی ظلم ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ ظالم ہے۔

کہنے لگے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان:

"یعرف الرجل بالمعاملة" کے دو معانی ہیں یعنی کہ کسی بھی شخص کی شناخت اس لحاظ سے کی جائے کہ دم یا سانس لیتے وقت اللہ کو یاد کرتا ہے یا غیر کی یاد میں مشغول ہے۔

فرمایا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

"انی انا ربک فاخلع نعلیک انکہ بالواد المقدس طوی." (سورۃ طٰہٰ: ۲۰-۱۲)

یعنی میں تیرا رب ہوں پھر اپنے جوتے اتار بیشک تو مقدس وادی طویٰ میں ہے۔ وہاں جوتے سے

مراد دنیا وآخرت، فرزند اور عیال ہے۔

صوفی وہ ہے جو کوئی سوال نہ کرے اور نہ کسی کو کام کی فرمائش کرے۔ فرمایا کہ مرشد وہ ہے جو سب سے پہلے مرید کے اس دنیا سے تعلقات ختم کرے اور اس کے بعد اسے کوئی چیز عنایت کرے۔ پھر فرمانے لگے کہ مرشد وہ ہے جو مرید کو اپنی صحبت میں کی ہوئی ہر بات میں خدا کا جلوہ دکھائے۔

کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ:

"الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب"

یعنی موت ایک پُل ہے جس کے ذریعے ایک دوست دوسرے دوست سے جا کر ملتا ہے اس لیے آدمی اس دنیا میں جس چیز کو عزیز رکھتا ہے مرنے کے بعد اسے وہ چیز حاصل ہوتی ہے یا وہ اس سے جا کر ملتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے "من زار حی ولم یرزقه شیء فکا نما زار میتا" یعنی جس نے ایسے کسی زندہ آدمی سے ملاقات کی لیکن اس کے پاس کچھ نہ کھایا تو گویا کسی مردے سے ملاقات کی۔

فرمانے لگے کہ جب کوئی فقیر کسی بزرگ کی زیارت کرنے جائے اور اس بزرگ سے کوئی الٰہی سخن سنے تو گویا اسے رزق کی بخشش ملی۔ ۸۸

کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت کے زمانے کے عالم اور فاضل شخص میاں حامد ڈاڈوں والے سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب پوچھا!

"الانسان عبید الاحسان"

یعنی انسان احسان کا غلام ہے۔ اس پر اس نے جواب دیا کہ معانی بالکل عیاں ہے۔ اس پر حضرت نے کہا کہ کیا سبب ہے کہ گائے، بھینس اور بکریاں جو صبح کو مالک کے مکان سے نکل کر جنگل کو چرنے کے لیے جاتی ہیں وہ شام کو اس احسان کے سبب واپس مکان پر لوٹتی ہیں اور کسی دوسری جگہ نہیں جاتی ہیں۔ اس طرح کوئی آدمی اناج کے دانے اٹھا کر آگے چلتا ہے تو ایک ٹولہ اس کے پیچھے آتا ہے۔ ظاہر ہوا کہ نہ فقط انسان لیکن جانور بھی احسان کے غلام ہیں۔ یہ سن کر مولانا حامد کہنے لگے کہ بے شک حضرت کو خوب معلوم ہے۔

مزید کہا کہ احسان خدا کا نام ہے اس لیے سب انسان اور سب چیزیں اس ذات کی مطیع ہیں۔ پھر اس میں حیوان، انسان، پرندے، جنات، پریاں بھی آجاتی ہیں لیکن اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کا ذکر صرف اس لیے کیا، کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور دوسری سب چیزوں کے مقابلے

میں شرف والا ہے اس لیے یہاں انسان سے مراد ہر قسم کی مخلوق ہے۔ پھر جسے عقل ہے وہ اس ذات کی اطاعت کرے گا اور دوسرے اس کی فرماں برداری کریں گے۔ ۸۹

مولانا حامد نے جب یہ تشریح سنی تو آفرین کے لفظ ادا کیے بلکہ یہ تعبیر ان کے دل میں اتر گئی اور بہت اچھی لگی۔

فرمایا کہ دنیا کا لفظ ''دنو'' سے نکلا ہوا ہے جس کے معنی نزدیکی کے ہیں اس لیے خدا سے نزدیکی یا قربِ خداوندی بھی اس دنیا میں حاصل ہوتا ہے۔

کہنے لگے کہ بصیر یعنی دیکھنے والا جو ظاہر آنکھوں سے دیکھے لیکن بصارت دل کی روشنی کو کہتے ہیں۔

''تجرید'' کا مطلب ہے دنیا کو چھوڑنا یا خلقِ خدا سے تعلقات کو توڑنا، تفرید ہے فنا فی اللہ ہونا اور اپنا وہم بھول جانا۔

کہنے لگے کہ اہلِ ظاہر کہتے ہیں:

''اقتلوا الموذیات قبل الایذاءَ''

یعنی ایذا دینے والے کو ایذاء پہنچانے سے پہلے ختم کرو۔ اہلِ طریقت کہتے ہیں:

''اقتلوا الموذیات بعد الایذاءَ''

یعنی ان کو ایذاء پہچانے کے بعد ختم کرو، لیکن اہلِ حقیقت کہتے ہیں:

'اترک الموذیات بعد الایذاءَ'

یعنی ان کو ایذاء کے بعد چھوڑ دو۔

لیکن اہلِ معرفت کہتے ہیں کہ

'احسن الموذیات بعد الایذاءَ'

یعنی ایذاء پہنچانے والے سے نیکی کرو۔

فرمایا کہ

''تارک الورد ملعون و صاحب الورد ملعون''

اس قول کو سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ورد کرنے میں مشغول ہو لیکن دوسری مخلوق کو اس سے کام ہو جو اور کسی سے نہ ہوتا ہو اور اُنھیں انتظار کرنا پڑے تو اس صورت میں ایسے شخص کو ورد نہیں کرنا چاہیے۔

لیکن دوسرا شخص جو فارغ ہے اور مسجد سے فارغ ہو کر باہر نکلا ہے اور جا کر کسی کھیل کود میں مشغول

ہو گیا لیکن خود کو ورد میں مصروف نہیں کرتا تو وہ بھی بُرا ہے۔ فرمایا کہ اگر کسی آدمی کا کسی سے کام پڑ جائے اور وہ چل کر اس کے پاس آئے اور اگلا ورد میں مشغول ہو اور کام والا آدمی کھڑا ہو کر اسے پکارے کہ باہر آ جاؤ۹۰ تو صاحب ورد اسی غرض والے کو کہے کہ ٹھہرو لیکن اس کو یہ ضرور کہے کہ خود بغیر ورد کے آیا ہے البتہ اس کا کام کرے۔

فرمانے لگے کہ وہ پرندہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ اُڑے گا جس کے پَر صحیح سلامت ہوں گے لیکن جس کے پَر ٹوٹے ہوئے یا زخمی ہوں وہ نہیں اُڑ سکے گا۔ فرمایا کہ جب کسی کے گھر جاؤ تو خاموشی سے بیٹھ جاؤ اور ہر طرف نظریں دوڑانے کی کوشش نہ کرو۔ فرمانے لگے کہ ایسا درخت جو خشکی پر ہے اور سوکھ جاتا ہے تو اس کا علاج ہوسکتا ہے لیکن جو درخت پانی میں ہوتے ہوئے سوکھ جائے تو وہ لاعلاج ہے۔ کہنے لگے کہ فقیر کو تین جگہ منزل کرنی چاہیے ایک پہاڑ میں، دوسری ویرانی میں، تیسری دریا کے کنارے۔

طالب کو چاہیے کہ قبرستان میں نہ ٹھہرے۔ اس سے دل سخت ہوتا ہے کیونکہ مردے کچھ بھی نہیں کھاتے پیتے اور زندہ کھانے کے محتاج ہیں۔ ہاں اُن کے لیے قبرستان میں ٹھہرنا جائز ہے جنھوں نے اپنے آپ کو زندہ مار ڈالا ہے۔

منقول ہے کہ ایک دن کسی مرید نے پانی کا لوٹا بھر کر آپ کو دیا۔ آپ نے جب اس کی طرف نظر کی تو وہ مرید بڑا خوش نظر آیا۔ فوراً اس کو کہنے لگے ۹۱ کہ لوٹا بھرنے پر اتنا خوش نہیں ہونا چاہیے یا ایسے نہیں سوچنا چاہیے کہ اب دوسروں کے لوٹے نہیں بھروں گا بلکہ خدمت کی خاطر یہ کام تاحیات جاری رکھنا چاہیے۔

کہنے لگے کہ طالب کو چاہیے کہ ہر وقت پاؤں میں جوتے پہن کر نہ چلے۔ کبھی کبھار بغیر جوتے چلنا چاہیے اس لیے جب سفر میں چلے تو کبھی جُوتے پہنے تو کبھی ہاتھ میں اٹھا کر چلے۔ مطلب یہ ہے کہ خود کو اس طرح نہ بنائے کہ جب جوتے میسر نہ ہوں تو چلنے سے قاصر ہو کر بیٹھ جائے اور چل نہ سکے۔

فرمانے لگے کہ بے ہودہ کام کرنے سے ذات بے ہودہ نہیں ہوتی بلکہ گناہ بذاتِ خود بے ہودہ کام ہے۔

اگر کوئی شخص یہ ارادہ کرے کہ ہر تین دن مردے کے ساتھ سوئے گا یعنی وہ جو بھی کھائے گا وہ یہ کھائے گا جو وہ پیے گا وہ یہ پیے گا اور خلق خدا سے اتنا تعلق رکھے کہ جتنا یہ رکھے گا تو پھر جلد ہی وہ اللہ کا خاص بندہ بن جائے گا۔

فرمایا کہ اگر کوئی شخص جنات کے اثر سے دیوانہ ہو جائے تو وہ بھی بہتر ہے کیونکہ اسی ساعت میں وہ اپنی خودی سے الگ رہے گا۔

بیت

قرب ۽ ڪبرياءُ ماءُ ملاقي نه ٿئي

صوفي جي صلح ۾ پورو اي پرياءُ

ترجمہ: اے ماں! محبت اور تکبر اکٹھے نہیں ہو سکتے صوفیوں کے مشرب میں اس بات پر اتفاق ہے۔

طالب کو چاہیے کہ اسے اگر کوئی تکلیف پہنچائے، غمگین نہ ہو بلکہ یہ سمجھے کہ یہ تکلیف خدا کی طرف سے ہے اور یہ تکلیف پہچانے والے کو کچھ بھی نہ کہے۔۹۲

اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی بندہ کسی کو چھڑی سے مارتا ہو تو دوسرا آدمی وہ چھڑی لے کر توڑ دے کہ اس چھڑی سے اسے مارا جارہا تھا تو یہ بے وقوفی ہوگی۔ چھڑی نے کیا جرم کیا اصل ذمہ دار تو چھڑی مارنے والا ہے۔

کہنے لگے کہ فقرا کی نظر میں اہلِ دنیا پتوں کے ایسے انبار کی مثل ہیں جس میں اگر کوئی چنگاری آ کر گرے تو پورے انبار کو جلانے کے لیے کافی ہے۔

فرمانے لگے کہ اولیا تین اقسام کے ہیں؛ ایک وہ کہ جن کی نظر لوحِ محفوظ پر ہوتی ہے اور اپنی عمر کم دیکھیں تو اسے بڑھائیں۔ دوسرے وہ جو لمبی عمر دیکھیں تو اسے کم کریں تا کہ اس دنیا میں کم رہیں۔ تیسرے وہ جو لوحِ محفوظ میں سب کچھ دیکھیں لیکن کچھ بھی نہ کریں، بلکہ خدا کی رضا پر راضی رہیں۔

فرمایا کہ ارواح کی خلقت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے اوّل ہیں لیکن جسمانی خلقت میں آدم علیہ السلام سب سے اوّل ہیں۔

کہنے لگے کہ پیر مریدوں کو اور کچھ بھی نہیں دیتے بلکہ جو کچھ بھی مرید کے پاس ہے وہ اسے چمکا کر دکھاتے ہیں تا کہ وہ دیکھ سکے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے آئینہ بنانے والا لوہے سے مٹی اتار کر اسے صاف کر کے چمکاتا ہے اس قدر کہ اس میں دوسری کوئی چیز نہیں ڈالتا بلکہ اصل چمکنے والی سطح صاف ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ روشنی دینے لگتا ہے۔۹۳

فرمایا کہ کشف وکرامات دنیا کی باتیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ان سب کو چھوڑ کر دوسری دنیا حاصل کی جائے۔

فرمایا ''کل ما خطر ببالک و اللہ بخلاف ذالک'' یعنی جو کچھ آپ کے ذہن میں آ سکتا ہے،

اللہ کی ذات اس سے اور طرح کی ہے۔

فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ سنت ہے کہ جب فقیر مکان سے نکلے تو یہ نیت کرے کہ کسی طالب خدا سے ملاقات ہو اور کوئی درویش مل جائے جو خدا کی راہ دکھائے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی یہ سنت ہے کہ جب طالب اپنے مکان سے نکلے تو یہ نیت کرے کہ میرا پاؤں اُس جگہ پر پڑے جہاں پہلے کسی طالب اور خدا کے دوست نے پاؤں رکھا ہو۔

کہنے لگے کہ جب کوئی طالبِ خدا اہلِ دنیا سے تواضع اختیار کرتا ہے اور ان کے پاس تھوڑا یا کم بیٹھتا ہے یا محبت کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے دین کا صفایا کرتا ہے اور اس کی پوری عبادت کو ضایع کرتا ہے اور اسے خوار کرتا ہے۔

فرمایا کہ مخلوق کے پیدا ہونے کے اسباب اولیا ہیں۔ اگر اولیا عدم میں ہوتے تو دوسری مخلوق بھی پیدا نہ ہوتی۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے باغبان درختوں کو پانی دیتا ہے تو اس کے لیے نالیاں بناتا ہے پھر اس پانی کی وجہ سے بغیر بیج پھینکنے کے کتنی گھاس اور دوسرے پودے از خود نکلتے ہیں۔

فرمایا کہ پیروں کو کوئی قدرت نہیں جو مریدوں کو اپنی طرف سے کوئی چیز عنایت کریں کیونکہ اگر ایسے ہوتا تو پہلے اپنے فرزندوں پر شفقت کرتے اور اس کے بعد دوسروں پر۔

فرمایا کہ اگر کوئی اچھا خواب دیکھے اور کسی دوسرے سے بیان کرے اور وہ اسے اچھی تعبیر بتائے تو پھر اس کا اثر اچھا ہوگا۔

فرمانے لگے کہ جو آدمی جمعے کے دن غسل نہ کرے تو اس سے جرمانے کے طور کچھ لیا جائے تاکہ پھر غفلت نہ کرے۔

فرمایا کہ اگر کوئی بندہ خدا کا طالب بنتا ہے تو اس کے ماں باپ دادا بلکہ ان کے ماں باپ جو مر چکے ہیں، آدم علیہ السلام تک سب اللہ کے حضور شکر بجالاتے ہیں کہ الحمد للہ ہماری اولاد میں سے کوئی طالب خدا پیدا ہوا ہے۔

کہنے لگے کہ اگر کوئی آدمی خدا کے واسطے کسی دوسرے کے پاس کام کے لیے جائے اور اس کا وہ کام ہو جائے تو گویا اس کا نفس زندہ ہو گیا لیکن اگر وہ کام نہ ہوا اور خالی لوٹا تو گویا اس کا نفس مر گیا اس لیے اس آدمی کے حق میں یہ بات بہتر ہے کہ اس کا کام نہ ہو۔ فرمایا کہ جب کسی کے پاس دعا کرانے جاؤ تو سنت پوری کرو کیونکہ بغیر سنت کے مقصد حاصل نہ ہوگا۔

فرمایا مجلس میں بیٹھ کر جھوٹ بولے تو خدا تعالیٰ اس سے سچائی کو دور کردے گا لیکن جو سچ کہے گا تو خدا تعالیٰ اس کی دل سے جھوٹ کو دور کرے گا۔95

فرمایا کہ ہر پیر جو بہتری چاہتا ہے تو وہ حاصل کر سکتا ہے حتیٰ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ سکتا ہے لیکن اس سے اوپر نہیں جا سکتا۔ کہنے لگے کہ میں فقرا کو پیر سمجھتا ہوں کیونکہ پیر اسے کہنا چاہیے جسے دیکھنے سے خدا یاد آئے، مجھے فقرا کو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت جی کے ساتھ راستے میں اکٹھے جا رہے تھے کہ آپ نے نصیحت کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا:

بیت

سڄڻ جان سهور ته کر روح رچنديون

سندو ڪاٺ کهور پتو ئي پر سهي

ترجمہ: ساجن جب تک برداشت کرے تب تک جو جی چاہے کرو۔ کھو کی لکڑی چاہے کتنی پرانی ہو تو بھی بار سہہ لے گی۔

فرمایا جب کوئی اللہ والا زمین سے گزرتا ہے تو زمین کا وہ حصہ دوسری زمین کے مقابلے میں خود کو خوش نصیب سمجھتا ہے لیکن اگر وہ کچھ دیر کے لیے وہاں ٹھہرتا ہے تو وہ زمین خود کو اور زیادہ خوش نصیب سمجھتی ہے لیکن اگر وہ وہاں نوافل ادا کرتا ہے تو زمین کا وہ حصہ خود کو بڑے نصیب والا سمجھتا ہے۔

فرمایا طالب کے لیے اس دنیا میں خدا کا عرفان ضروری ہے کیونکہ قیامت کے دن جن کو خدا تعالیٰ اپنی تجلی دکھائے گا تو اس دن اسے وہی پہچانیں گے جنھوں نے یہاں جانا ہوگا اور وہی اسے سجدہ کریں گے۔ دوسری مخلوق جو اس دنیا میں اس سے غافل ہے وہاں بھی بے خبر اور غافل رہے گی۔96

فرمایا اللہ تعالیٰ کے لطف سے کچھ انسانوں کی بخشش اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اولیا اللہ سے تعلق رکھتے ہیں یعنی ان کی گفتگو سنتے ہیں یا ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں یا اتنا قریب آتے ہیں کہ ان کی چادر کے قریب بیٹھتے ہیں۔

فرمایا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے، اس لیے ہم کچھ بھی نہیں کریں گے حالانکہ جب انھیں بھوک لگتی ہے تو وہ طعام مانگتے ہیں۔ برتن صاف کرتے ہیں۔ پانی بھرتے ہیں اور آگ

جلاتے ہیں۔ اس طرح جب ان کی چادر میلی ہوتی ہے تو پیسے دے کر صابن خریدتے ہیں تا کہ اسے دھوکر صاف کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں ایسا کیوں نہیں کہتے کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ ضرور ہوگا۔

فرمایا سر پر بال رکھنا اچھا نہیں۔

فرمایا ظلم اور زیادتی سے حاصل کیا ہوا، ایک قیراط حق اور سچ کے ستّر قیراطوں کو ضائع کر دیتا ہے۔

فرمایا جب مہمان آئے تو تکلف نہ کیا جائے جو بھی گھر میں حاضر ہو وہ اٹھا کے سامنے پیش کیا جائے۔

فرمایا پاگلوں سے صحبت اختیار نہ کرو کیونکہ تمھیں وہی کُچھ حاصل ہوگا جو ان کے پاس ہے۔

قیامت کے دن کئی فقرا کے مقبروں سے آگ کے شعلے نکلیں گے لیکن کئی مسلمان ایسے بھی ہوں گے جن کی قبروں سے نور کی تجلیاں نکلیں گی۔ کہنے لگے کہ جو آدمی مجلس میں پیچھے آ کر بیٹھتا ہے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ دوسرے اٹھ جائیں تو میں آ کر بیٹھوں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کئی بندوں سے یہ پوچھے گا کہ تم نے دنیا میں جو عبادت کی اس کی تمھیں وہاں اُجرت ملی؟ وہ بھول جائیں گے اور کہیں گے کہ کیسے؟ خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ وہاں جن لوگوں نے تمھیں سلام کیا عزت دی اور اس طرح دوسرے لوگ یا جو تمھاری غلامی میں رہے۔ وہ یہ سن کر شرمسار ہوں گے اور پھر چپ کر کے بیٹھ جائیں گے۔ 79

منقول ہے کہ حضرت صاحب اہلِ دنیا سے ذکرِ الٰہی کرتے تھے لیکن اگر کچھ ایسے اہلِ دنیا سخن الٰہی سننے کے واسطے آتے بھی تھے تو ان سے اکثر دنیا کی باتیں کرتے تھے۔

فرمانے لگے کہ اگر کوئی شخص مجلس میں بیٹھ کر خدائی سخن سناتا ہے لیکن اس کی نیت یہ ہے کہ لوگوں کے دل اس کے دام میں آ جائیں اور وہ اس کی طرف متوجہ ہوں اور معتقد بن جائیں۔ پھر اس کے بعد ان لوگوں سے کوئی چیز لیتا ہے یا ان کا کھانا کھاتا ہے تو اس شخص اور دوسرے ایسے بندے کے درمیان جو زور زبردستی سے مال چھینتا ہے کوئی فرق نہیں ہے۔

فرمایا کہ صوفی دن کو تپش میں باہر نکلتے ہیں اور اپنا کام کاج کر کے واپس ہوتے ہیں۔ اس کا یہ سبب ہے کہ صبح اور شام ٹھنڈی ہوا ہوتی ہے اور اس وقت کیڑے مکوڑے اور دوسری مخلوق بلوں سے باہر نکل کر گھومنے لگتی ہے۔ امکان ہے کہ وہ ان کے پاؤں تلے آ کر مر نہ جائے۔

فرمایا اگر کوئی مسجد قریب ہو لیکن پھر بھی آدمی فرض نماز وہاں جا کر ادا نہ کرے تو وہ مسجد اس سے نفرت کرے گی۔ بے نمازی وہ ہے جو سنت جماعت کو نہیں پہنچتا۔

بیت

پر ۾ پچي پرينءَ کي، پسجي پرڏيهه

جتي ساجن سپجي، ساهه کي سو ساڻيهه

ترجمہ: محبوب کے لیے اپنی عقل کو جلا کر دوسرے دیس نکل جا جہاں ساجن ملے۔ تیری سانس کے لیے وہی وطن ہے۔

فرمایا جو آدمی پیر کی حاضری میں ہو لیکن بعد میں جانے کا خیال کرے تب پیر سے اجازت طلب نہ کرے لیکن اس طرح غائب ہو جائے کہ پیر کو پتہ بھی نہ چلے بلکہ دوسرے ایسے کہیں کہ فلاں شخص جو یہاں تھا پتہ نہیں کہاں چلا گیا۔ ۹۸

فرمایا کام ایسے شخص کو کہا جائے جو مکمل بات سننے سے پہلے اٹھے اور جا کر کام سے لگ جائے۔ دوستی ایسے شخص سے رکھی جائے جو روزانہ ایک سو گناہ بخش دے۔

فرمایا کہ پیروں کو سب کام کرنے چاہئیں، زمین میں ہل چلا کر آبادی بھی کریں اور خلقِ خدا سے تعلق بھی رکھیں۔

فرمایا خدا تعالیٰ کا فرمان ہے: ”ان تعدوا نعمة الله لاتحصوها.“ (سورۃ النحل: ۱۸:۱۶)

یعنی اگر تم خدا کی نعمتیں شمار کرنے لگو گے تو گن نہ سکو گے۔

فرمایا کہ پیش امام کو التحیات کے بعد زیادہ دعائیں نہیں پڑھنی چاہئیں کیونکہ اس وقت جو نمازی دعائیں نہیں جانتے وہ خاموش رہتے ہیں اور نماز میں خاموشی حرام ہے۔ تکبیر کے وقت سر سیدھا ہونا چاہیے یعنی نیچے اور جھکا ہوا نہ ہو کیونکہ قیام درست نہیں ہوگا۔

فرمایا جب کوئی شخص کسی بزرگ یا ولی کی بتائی ہوئی بات سنے تو سننے والے کو یہ سمجھنا چاہیے کہ گویا وہ اس بزرگ سے خود سن رہا ہے جس کا وہ قول ہے۔ اس وقت کوئی بھی چیز ہاتھ میں نہیں رکھی جائے گی۔ زمین سے کوئی تنکا بھی نہ اٹھائے کیونکہ اگر ایسا کرے گا تو کوئی بھی فائدہ نہ ہوگا۔ ۹۹

فرمایا کہ رکوع اور سجدے میں کم سے کم پانچ مرتبہ تسبیح پڑھنی چاہیے، مزید کہا کہ اللہ کہنا فرض ہے اور اکبر کہنا واجب ہے۔

فرمایا فرمانِ خداوندی ہے کہ:

"لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون." (سورۃ آل عمران:۳-۹۲)

یعنی آپ نیکی کو ہرگز نہ پہنچ پاؤ گے جب تک تم اپنی پسند کی چیزیں خدا کی راہ میں خرچ کرو اور ایسی چیزوں کو چھوڑ دو جو دوستی کی راہ میں رکاوٹ ہوں۔

بیت

هرچه داري، صرف کن در راه او
لن تنالوا البر حتيٰ تنفقوا

حضرت جی اس آیت میں لفظ بر سے مراد یہ لیتے تھے کہ تم اللہ کی ذات کو ہرگز نہ پہنچ پاؤ گے جب تک کہ اپنے پسندیدہ مال سے خرچ نہیں کرو گے۔

فرمایا کہ فرمانِ خداوندی ہے کہ "کل حزب بما لدیهم فرحون"(سورۃ الروم:۳۰-۳۲)

یعنی ہر گروہ اپنی راہ پر خوش ہے۔

جس طرح کوئی بھینس جب اپنے گروہ سے الگ ہو کر دور چلی جاتی ہے تو تب تک اسے آرام نہیں آتا جب تک واپس آ کر ان سے دوبارہ نہ مل جائے۔

فرمایا کہ پیغمبرِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے: **"الدنیا جیفة وطالبها کلاب"**

یعنی، یہ دنیا مردار گند کا ڈھیر ہے اور اس کے طالب کتے ہیں۔

یہاں 'جیفہ' گند ہے اور اس کے طالب کتے ہیں۔

فقیر کو چاہیے کہ نیم بسمل یعنی نیم ذبح پرندے کی طرح ہو۔ نہ مردہ نہ زندہ۔ خدا تعالیٰ کو ایسے فقیر زیادہ پسند ہیں۔

فرمایا کہ جب کوئی خدا سے چیز مانگے تو اس کی شناخت طلب نہ کرے کیونکہ جس طرح وہ اس چیز کو پہچانتا ہے اس طرح کوئی نہیں پہچانتا۔ اسے چاہیے کہ اپنے نفس کو پہچاننے کی کوشش کرے تاکہ اس چیز کی شناخت حاصل ہو جو اسے پہچاننی چاہیے۔

بیت

سڏ نه سلامي ٿئا وهي نه وريا جي
هاڻي تني کي، ناهي ماڳ ملير ۾

ترجمہ: جو پکارنے کے بعد بھی صحیح راستے پر نہ آئے اور موسم پر نہ لوٹے ان کے لیے اب ملیر میں کوئی

جگہ یا ٹھکانہ نہیں۔۱۰۰

منقول ہے کہ ایک سودائی فقیر ایک دن آ کر حضرت جی کے گاؤں سے گزرا اور اس نے حضرت کو پیغام بھیجا کہ مہربانی کر کے ایک لوٹا بھیجو۔ حضرت نے ان کو اپنا کوزہ بھیجا۔ اس نے وہ کوزہ واپس کر دیا اور کہا کہ یہ استعمال کیا ہوا ہے نیا بھیجو۔ حضرت نے نیا کوزہ لے کر اپنے خادم کے ہاتھوں بھیجا اور م دیا کہ فقیر کو کہنا اے وسوسے والے! فقط کوزوں کو نہ پوجا کر! بلکہ جا کر کسی مردِ خدا کی خدمت کر۔

بیت

پاڻيءَ اُتي جهوپڙا، مورک اُج مرن
دانهون کن مٺن جيئن، دم نہ سجاڻن

ترجمہ: پانی پر ان کے جھونپڑے ہیں تب بھی وہ مورکھ انسان پیاس سے مر رہے ہیں۔ ہارے ہوئے لوگوں کی طرح چلا رہے ہیں اور وقت کو نہیں پہچانتے۔

فرمایا پیغمبرِ خدا کا فرمان ہے: ''المومن مراۃ المومن'' مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے۔'' مطلب یہ ہے کہ جب ایک مومن دوسرے میں کوئی برائی دیکھے تو اس سے کنارہ کرے اور کوئی اچھی عادت اس میں دیکھے تو اسے اختیار کرے۔

فرمایا کہ ہمارے تعلق والوں سے جب کسی شخص کا کوئی کام یا مراد پوری نہ ہو تو ایسے وقت میں حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ کو یاد کرے تو وہ کام یا مراد حاصل ہوگی،۱۰۱ کیونکہ حضرت غوث پاک ہمارے دوستوں کے خیر خواہ ہیں اور تکلیف یا برے وقت کے دوران اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

فرمایا کہ دنیا چار دن اور چار راتیں ہیں۔ پہلا دن اور رات یہ ہے جو گزر رہے ہیں دوسری رات اور دن یہ جہاں ہے۔ تیسری رات وہ ہے جب سانس اندر جاتی ہے اور ماسوا اللہ نفی اختیار کرتی ہے لیکن جب باہر نکلتی ہے تو اس کا دن ہے۔ چوتھی رات وہ جب خود میں فنا اور چوتھا دن وہ ہے جب باقی باللہ ہو۔

فرمایا سبحان اللہ کا مطلب ہے کہ تمام پاکیزگی اس خدا کے لیے ہے جو پاکیزگی کے لائق ہے جو پاکیزگی بخشنے والا ہے بلکہ جو پاکیزگی ہم اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اس سے بھی پاک ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

فصلِ دوم

وِردووظائف اور نفل نمازیں

فرمایا کہ میں نے کئی ورد وظائف کے بارے میں سنا اور پھر جب ان پر عمل کر کے دیکھا تو میرے کئی مقاصد پورے ہوئے۔ کہنے لگے کہ فقیر کو چاہیے کہ ہر نماز کے بعد تھوڑا سا ورد کرے۔ ورد کے سوا نماز، یوں ہے جیسے چکناہٹ کے بغیر طعام۔

کوئی بھی آدمی اگر بے فکر ہو کر فقط ایک مرتبہ اللہ کا نام لے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک ہزار برسوں کی عبادت کا اجر دیتا ہے اور اگر دل سے کہے تو تین کروڑ برسوں کا اجر ہے۔

کہنے لگے کہ رات اور دن میں چوبیس گھڑیاں ہیں، ہر گھڑی میں ایک ہزار دم اٹھائے جاتے ہیں اس لیے خدا کی یاد کے سوا جس نے ایک دم بھی لیا اس نے گویا اپنا بڑا نقصان کیا۔ اگر کوئی شخص صبح اور مغرب کی نماز کے بعد ہر دم کے ساتھ ایک سو مرتبہ 'لاالہ الااللہ' کہے تو گویا اس کے دن رات کے سارے دم حق تعالیٰ کی یاد میں بسر ہوئے۔

جو نمازی بعد از فرض نماز اپنے دونوں ہاتھ سجدے والی جگہ رکھ کر اوپر اٹھا کر اپنے منہ پر گھمائے اور تین مرتبہ کلمہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو نہیں لوٹائے گا۔ جو فرض نماز کے بعد چار مرتبہ 'لاحول ولا قوۃ الا باللہ' انگلیوں پر پڑھ کر بند کرے اور پانچویں مرتبہ پانچویں انگلی پر پڑھے اور درود پڑھ کر ہاتھ منہ پر پھیرے اور کہے 'من الازل الی الابد' اور اپنی انگلیوں سے منہ پر ایک دائرہ بنائے اور مکمل گھمائے تو ایسے شخص کو خدا تعالیٰ اس دنیا میں ضرور دیدار کرائے گا ورنہ مرنے کے وقت دیدارِ الٰہی ضرور نصیب ہوگا۔

فرمایا جب بھی گھر میں داخل ہوں تو ہر مرتبہ 'قل یاایھا الکافرون' پڑھو تا کہ اس گھر میں برکت ہو۔

فرمایا میں جس شہر یا گاؤں میں جاتا ہوں تو یہ سورۃ پڑھتا ہوں تا کہ وہ برکت سے خالی نہ رہیں۔ ۱۰۳

مزید فرمایا فقیر کو چاہیے کہ کھانا کھاتے وقت ہر نوالے پر 'بسم اللہ' کہے اور جب اسے چبائے تو 'یاقیوم یا قیوم' کہے اور جب کھا جائے تو الحمد للہ کہے پھر اگر وہ شخص کہے کہ میں نے طعام نہیں کھایا بلکہ خدا کا نور حاصل کیا ہے تو وہ صحیح کہتا ہے۔

فرمایا کہ اگر چار بندے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں تو ان کے ساتھ پانچواں ہاتھ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہوتا ہے لیکن اگر دس آدمی ایک ساتھ بیٹھ کر کھائیں گے تو گویا گیارھواں ہاتھ خداوندِ تعالیٰ کا ہوگا۔

فرمایا کہ جو اذان کے بعد اپنے ہاتھ منہ پر نہیں پھیرتا قیامت کے دن اس کے ہاتھ توڑ دیئے جائیں گے۔

فرمایا جو چھینک آنے کے بعد تین مرتبہ الحمد اور تین مرتبہ 'اذا جاء' سورہ پڑھتا ہے خدا تعالیٰ اسے تب تک نہیں مارے گا جب تک اسے اپنی معرفت نصیب نہیں کراتا۔

فرمایا جو سورج غروب ہونے کے بعد اور سورج طلوع ہونے سے پہلے سجدے میں پچیس مرتبہ یہ دعا پڑھے گا:

"اللھم اغفرلی ولوالدی والمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات برحمتک یا ارحم الراحمین"

اسے خدا تعالیٰ محتاجی سے دور رکھے گا اور اسے اپنی معرفت نصیب کرے گا۔ کہتے ہیں کہ حضرت 'اللھم اغفرلی لامة محمد علیه الصلاة والسلام' پڑھتے تھے۔

فرمایا کہ اگر اذان دینے اور پہلی صف میں ٹھہرنے کے ثواب کا لوگوں کو علم ہو تو شاید باہم جنگ شروع کردیں۔ فرمایا کہ شہر یا جنگل میں اذان بہ آوازِ بلند دی جائے تاکہ درخت اور پرندے سب سنیں اور موذن کے موجود ہونے کی گواہی دیں۔ ۱۰۴

فرمایا کہ جب مومن وضو کرتا ہے تو فرشتے نور کے طبق بھر کر اس کے اوپر کھڑے ہوتے ہیں اور اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ جب وہ اپنا سر برہنہ کرکے مسح کرے گا تو وہ نور کے طبق اس پر نچھاور کریں گے، لیکن ایسا نہ کرسکے تو واپس لوٹ جائیں گے۔

فرمایا کہ اگر کوئی آدمی سونے کے وقت اپنا دایاں ہاتھ دل پر رکھ کر ایک سو مرتبہ 'یا حی' پڑھے اور پھر نیند کرے تو خدا تعالیٰ اس کے دل کو اپنی یادگیری سے ہرگز غافل نہیں کرے گا۔

فرمایا کہ گھوڑے وغیرہ پر سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

"الحمدللہ الذی سخرلنا ھٰذا وماکنا له مقرنین" (سورۃ الزخرف:۴۳۔۱۳)

یعنی سب تعریفیں اللہ پاک کی جس نے مطیع کیا ہمارے لیے (جانوروں کو) اور ہمیں کوئی بھی طاقت نہیں تھی۔

فرمایا کہ سوتے وقت یہ دعا پڑھے 'وقل رب انزلنی مبارک وانت خیر المنزلین'۔

اور نیند سے بیداری کے وقت یہ دعا پڑھے۔ 'الحمدللہ الذی احیانی بعد ما اماتی والیه

النشور'۔

فرمایا کہ بڑی مشکل یا کوئی کام جو ایسے نہ ہو سکے تو یہ دعا پڑھے:

"اللھم انی اسئلک مالا استحق واعوذبک من استحق"

یعنی اے اللہ وہ چیز مانگتا ہوں جس کا استحقاق نہیں اور تیری پناہ چاہتا ہوں جس کا میں مستحق نہیں ہوں۔

فرمایا کہ روٹی کھانے کے وقت دونوں ہاتھ دھونے چاہئیں۔ کھانے کے لیے ایک ہاتھ کافی ہے لیکن روٹی کو ایک ہاتھ سے توڑنا مکروہ ہے۔

فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی اور کی زمین سے گزرے اور وہاں سے کوئی پھول توڑے اور بعد میں اسے زمین پر پھینک دے اور اس سے مالک کو نقصان ہو تو اس صورت میں نقصان کرنے والے کی سب نیکیاں اس زمین کے مالک کے نام لکھی جائیں گے۔

فرمایا کہ اگر کوئی آدمی سوتے وقت نیچے دیئے گئے الفاظ والی دعا مانگے تو اس کے ایسے کبیرہ گناہ جو کسی سبب اس سے پہلے نہ بخشے گئے ہوں گے وہ بھی بخش دیئے جائیں گے۔

"سبحان المقدر لما یشاءَ بقدرته وفعال لما یرید بعزته برحمک یاارحم الراحمین."

فرمایا کہ انبیا اور اولیا کا یہ معمول ہوتا تھا کہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد خاموشی اختیار کرتے تھے اور دنیا کی گفتگو نہ کرتے تھے۔ اس طرح عشا کی نماز اور اس کے بعد صبح صادق کے وقت اٹھ کر اشراق تک چپ رہتے تھے اور کچھ بھی نہ کہتے تھے۔ فرمایا جو آدمی بھی یہ معمولات رکھے گا تو خدا تعالیٰ اسے اس دنیا میں شیطان کے پھندے سے پناہ میں رکھے گا کیونکہ یہ وہی وقت ہوتا ہے جب شیطان اپنا جال پھیلاتا ہے کہ کوئی اس میں قابو ہو اس لیے جو یہ معمول اختیار کرے گا، تو وہ آخرت میں انبیاء اور اولیا کے ساتھ ہوگا۔

فرمایا کہ جو آدمی ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمدللہ اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر کا ورد کرتا ہے تو اس شخص کے لیے نبی اور ولی کے برابر عبادت لکھی جاتی ہے اور اسے "وردِ اکبر" کہتے ہیں۔

فرمایا اگر کسی طالب کے ہاتھوں کوئی گناہ سرزد ہو تو پھر اس پر غم اور افسوس کرنا بے سود ہے اور نہ ہی خدا سے ناامید ہو بلکہ "یا غافر یا غفار یا غفور" کے ورد میں مشغول ہو جائے تا کہ ان کی بخشش ہو جائے۔

فرمایا کہ دورانِ وضو اور پاؤں دھوتے وقت یا قادر یا قادر کا ورد کرے، ہر روز صبح کی نماز کے بعد دس مرتبہ کلمہ 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کا ورد کرے۔ ۱۰۶ کہنے لگے کہ ظہر کی نماز کے وقت بیس مرتبہ عصر

کی نماز کے وقت تیس مرتبہ مغرب کے وقت چالیس مرتبہ اور عشا کے وقت پچاس مرتبہ اور وتر پڑھنے کے بعد ساٹھ مرتبہ پڑھنا افضل ہے بلکہ یہ ورد سب سے بہتر ہے۔

فرمایا کہ جو دریا سے نہا کر نکلتا ہے وہ گناہوں سے ایسے پاک صاف ہوتا ہے جیسے آسمان سے برسا ہوا بارش کا قطرہ ہو۔ جو جمعے کے دن غسل کرتا ہے تو دوسرے جمعے تک خدا تعالیٰ اس کے گناہ صاف کر دیتا ہے۔

فرمایا کہ مسجد میں بیٹھ کر تنکا ہاتھ میں نہیں اٹھانا چاہیے کیونکہ وہ شیطان کی تسبیح ہے۔

فرمایا جب کسی قبر پر ٹھہر کر نیت کر کے یہ الفاظ پڑھے جائیں تو میّت کی روح کو ایک لاکھ ختم کا ثواب ملے گا۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔

حسبی اللہ شھد اللہ سمع اللہ سبحان اللہ، ماشاءَ اللہ تبارک اللہ، قل هو اللہ لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ.

فرمایا کہ جو شخص ہاتھ اوپر اٹھا کر تین مرتبہ اول وآخر صلوٰۃ پڑھے اور دو صلوٰۃ کے بیچ میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھے اور پانچ مرتبہ 'ربنا' اور پانچ مرتبہ 'یارب' کہہ کر جو چیز مانگے تو خدا تعالیٰ اسے وہ عطا کرے گا اور اس کے ہاتھ کبھی خالی نہیں لوٹیں گے۔ دعا کے وقت ہاتھ سینے کے برابر یا اس سے اوپر اٹھانے ہوں گے۔ فرمانے لگے کہ اگر کسی نے کسی شخص کے جوتے سیدھے کر کے رکھے تو خدا تعالیٰ اس کے دل کو بھی سیدھا رکھے گا۔

فرمایا کہ جب کوئی آدمی فقط خدا کے واسطے کسی اور کے کام کے لیے نکلتا ہے تو خدا تعالیٰ زمین پر دو فرشتے بھیجتا ہے ایک کے ہاتھ میں نور کے دو طبق اور دوسرے کے دونوں ہاتھوں میں خاک بھری ہوئی ہوتی ہے۔ اگر وہ شخص کسی کے پاس کام کے لیے جاتا ہے اور وہ کام کرتا ہے تو وہ فرشتہ جس کے ہاتھ میں نور کے دو طبق ہیں ایک طبق اس کام کرنے والے آدمی پر اور دوسرا اس شخص پر جو خدا واسطے چل کر آیا اس پر نچھاور کرتا ہے لیکن اگر وہ آدمی کام نہیں کرتا اور آئے ہوئے کو ناامید لوٹاتا ہے تو ایسے شخص پر دوسرا فرشتہ دونوں ہاتھوں سے خاک پھینکتا ہے۔ ۱۰۷

فرمایا کہ اگر کوئی آدمی سردی میں ٹھنڈک کی وجہ سے گرم پانی سے وضو کرتا ہے تو اس کے آدھے گناہ معاف ہوتے ہیں لیکن اگر ٹھنڈے پانی سے وضو کرے تو اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی سے اپنے لیے دعا کرائے تو اس کو چاہیے کہ دس مرتبہ آمین کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب مقاصد پورے کرے گا۔

فرمایا کہ جو آدمی سونے کے وقت کلمہ یعنی ''لاالٰہ الااللہ محمدالرسول اللہ'' پڑھے اور بیدار ہونے کے وقت بھی پڑھے تو اس نے جو وقت غفلت یا نیند میں گزارا تو فرشتے اس کا وہ سارا وقت عبادت میں شمار کریں گے۔ کہنے لگے کہ سر منڈوانا، سیاہ چادر پہننا اور بیابان اور ریت میں پیشاب کرنے کا مزہ ہی اور ہے لیکن یہ تینوں باتیں عام لوگوں کو نہ سنائے سوائے دوستوں کے!

فرمایا کہ عشا کی نماز سے پہلے اگر کسی آدم نے آدھی کھجور کے برابر کھایا تو اس سے حساب لیا جائے گا لیکن اگر نماز کے بعد طبق طعام کھائے گا تب بھی باز پرس نہیں ہوگی۔۱۰۸

کہنے لگے کہ پاک جگہ نماز پڑھنے میں تنکوں والی جگہ یا مصلّے پر نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب ہے۔

فرمایا کہ وضو کے وقت کوزے کے منہ کو دھونا ایسا ہے جیسے کوئی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرۂ انور دُھلا رہا ہو۔ جو آدمی مرشد کی زیارت کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو ہر قدم ۱۰۹ پر اُس کے ایک لاکھ گناہ معاف ہوتے ہیں۔

فرمایا کہ جب قضا حاجت کے لیے بیٹھو تو پہلے دائیں پاؤں پر زور دو اور اس کے بعد بائیں پر تا کہ تکلیف نہ ہو۔ فراغت کے وقت وسوسے میں نہ پڑو۔ کہنے لگے کہ جب کوئی اپنے مسلمان بھائی سے تعظیم سے پیش آتا ہے اور نرمی کے ساتھ چلتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے جرم بخش دے گا لیکن اگر اس کی تکریم کی خاطر اٹھتا ہے تو اللہ اس کے ماں باپ کے جرم بھی بخش دے گا۔

کہنے لگے کہ فضیلت اور ثواب اس کو حاصل ہوگا جو کسی مسلمان بھائی کے کام سے کسی کے پاس چل کر جاتا ہے اور نہ اسے جو وہ کام کرتا ہے۔

فرمایا کہ اگر صبح سے شام تک ورد پڑھتے رہو تو اصل میں صبح والے درد بھی ختم نہیں ہوں گے اس طرح شام سے صبح تک شام والے ورد و ظائف پڑھو تو وہ بھی ختم ہونے والے نہیں ہیں اس لیے اگر کوئی آدمی صبح اور شام کی نماز کے بعد یہ آیت پڑھتا ہے تو گویا اس نے صبح اور شام والے تمام وظائف پورے کیے وہ آیت یہ ہے۔ فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموات والارض وعشیا وحین تظھرون یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ویحی الارض بعد موتھا وکذالک تخرجون. (سورۃ الروم ۳۰: ۱۷تا۱۹)

فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد یہ کلمہ گیارہ مرتبہ پڑھے گا تو اسے ہمیشہ ایمان کی سلامتی ۱۱۰ نصیب رہے گی،

اشھدان لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک واشھدان محمدا عبدہ ورسولہ وحبیبہ وقریبہ وشفیعہ وشفاعتہ امامتہ وامام المؤمنین وامام المتقین وشفیع المذنبین ورحمتہ اللعالمین وخاتم النبین وحبیب رب العالمین۔

فرمایا پیغمبر آخرالزمان علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد یہ استغفار پڑھے گا اس نے دنیا میں گویا میری طرح نماز پڑھی۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب اذنبۃ عمداً او خطأً او سرا او علانیہ واتوب الیہ من ذنب الذی لااعلم وانت علام الغیوب ولاحول ولاقوۃ باللہ العلی العظیم۔

فرمایا نفل نمازوں میں تسبیحِ نماز اس طرح ہے جیسے ستاروں میں چاند، فرشتوں میں جبرائیل اور انبیاء میں آنحضرت محمد علیہ الصلواۃ والسلام۔

فرمایا اگر کوئی شخص وضو کر کے دو رکعت نفل تحیۃ الوضو ادا کرے پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور قل یاایھا کافرون دس مرتبہ پڑھے اور دوسری رکعت میں الحمد کے بعد دس مرتبہ قل ھو اللہ پڑھے اور فارغ ہو کر لفظ یا لطیف ایک سو مرتبہ پڑھے اور سجدے میں جا کر دس مرتبہ یہ الفاظ پڑھے، سبحان اللہ والحمدللہ ولاالہ الااللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم. اس کے بعد دس مرتبہ صلواۃ اور درود پڑھے اور دس مرتبہ ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار. پڑھے اور اس کے بعد سجدے سے گردن اٹھائے ۱۱۱ تو رب تعالیٰ اس دنیا میں اس کے تمام مقاصد کی تکمیل کرے گا اس کے سوا آخرت میں جو ملے گا وہ حساب سے باہر ہے اور اسے خضر علیہ السلام کی نماز کہتے ہیں۔ ۱۱۲ کہا کہ جب کسی آدمی کے لیے تہجد نماز پڑھنی مشکل ہو جائے یا سستی کی وجہ سے نہ پڑھ سکتا ہو تو سنّتِ عشا کے بعد چار رکعت نمازِ حاجات نفل ادا کرے جس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد پچیس مرتبہ قل ھو اللہ پڑھے۔ اس نفل نماز سے اس کا تہجد ادا ہو جائے گا اور قبولیت پائے گا۔ فرمایا کہ جو بعد از ظہر نماز چار رکعت نفل پڑھتا ہے اور سورہ فاتحہ کے ساتھ جو بھی یاد ہو وہ پڑھے تو اتنا ثواب ہوگا کہ لکھنے میں نہیں لایا جا سکتا۔

کہا کہ باجماعت نماز میں ٹھہرنے کے وقت اتنے قریب ہو کر ٹھہرو کہ کاندھے ایک دوسرے سے رگڑ کھانے لگیں کیونکہ کہتے ہیں کہ رسالت پناہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ایک دوسرے کے اتنے قریب ٹھہرتے تھے کہ آپ کے کپڑے پھٹ جاتے تھے۔ آپ نے کہا کہ جو ہفتے کی رات بعد از نماز عشا ہمیشہ صلوٰۃ الغنا اس ترتیب سے پڑھے کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد آیت الکرسی ایک مرتبہ اور سورۃ

انا اعطینا سات مرتبہ اور قل ھو اللہ[112] گیارہ مرتبہ پڑھے تو رب تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں غنی کردے گا اور وہ کسی کا محتاج نہیں رہے گا۔

فرمایا کہ اشراق کی نماز میں پانچ نفل ہیں۔ اگر فقط دو نوافل بھی اس طریقے سے پڑھے گا تو اسے پانچوں ہی کا ثواب ملے گا۔ پہلا نفل دو رکعت شکرانہ ہے جس کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ آیت الکرسی خالدون تک پڑھے (سورۃ البقرہ ۲: ۲۵۵ تا ۲۵۷) اور دوسری رکعت میں ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا سے قدرا (سورۃ الطلاق ۶۵: ۲ تا ۳) تک پڑھے۔ دوسرا نفل شکر النہار کا ہے جس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ سورہ اخلاص ملا کر پڑھی جائے۔ کہا کہ سنت مؤکدہ کی دو رکعتوں سے پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے متعلق روایت ہے کہ آپ نے قسم کھا کر بات کی کہ میں نے خود رسولِ خدا سے یہ ترتیب اس طرح سنی ہے۔

فرمایا کہ جو مومن کا جھوٹا کھائے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل سے چالیس دنوں کی جمی ہوئی کالک کو ختم کرے گا۔

کہا کہ جو آدمی بہتے ہوئے پانی سے وضو کر کے نفل ادا کرے گا اس کو ستر رکعت کا ثواب ملے گا لیکن اگر عام پانی سے وضو کرے گا تو وہی دو رکعت کا ثواب پائے گا۔[113]

باب دوم

سوال و جواب

وہ سوال و جواب جو حضرت عارفِ حقائقِ ربانی، سندھ ہند کے بزرگان کے شرف و شان، ذاتِ صمد کے پسندیدہ یعنی حضرت سید عبدالکریم سندھی رحمتہ اللہ علیہ نے فقرا اور دوسرے بھائیوں کے لیے ارشاد فرمائے۔

پوچھا گیا کہ نماز کے بعد کون سا وظیفہ پڑھنا چاہیے؟ فرمانے لگے کہ اللہ کا نام لینا چاہیے۔ پھر پوچھا گیا کہ کس طرح پڑھنا چاہیے؟ کہنے لگے کہ دیگر تمام ورد ترک کر و فقط ایک ورد میں مشغول ہو جاؤ۔ پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے۔ جواب دیا کہ اسم 'اللہ' کا۔ پوچھا گیا کہ فقیر کو کس طرح ہونا چاہیے؟ جواب دیا کہ اس بلی کی طرح جو ہر وقت شکار کی خاطر تاک میں رہتی ہے۔ پوچھا گیا کہ فقیر کس طرح خدا کو یاد کرے؟ کہا ایک حجرہ بنائے جہاں چھوٹی جگہ ہو اس میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرے لیکن وہ جگہ ایسی اندھیرے والی اور تنگ ہو جو اس میں اپنا مسواک بھی نہ ڈھونڈ سکے اور نہ کسی اور کی آواز سن سکے بلکہ مکھی کی آواز بھی نہ سن سکے۔ پوچھا گیا کہ طالب خدا کو کس لیے یاد کرے۔ جواب دیا کہ کشف و کرامت کے واسطے نہ ہی غوثی اور شیخی کے لیے بلکہ خدا کو خدا کے لیے یاد کیا جائے تا کہ خدا تعالیٰ بھی اسے یاد کرے۔ جیسے ارشاد ہے 'فاذکرونی اذکرکم.' پوچھا گیا کہ ذکر کس طرح کیا جائے؟ فرمایا کہ ذکر و فکر کے ساتھ کیا جائے۔ پوچھا گیا کہ فکر کیا ہے؟ کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ کو سمیع اور بصیر جانے پوچھا گیا کہ ذکر کا کون سا طریقہ اچھا ہے۔ فرمایا کہ کچھ بزرگ لا الہ الا اللہ کو نفی اور اثبات کے ساتھ اچھا سمجھتے ہیں ۱۵ لیکن کچھ فقط اللہ کا اسم لیتے ہیں اور اس میں دونوں نفی اور اثبات سمجھتے ہیں۔ شیخ شبلی رحمتہ اللہ علیہ اس کو ہی بہترین اور افضل ترین ذکر کہتے ہیں یعنی بندہ جب سانس اندر لے تو اللہ کا نام لے لیکن جب باہر نکالے تو 'ہو' کہے اور یہی طریقہ بہتر ہے۔ وہ طالب کے لیے لا الہ الا اللہ سے اس لیے زیادہ صحیح ہے کہ ممکن ہے لا الہ کہنے کے وقت دم پرواز کر جائے اور وہ نفی میں رہ جائے اور الا اللہ کہنے یعنی اثبات میں نہ پہنچ سکے اس لیے فقط اللہ اللہ کہنا چاہیے کیونکہ اس میں نفی اور اثبات دونوں ہیں۔ شیخ شبلی کا کہنا ہے کہ یہاں الف سے مراد حق کا اثبات ہے اور لام غیر کی نفی ہے اور اس کا مطلب ہے جو کچھ بھی ہے وہ اس میں موجود ہے اور جو

الف اور 'ہ' کے درمیان ہے وہ سب فانی اور نفی ہے۔

پوچھا گیا کہ سفر کرنا چاہیے یا نہیں؟ کہنے لگے کہ سفر اس کو کرنا چاہیے جو دل، زبان، آنکھوں، کانوں اور پاؤں تک خود کو مشغول رکھے۔ پوچھا گیا کہ کانوں اور ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کا کون سا ذکر ہے۔ جواب دیا کہ کانوں کا ذکر یہ ہے کہ جو سنے وہ حق تعالیٰ کے سوا اور کسی سے نہ سمجھے۔ آنکھوں کا ذکر یہ ہے کہ جو دیکھے اس کو غیر نہ سمجھے۔ اس طرح ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء کا ذکر ہے کہ ان اعضا کی ہر حرکت حق تعالیٰ سے سمجھے اور اس میں اپنے اعضا کا دخل نہ سمجھے۔ پوچھا گیا کہ خدا تعالیٰ کو جب توفیق ہو تو یاد کیا جائے یا بغیر توفیق۔ کہا کہ توفیق سے تو سب یاد کرتے ہیں لیکن مرد وہ ہے جو بغیر توفیق چاہتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے خدا کو یاد کرتا رہے۔[116]

پوچھا گیا کہ اس بیت کا مطلب کیا ہے۔

کارین کنین ۔ککڑین، کرھ ولاڑ وجن
ویلو کن نہ وچ تي، نکي اوڳار پجن

ترجمہ: کالے کانوں والے سرخ رنگ کے اونٹ تیز تر چل رہے ہیں۔ وہ درمیان میں کہیں بھی نہیں ٹھہرے اور نہ ہی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے جگالی کی۔

فرمایا اس کے دو معانی ہیں ایک تو اس سے مراد دن اور رات ہیں جو ایسے گزر رہے ہیں اور ہرگز نہیں ٹھہرتے۔ دوسرے زندگی کے سانس یا دم جو نہایت تیزی سے آپ کے ہاتھوں سے نکلتے جا رہے ہیں۔ پوچھا گیا کہ خدا تعالیٰ سے کون سی چیز مانگنی چاہیے۔ کہنے لگے کہ کچھ بھی نہیں۔ پھر پوچھا گیا کہ خدا تعالیٰ سے کون سی چیز مانگنی چاہیے۔ کہنے لگے کہ وہ سب کچھ اس میں شامل ہے۔ سوال کیا گیا کہ غلام کسے کہا جائے۔ جواب دیا کہ غلام وہ ہے جو صاحب کے حضور میں ہر وقت حاضر رہے۔ پوچھا گیا کہ بندہ کسے کہا جائے؟ جواب دیا کہ اس کو جسے مالک ایک یا دوسرے کسی کام کے لیے کہیں بھیجے گویا اپنے پاس نہ رکھے بلکہ کسی دوسری جگہ بھیجے۔ سوال کیا گیا کہ یقین کے معانی کیا ہیں؟ کہنے لگے کہ یقین کے تین معانی ہیں:

(۱) علم الیقین (۲) عین الیقین (۳) حق الیقین.

اس کی تشریح یہ ہے کہ جب کسی کو پتہ چلے کہ راستے میں دریا ہے تو وہ علم الیقین ہے لیکن جب دریا کے کنارے پہنچے اور اپنی آنکھوں سے دریا دیکھے تو وہ عین الیقین ہے لیکن جب اس میں مستغرق ہو تو اسے حق الیقین کہتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ مومن کسے کہتے ہیں؟ کہنے لگے کہ ایک تو یہ خدا کا نام ہے اور دوسرا بندہ

بھی مومن ہوتا ہے۔ خبر نہیں آپ کس مومن کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ ۱۷۷ پوچھا گیا کہ عرش کس طرح ہے؟ جواب دیا کہ وہ ہدیے یا تحفے کی طرح ہے۔ پوچھا گیا کہ درویش کسے کہا جاتا ہے؟ کہنے لگے کہ نہ کشف نہ کرامت نہ یقین نہ معرفت۔ سوال کیا گیا کہ مسلمان کون ہے اور مومن کون ہے؟ کہا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ پھر پوچھا گیا کہ ہاتھ اور زبان کے ذریعے تکلیف دینا تو ظاہر ہے اور سمجھ میں آتا ہے لیکن دل کے ذریعے بھی تکلیف دی جاتی ہے؟ فرمانے لگے کہ خدا تبارک وتعالیٰ نے جیسے ہاتھ اور زبان میں قدرت رکھی ہے اس طرح دل کو بھی وہ قوت عطا کی ہے اس لیے نہ فقط ہاتھ اور زبان پر نظر ہو بلکہ دل پر بھی نظر ہونی چاہیے۔ مومن وہ ہے جو ظاہر اور باطن میں کسی سے کبھی بھی رنجیدہ نہ ہو۔

پوچھا گیا کہ اگر عبادت میں ریا یعنی دکھاوا شامل ہو جائے تو عبادت چھوڑنی چاہیے یا نہیں؟ جواب دیا نہیں بلکہ یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ریا کس سبب سے ہوا ہے اور اس کا ازالہ کرنا چاہیے؟ پوچھا گیا کہ فقیر کے دل میں بے اختیار وسوسے آتے ہیں اُنھیں کس طرح دفع کیا جائے۔ کہنے لگے کہ وہ سبب معلوم کرنا چاہیے کہ وہ وسوسہ کس طرح اور کیوں ہوا ہے پھر اس پر عمل کیا جائے۔ بہرحال وہ خطرات بھی خدائی حکم کے مطابق آتے ہیں۔

پوچھا گیا کہ فقیر کو کس طرح ہونا چاہیے؟ جواب دیا کہ فقیر فقط سوال پوچھتے ہیں لیکن جب جواب ملتا ہے تو اس پر عمل نہیں کرتے اور پھر کہتے ہیں کہ ہمیں اس جواب کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

پوچھا گیا کہ فقیر کو کس طرح ہونا چاہیے؟ کہا کہ کشتی چلانے والے ملاح کی طرح جو اگر ایک ساعت غافل ہوا تو کشتی دوسرے راستے پر چلی جائے گی۔ پوچھا گیا کہ سماع میں کس طرح، کس حالت میں شرکت کی جائے؟ فرمایا کہ جب گھر سے باہر نکلے تو خدا کا ذکر نہ بھولے اور یہ نیت رکھے کہ ایسے لوگوں سے ملاقات ہوگی جو خدا سے واصل ہیں۔

اس طرح سماع سننے کے وقت اگر سماع کا ذوق غالب ہو تو اس میں حصہ لے ورنہ خدا پاک کے ذکر میں مشغول رہے۔ اسی طرح سے جو سماع کرتے ہیں اس سلسلے میں فکر کرے کہ کہنے والا کون ہے اور سننے والا کون ہے۔ اگر ایسا کر سکے تو پھر سماع کا ارادہ کرے۔ اگر گھر سے نکلنے کے وقت خدا کے ذکر کو گھر میں چھوڑ دیتا ہے اور سماع میں آ کر فقط لوگوں کو دیکھتا ہے تو وہ سماع سننا نہیں بلکہ وہ سب کچھ زیاں ہے۔

پوچھا گیا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ ماں باپ کے حقوق ادا کرنا اور ان کو راضی رکھنا فرضِ عین ہے لیکن اگر فقرا خدا کی طلب میں مشغول ہوتے ہیں تو والدین کو خوش نہیں رکھ سکتے یا اگر ماں باپ کے حقوق ادا کرتے

ہیں تو خدا کی طلب میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس صورت میں طالب کو کیا کرنا چاہیے۔ فرمانے لگے کہ ایسا طالب تعزیر کا مستحق ہے جو اپنے پیر سے سخن سنتا ہے لیکن دوسروں کی طرف بھی رجوع کرتا ہے۱۱۹ اور اپنے پیر کے قول یا سخن بھول جاتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص خود رمضان کی پہلی تاریخ کا چاند دیکھے اور پھر کتنے بھی لوگ اسے کیوں نہ کہیں کہ آج روزہ نہیں ہے تو اس کے لیے یہ بات وقعت نہیں رکھتی کیونکہ اس پر روزہ رکھنا فرض ہے۔ اس طرح جو خدا کی طلب میں سچے ہیں وہ اس دنیا سے کنارہ کشی کرتے ہیں لیکن جو دنیا کے طالب ہیں وہ خدائے عزوجل سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔

پوچھا گیا کہ کتنی مدت ہوئی ہے جو زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ ہر روز اسی طرح دیکھتے آرہے ہیں۔ کہا کہ یہ خدا کا جہان ہے، جسے دیکھتے ہو لیکن خدا کی راہ بالکل مختلف ہے۔ کہنے لگے کہ فقیر کو کبھی تو خدا کی یاد میں بہت خوش وخرم ہونا چاہیے اور کبھی سب چیزیں بھول کر ہر قسم کا فکر اور خیال چھوڑ دینا چاہیے۔

فرمایا کہ خدا تعالیٰ اس کو خوش رکھتا ہے جو سب چیزیں بھول جاتا ہے۔ پھر سمجھایا کہ جب تک ایک بادشاہ نے دوسرے بادشاہ کو نہیں دیکھا ہے تو اسے دیکھنے کی خاطر راستے کی تکالیف برداشت کرتا ہے لیکن جب مل لیتا ہے تو پھر ایک دم آرام میں آجاتا ہے۔

پوچھا گیا کہ نفس اور شیطان دونوں فقیر کے دشمن ہیں پھر کیا کیا جائے؟ جواب دیا کہ کسی کو بھی کم نہیں سمجھنا چاہیے۔ پھر پوچھا گیا کہ جنگی گھوڑے کی اتنی خدمت کس لیے کرتے ہیں اور اتنا گھاس کیوں کھلاتے ہیں۔ کہنے لگے کہ اصل میں اس کی جنگی خصلت کی خدمت کرتے ہیں۔

پوچھا گیا کہ سنا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جسے زیادہ شہرت دی ہے وہ محبت کی علامت ہے۔ جواب دیا کہ یہ علت ہے محبت نہیں ہے۔۱۲۰

پوچھا گیا کہ مجازی عشق فقیر کے لیے کیسا ہے؟

فرمایا کہ اس میں کوئی بھی بھلائی اور اچھائی نہیں سوائے اس کے کہ اس دوران اپنے عشق کی حفاظت کر سکے۔ پھر پوچھا گیا کہ مجاز کی حفاظت کس طرح کی جائے؟ کہا اس طرح کہ معشوق کو عاشق کے عشق کا پتہ ہی نہ ہو پائے۔

فرمایا کہ کوئی شخص مکہ شریف یا کسی اور جگہ جانے کے ارادے سے نکلتا ہے تو آخر کار وہاں جا کر پہنچتا ہے لیکن جو آدمی خدا کا ارادہ کر کے نکلتا ہے تو وہ کون سے راستے پر چلے۔ جواب دیا کہ کم کھانا، کم سونا، سادہ

لباس پہننا، اکیلے رہنا اور زیادہ ذکر کرنا یہ خدا کا راستہ ہے۔ کہ ہمیں تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، تو جواب دینے لگے کہ ایسا مت کہو بلکہ اس طریقے پر عمل کرو پھر اگر فائدہ نہ ہو تو شکایت کرنا۔

کہنے لگے کہ فقرا خدا تعالیٰ کے قرب اور مشاہدے کی طلب کرتے ہیں جواباً کہنے لگے کہ کافی اقسام کے مراقبے، مشاہدے اور قرب ہیں آپ کون سا چاہتے ہیں؟ شاید آپ ایسا مشاہدہ طلب کرتے ہیں جس میں کوئی نہ ہو جیسے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

'ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین' (سورۃ ال عمران ۳:۵۴)

ترجمہ: اُنھوں نے مکر کیا اور خدا نے خفیہ تدبیر فرمائی پھر خدا سب سے اچھی تجویز کرنے والا ہے۔

سوئي صلح سڄڻين، سوئي ڦوڙائون

وا+ خيرالماڪرين، ايهي ميڙائون ١٢١

ترجمہ: 'وہی محبوب کا ملاپ اور وہی فراق ہے۔ اللہ تعالیٰ بہترین تجویز کرنے والا ہے اور یہی ان کا وصال ہے۔

پوچھا گیا کہ اگر کوئی ذکر کے غلبے کی وجہ سے نماز اچھی طرح نہ پڑھ سکے تو وہ نماز کس طرح ہے، کہنے لگے کہ وہ درست ہے۔

کہنے لگے کہ مخدوم ساہڑ اپنے مریدوں سے کہتے تھے کہ جب سانس اندر لو تو اللہ کا پورا نام لو اور جب سانس باہر نکالو تب بھی مکمل نام لو پوچھا اس کا کیا مطلب ہے؟ کہنے لگے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر سانس کا جداگانہ ثواب ہے۔

پوچھا گیا کہ مخدوم بلال ٹلٹی والے اپنے مریدوں سے کہتے تھے کہ جب سانس اندر لو تو 'ہو' کہو لیکن جب باہر نکالو تو 'الا' کہو۔ پوچھا گیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ جواب دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ 'نفی' کو باہر نکالو اور اثبات کو اندر لے جاؤ تا کہ دل کو قرار آئے۔

پوچھا گیا کہ آپ کے ذکر کی ترتیب کا کیا مقصد ہے جب آپ کہتے ہیں کہ سانس اندر لیتے وقت 'ھو' کہو اور باہر نکالتے وقت 'اِلاّ'۔ جواب دیا کہ سب انبیاء اور بزرگ اس لیے اکثر روتے تھے کہ جب آخری سانس پورا ہو تو اس کا خاتمہ اثبات پر ہو یعنی 'ھو' کہنے پر روح قبض ہو۔

پوچھا گیا کہ کوئی آدمی دل سے خوب ذکر کرتا ہے لیکن جب کسی اور آدمی سے گفتگو کرتا ہے یا کسی اور کام میں مشغول ہوتا ہے تو ذکر بھول بیٹھتا ہے لیکن جب خبردار ہوتا ہے تو پھر سے ذکر شروع کر دیتا ہے۔ اس

کے بارے میں کیا کہنا ہے۔۱۲۲

کہنے لگے کہ کچھ ذکر کرنے والے دائمی ہیں اور کچھ وہمی یعنی وہم کرنے والے اور ان کا ذکر اس قسم کا ہوتا ہے۔

پوچھا گیا کہ 'لا الہ الا اللہ' کے کیا معانی ہیں۔ جواب دینے لگے کہ اس کے معانی اس کو سمجھ آئیں گے جو خرید کرنے والے، بیچنے والے اور خرید ہونے والی چیز ان تینوں کو ایک جانے۔

پوچھا گیا کہ کیا عشق ومحبت دونوں ایک چیز ہیں؟ کہا کہ نہیں۔ پھر پوچھا گیا دونوں میں کیا فرق ہے۔ جواب دیا کہ عشق کی مثال ایسی جلنے والی آگ ہے جس میں اگر کوئی بھی چیز گرے تو جل کر خاک ہو جائے لیکن محبت کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے کوئی آدمی تنکے اور گوبر وغیرہ جمع کر کے اسے چنگاری دکھائے تا کہ آہستہ آہستہ دھواں نکلے اور دوسرے سمجھیں کہ ان تنکوں کی آگ میں کونسی گرمی ہو گی لیکن جب نزدیک جا کر اُنھیں اوپر نیچے کرے گا تو اندر سے جلتی ہوئی آگ کا شعلہ دیکھے گا۔

پوچھا گیا کہ عاشق اور عارف دونوں میں سے کس کا درجہ اونچا ہے؟ جواب دیا کہ عاشق کا درجہ عارف سے بلند ہے۔

کہنے لگے کہ کیا سبب ہے کہ شیخ بیٹھے پر بہت لوگ آتے ہیں؟ جواب دیا کہ شیخ پٹھ خود نہ ہوگا، وہ ذات ہوگی۔

پوچھا گیا کہ کوئی آدمی کسی اور کو ہمیشہ یاد کرتا ہے وہ کیسے ہے۔ جواب دیا کہ وہ آدمی اس سے ہمیشہ وابستہ ہے یعنی اس کے حضور میں ہے۔

پوچھا گیا کہ فقیر کا معنیٰ کیا ہے؟ فرمایا کہ فقیر میں چار حروف ہیں ف سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ فکر میں غرق ہے۔ 'قاف' سے مراد یہ ہے کہ وہ کبھی بھی قرار میں نہیں ہے۔ 'ی' کا مطلب ہے کہ وہ خدا سے یاری کا خواہشمند ہے اور کسی دوسرے سے مشغول نہیں ہوتا۔ 'ر' سے مراد ریاضت ہے۔ جس سے وہ خود کو عادی کرتا ہے۔

پوچھا گیا کہ ہمارا دل کہتا ہے کہ فقرا کی راہ اختیار کریں لیکن اتنی توفیق نہیں ہوتی البتہ فقرا سے دوستی رکھتے ہیں۔ کہنے لگے کہ فقرا کی دوستی بھی اچھی بات ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود خدا سے دعا مانگی ہے کہ مجھے ان کی دوستی حاصل ہو جو تیرے دوست ہیں۔

پوچھا گیا کہ کچھ خدا کے طالب جنگل میں جا کر خدا کو یاد کرتے ہیں لیکن نماز کے وقت ان کے دل میں خیال آتا ہے کہ غلط کام کیا ہے جو سنت جماعت کو چھوڑ کر آئے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ کیا کریں؟ جواب دیا

کہ فوراً اذان دے کر تکبیر کہے اور نماز میں لگ جائے تو کئی فرشتے آ کر اس کے پیچھے کھڑے ہو جائیں گے۔ کئی ایسے بزرگ ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے اہل وعیال چھوڑ کر جنگل جا کے بسائے لیکن سنت جماعت چھوٹ جانے کی وجہ سے وہیں پر اذان دیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے حتیٰ کہ وہ وفات بھی وہیں پاتے تھے۔

پوچھا گیا کہ طالب کبھی بھوک میں ہے اور کبھی شکم سیر، کبھی مشغول ہے تو کبھی غفلت میں یہ سب کچھ کیا ہے؟ جواب دیا کہ یہ سب خدا کی طرف سے آئے ہوئے خیال ہیں جو آتے ہیں اور جاتے ہیں اور وہ خود جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

پوچھا گیا کہ ذکر کرنے والے کی پہچان کیا ہے؟ جواب دیا کہ وہ یہ ہے کہ جب راہ چلتے اس کی چادر کہیں کانٹوں میں پھنس جائے تو اسے پتہ نہ چلے اور پیچھے مڑنے کی فکر نہ ہو۔[۱۲۴]

پوچھا گیا کہ علم کے طالب کہتے ہیں کہ تم پڑھتے کیوں نہیں؟ کہنے لگے کہ اُنھیں یہ جواب دینا چاہیے کہ ہمارے لیے دعا کرو کہ پڑھنا نصیب ہو لیکن اپنے پیر کے راستے کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ اس پر استقامت ہونی چاہیے۔

پوچھا گیا کہ میراں محمد رحمتہ اللہ علیہ جو سندھ میں آیا تھا اس کے لیے مولوی لوگ کہتے ہیں کہ وہ مہدی نہ تھا۔ اس کی بات پر بھروسہ نہیں کرتے حالانکہ وہ خود کو مہدی کہلواتا ہے اس کی کیا حقیقت ہے۔

جواب دیا کہ خدا تعالیٰ بزرگوں کو مرتبے عطا کرتا ہے جو وہ کسی طریقے سے چھپاتے ہیں کہ جیسے کسی کو پتہ نہ چل سکے۔ اس طرح میران محمد کو بھی مرتبہ ملا ہوا تھا جس کو وہ کسی طریقے سے چھپا نہیں سکا اس لیے اس نے خود پر یہ لقب رکھوایا تا کہ لوگ اس کے منکر ہوں اور اسے پہچان نہ سکیں۔

پوچھا گیا کہ خدا تعالیٰ سے وصال کی طلب کی جائے؟ کہنے لگے کہ یہ بھی نفس کی خواہش ہے۔ پوچھا گیا کہ خدا تعالیٰ کی یاد کس طرح ہے؟ جواب دیا کہ خود سے الگ ہونا۔ پوچھا گیا کہ تنہائی میں فائدہ ہے یا خدمت میں؟ کہنے لگے کہ تنہائی میں وصال ہے اور خدمت بزرگان کا عمل ہے۔ پوچھا گیا کہ حضرت، آگ کیسے اور کس لیے جلاتے تھے؟[۱۲۵]

کہا کہ اگر پتلی لکڑی کو آگ دی جائے گی تو گناہ بھی ہلکے اور اس نسبت سے صاف ہو جائیں گے۔ اگر موٹی لکڑی کو آگ دی جائے گی تو جرم بھی اس حساب سے ختم ہو جائیں گے۔

پوچھا گیا کہ وجود کی نفی کس طرح کی جائے؟ فرمانے لگے کہ اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ تمام تعلقات توڑ دے اور اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب نفس کہے کہ کھاؤ تب سمجھے کہ مردار کھانے کے لیے کہتا

ہے اس طرح اپنے وجود کو ختم کر ڈالے۔ پوچھا گیا کہ تجلی کیا ہے؟ جواب دیا کہ زبان سے اسے بیان نہیں کیا جاسکتا البتہ دل کو اس کا پتہ ہو جاتا ہے۔

موڙڪ موڙ نہ بجھڻا، هيڏانهن هوڏانهن ڪن
ڪتر جن اکين ۾، سي ڪيئن پرين پسن.

ترجمہ: نادان اصل بات کو تو سمجھتے ہی نہیں اور ادھر ادھر دیکھتے ہیں۔ جن کی آنکھوں میں تنکے پڑے ہوئے ہیں وہ محبوب کو کس طرح دیکھ سکیں گے۔

پوچھا گیا کہ کوئی آدمی بغیر مطلب سماع کرتا ہے اس کا کیا فائدہ؟ جواب دینے لگے کہ کرنے دو۔ یہ اس طرح ہے کہ جب کوئی چنگاری اڑ کر کسی انبار میں گرے تو پورے انبار کو آگ لگ جائے گی۔

پوچھا گیا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے مانگو تو میں تمھیں دوں لیکن حضرت صاحب کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے کچھ بھی نہ مانگو وہ کیسے؟ جواب دینے لگے کہ خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

'کل حزب بما لدیھم فرحون' (سورۃ الروم: ۳۰:۳۲)

ترجمہ، ہر گروہ کو جو کچھ بھی ملتا ہے وہ اس پر خوش ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ وہ جماعت یا لوگ کچھ اور ہیں جو نہیں مانگتے۔ پوچھا گیا کہ حضور نبی کریمؐ اور دوسرے کئی اولیا دن رات ورد وظائف میں مصروف رہے آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں۔ جواب دیا کہ وہ سب کرنے چاہئیں لیکن اگر دل کے ارادے سے کریں گے تو دگنا فائدہ ہوگا۔ پوچھا گیا کہ اگر کوئی دعا کے واسطے کہے تو دعا کی جائے یا نہیں؟ فرمایا کہ اس کی رضا کی خاطر دعا کرنی چاہیے اور کوئی بھی خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ جو کچھ بھی مانگتا ہے وہ اسے حاصل ہو۔ پوچھا گیا کہ ذکر جہر کرنا چاہیے؟ جواب میں کہنے لگے کہ نہیں پھر کہا، کہ ہاں۔ کہنے لگے کہ نہیں اس لیے کہ اگر کوئی آدمی کسی بادشاہ سلامت کا نام بار بار لیتا رہے گا تو وہ بے ادبی میں شمار ہوگا۔ ہاں کی وضاحت یہ ہے کہ جب کوئی چرواہا دن رات مویشیوں کو اپنی زبان میں 'حدی حدی' کے لفظ سے پکارتا ہے تو جب رات کو سوتا ہے تب نیند میں بھی وہی آواز نکالتا رہتا ہے۔ ۱۲۶

پوچھا گیا کہ تکبیر اولیٰ کے متعلق بتائیے۔ فرمایا کہ تکبیر اولیٰ وہ ہے جب امام اللہ اکبر کہہ کر آخری حرف پر پہنچے تو مقتدی بھی تکبیر کہے۔ پوچھا گیا کہ اگر فقیر کے دل میں بغیر کسب کرنے کے خیال اور خطرات پیدا ہوتے ہیں تو کیا کرے؟ کہنے لگے کہ اس پر کسب کرنا حرام ہے۔

پوچھا گیا کہ خدا تعالیٰ کی معرفت یعنی پہچان کس طرح حاصل کی جائے۔ فرمانے لگے کہ یہ بہت مشکل

ہے اور ہاتھ آنا آسان نہیں۔ سب سے پہلے خدا تعالیٰ اپنے طالب کو دنیا سے مالا مال کرتا ہے لیکن اگر وہ طالب دنیا کی طرف راغب نہیں ہوتا تو پھراس دل میں بہشت کی آرزو ڈالتا ہے لیکن اگر وہ اس طرف بھی رجوع نہیں کرتا تو اس کی طرف ایک نور بھیجتا ہے تا کہ وہ طالب اس نور کو خدا تعالیٰ کا نور سمجھے لیکن اگر وہ طالب اس نور کو بھی قبول نہیں کرتا تو باری تعالیٰ اس سے بھی زیادہ روشن دوسرے نور کی تجلی اس پر بھیجتا ہے۔ اس طرح اس کے بعد کئی سومرتبہ نیا نور جو پہلے سے بھی زیادہ روشن ہوتا ہے وہ اس کی طرف بھیجتا ہے لیکن وہ طالب ان سب کو خاطر میں نہیں لاتا اور اس فریب میں نہیں آتا۔ آخر میں ان سب انوار سے زیادہ نور کی اس پر بارش ہوتی ہے لیکن وہ اس کو بھی اپنا مقصد نہیں سمجھتا اور اس سے بھی آگے جاتا ہے۔ اس کے بعد خدا کی راہ میں ایک پُل اس کے سامنے آتا ہے پھر جب وہ اسے بھی عبور کرتا ہے تو ایسے مرحلے پر پہنچنے کے بعد کہتے ہیں کہ طالب کو خدا کی کچھ شناسائی یا آگہی حاصل ہوئی۔

پوچھا گیا کہ علم کا کیا راز ہے؟ جواب دیا کہ ہر ایک کے ساتھ خلوص سے چلنا، دوسروں کو اپنے سے بہتر جاننا، عاقبت کا خیال رکھنا۔ پوچھا گیا کہ درود کون سا پڑھنا چاہیے؟ کہنے لگے:

"اللھم صل علیٰ محمد صلواۃ انت لھا اھل وھو لھا اھل۔"

پوچھا گیا کہ کچھ بزرگ کبھی کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کو دیکھا ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ نہیں دیکھا۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ کہنے لگے کہ درست کہتے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب کوئی آدمی ساحل پر ٹھہر کر نظر کرے اور پکارے کہ میں نے کھارے پانی والا سمندر دیکھا تو وہ صحیح کہتا ہے۔ پھر وہ اس بات کی قسم کھا جائے تب بھی کہا جائے گا کہ غلط بات نہیں کر رہا۔ باقی نہ دیکھنے کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کا مطلب ہے کہ سمندر کے پانی کا کوئی بھی کنارہ نہیں ہے جسے وہ ایک نظر سے مکمل دیکھ سکے اس لیے، اس کی حقیقت کو وہ معلوم نہیں کر سکتا۔ اس لحاظ سے اس کا یہ کہنا کہ میں سمندر کو نہیں دیکھ سکا تو وہ بھی درست ہے۔

پوچھا گیا کہ چلّے میں بیٹھنے کی اجازت ہے، جواب دینے لگے کہ مجھے چلّے میں بیٹھنے کی پوری ترتیب کی خبر نہیں ہے اور میں نے اپنی پوری زندگی میں چلّہ کشی نہیں کی ہے اور نہ ہی وہ روزے رکھے ہیں۔ پھر پوچھا گیا کہ اگر کوئی آدمی جب خلوت یعنی چالیس دنوں کے لیے بیٹھے مگر اس کا خیال گھر، بچے اور بازار میں گم ہو تو ایسے آدمی کو چلّے میں بیٹھنا چاہیے یا نہیں؟ جواب دیا کہ بیٹھنا چاہیے کیونکہ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی جنگل کے پرندے کو پنجرے میں بند کیا جائے گا تو ابتدا میں کافی دن اسے پنجرے میں آرام نہیں آئے گا۔ ۱۲۸

پوچھا گیا کہ خدا کی راہ میں اس دنیا اور آخرت کے سوا اور بھی دوسرے حجاب ہیں یا نہیں؟ جواب دیا کہ خدا کی راہ میں کئی دنیا ئیں اور کئی آخرتیں ہیں تم ان میں سے کون سی ترک کرو گے۔ اس لیے تو ایسا کر کہ اپنے پاؤں اپنے سر پر رکھ۔ تو پھر کہیں جا کر اپنے مقصد کو حاصل کرو گے۔

پوچھا گیا کہ کتنے بزرگ کرامات کو دوست رکھتے ہیں اور ان سے کرامات عیاں بھی ہوتی ہیں وہ کیسے؟ جواب دیا کہ ان کے ہاں کرامات کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ کرامات ان کے لیے عام چیز کی طرح ہیں جو ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ خود دریا کی طرح ہیں اور کرامات تنکوں کی طرح۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ وہ تنکے دریا کے پانی میں تیرتے رہتے ہیں۔

پوچھا گیا کہ فقیر کشف اور کرامات کی طلب کرے یا نہیں۔ وہ مرتبے کو بلند کرے کہ نہیں؟ جواب میں کہا کہ ان سے فقیری کا درجہ بلند ہے اور وہ سب ان سے نیچے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے جب دن ہوتا ہے تو اگرچہ ستارے آسمان میں ہی ہوتے ہیں لیکن سورج کے طلوع ہونے سے اپنی روشنی چھوڑ جاتے ہیں۔

پوچھا گیا ہم نے سنا ہے کہ حدیثِ نبوی ہے کہ جو آدمی دریا پر فلاں آیت یا حدیث پڑھے گا تو دریا خشک ہو جائے گا یا اگر وہ کسی ٹیلے پر پڑھے گا تو وہ سونا بن جائے گا لیکن اس زمانے میں کوئی ایسے کرتا ہے تو کچھ بھی نہیں ہوتا، اس کا کیا سبب ہے۔ جواب دیا کہ یہ ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ ایسے بہت کم لوگ ہیں۔ ۱۲۹ے

پوچھا گیا کہ کون سا آدمی خدا کے واسطے دوسرے کسی آدمی کے کام کی خاطر خود پر ذمے داری عائد کر سکتا ہے؟ جواب دینے لگے کہ ایسا آدمی جو اس کام کرنے سے خوش نہ ہو لیکن اگر وہ کام اس کے ہاتھوں نہ ہو تو دل پر نہ لے۔ پھر کہنے لگے کہ طالب جب وقت کے حکمرانوں کی طرف جاتے ہیں تو اپنا نقصان کرتے ہیں۔ حضرت صاحب کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ جواب دیا کہ بالکل اُنھوں نے صحیح کہا ہے لیکن ہم دوسروں کے نفع کی خاطر اپنا نقصان برداشت کرتے ہیں اس لیے حکمرانوں کی طرف جاتے ہیں۔

کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ نے جب حضرت قطب ربانی غوث ثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ پر اپنی خاص عنایت کی اور اُن سے کہا کہ کشف و کرامات، غوثی اور شیخی وغیرہ قبول کرو تو اُنھوں نے معذرت کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں دوبارہ فرمایا کہ میرے مشاہدے اور جمال کا درجہ قبول کر لو تو وہ بھی قبول نہ کیا۔ آخر میں جب اُنھیں فقیر کے درجے کی پیشکش ہوئی تو اسے قبول کر لیا۔ پوچھا گیا کہ اس بات کا کیا مقصد ہے۔ جواب دیا کہ فقر کا مطلب ترک کرنا ہے۔ فقر بذاتِ خود مرتبہ نہیں ہے بلکہ تمام مرتبے چھوڑ دینا فقر ہے اس

لیے کہا گیا ہے کہ 'اذا تم الفقر فھو اللہ'جب فقر تمام یعنی مکمل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات عیاں ہوتی ہے۔

پوچھا گیا کہ حضرت صاحب جب ہمارے لیے دعا کرتے ہیں تو ہمارے دل روشن ہوتے ہیں اور اللہ پاک کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔فرمایا کہ وہ سب کچھ عطائے خداوندی ہے جسے چاہے اسے دیتا ہے۔ اولیاءاللہ کے دل نور کے باعث، بہت اوپر جاتے ہیں لیکن وہ سب کچھ عنایتِ خداوندی کے سبب ممکن ہے۔ جسے وہ لائق سمجھتا ہے اسے دیتا ہے اس لیے اگر خود کو پہچاننا چاہو تو آپ کو آسانی نصیب ہوگی۔[۱۳۰]

پوچھا گیا کہ آپ کس لیے فقرا کے ساتھ زیادہ وقت گزارتے ہیں۔ کہنے لگے کہ ان کی صحبت سے ہمیں فیض ملا ہے اور ہم ان کے ساتھ جتنا وقت بھی رہتے ہیں دل میں ایسا قرار پیدا ہوتا ہے کہ اپنا ہونا یا نہ ہونا برابر لگتا ہے۔

پوچھا گیا کہ جماع کے وقت خدا کو یاد کرنا چاہیے یا نہیں؟ کہنے لگے کہ اس وقت تو زیادہ یاد کرنا چاہیے کیونکہ وہ خوشی اور عیش وعشرت کی گھڑی ہے۔

پوچھا گیا کہ مخدوم شیخ بہاءالدین کامل پیرِ طریقت تھے لیکن اپنے پاس بہت دولت اور دینار رکھتے تھے، اس کا کیا سبب ہے؟ جواب دینے لگے کہ ان کے لیے مال جمع کرنے کی نسبت نہ کی جائے۔خدا کو معلوم ہے کہ وہ کونسی نیت سے ایسا کرتے تھے۔تمھیں اس جانچ پڑتال میں نہیں پڑنا چاہیے۔

پوچھا گیا کہ کچھ اہل اللہ ایسے ہیں جو توکّل نہیں رکھتے اور ظاہری اسباب ترک نہیں کرتے اس کا کیا سبب ہے؟[۱۳۱]

جواب دیا کہ اگر توکل کریں گے تو خدا تعالیٰ اُنھیں تنہا نہیں چھوڑے گا اور اُنھیں رزق پہنچائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حکمت اور قدرت دونوں پیدا کی ہیں لیکن حکمت کا راستہ اختیار کرنا بہتر ہے یعنی اپنا کام کاج کرنا چاہیے لیکن اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو لوگ ان کے پاس جمع ہونے لگیں گے اور ان کی توجہ کا مرکز بن جائیں گے اس لیے اپنے کام میں مشغول رہنا بہتر ہے۔

پوچھا گیا کہ میّت کو زمین میں دفن کرنے کے بعد لحد کو کیوں بناؤ سنگار کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص بیمار ہو اور اس کے سامنے تمام خوبصورت اور قیمتی لباس رکھے جائیں تو کیا اس بیمار شخص کو اس حالت میں قیمتی لباس کی خواہش ہوسکتی ہے؟ کہنے لگے نہیں مردے کی تربت کی مثال بھی اس طرح ہے۔

کہنے لگے کہ جب کسی کے دل میں خدا کی محبت داخل ہوتی ہے تو وہ آکر پیر کے ہاں حاضر ہوتا ہے

لیکن بعد میں وہ خیال اس کے دل سے اتر جاتا ہے اور پیر کی محبت اور اخلاق اس کے دل میں جگہ بنا لیتے ہیں۔

جواب دیا کہ اگر مرید اس طریقۂ کار پر چلے گا تو بہتر ہے کیونکہ جب وہ پیر کے حضور میں ہے اور اس کی محبت میں اسے فرحت ملتی ہے تو ایسے وقت میں اگر پیر اسے طلبِ خداوندی کی نصیحت کرے گا تو وہ اس کے دل میں جگہ بنالے گی اور کبھی بھی باہر نہ نکلے گی اور وہ اس پر عمل بھی شروع کردے گا لیکن اگر وہ نہ جان سکا تب بھی پیر کی محبت میں چلتا رہے گا تاکہ اپنے آپ کو بھول کر خدا کی ذات میں مشغول ہو جائے۔

ذکرِ جلی کے بارے میں کسی نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ بہت زیادہ بہتر ہے۔سوال کرنے والا کہتا ہے کہ یہ الفاظ سننے کے بعد میرا دل ذکرِ جلی سے زیادہ چلنے لگا۔[۱۳۲]

پوچھا گیا کہ جب ہم مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں تو رسمی دانشمند ہمیں گھیر لیتے ہیں کہ تم علم کیوں نہیں پڑھتے اور خواہ مخواہ اپنا وقت کیوں ضایع کرتے ہو اُنھیں کون سا جواب دیں۔فرمایا کہ ان سے ہرگز بحث نہ کرو اور نہ ہی اُنھیں جواب دو بلکہ اُنھیں کہہ دو کہ ہمارے متعلق دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت کی راہ نصیب کرے۔

پوچھا گیا کہ خدا کی یاد کس چیز کا نام ہے۔جواب دیا کہ بیداری۔

پوچھا گیا کہ اگر ذکر کرنے والا ایسا ہے کہ دوسروں سے گفتگو کر رہا ہو تب بھی اس سے اللہ کا اسم خطا نہ ہو اسے گفتگو کرنی چاہیے یا نہیں! کہنے لگے کہ کرنے دو یہی اس کے لیے درست ہے۔

پوچھا گیا کہ کیا واقعی مرد وہ ہے جو اللہ کو یاد بھی کرے اور دوسرے کام کاج بھی سرانجام دے۔جواب دیا کہ ہاں واقعی وہ مرد ہے۔

پوچھا گیا کہ جو بزرگ عرش و کرسی سے گزر آتے ہیں وہ جسمانی آنکھوں سے دیکھتے ہیں یا دل سے دیکھتے ہیں۔جواب دیا کہ وہ دل کا دیکھنا ہے۔

پوچھا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے خود کو اچھی صورتوں میں ظاہر کیا ہے پھر یہ خراب صورتیں کیسی ہیں؟ جواب دیا کہ اس کا مطلب ہے کہ یہ مکمل جہان خوبصورت ہے جس میں خدا نے اپنا ظہور کیا ہے۔

پوچھا گیا کہ سنا ہے کسی کامل پیر کا آخری وقت آیا تو خدائے عزّ وجل کی طرف سے آواز آئی کہ تو ہماری بارگاہ میں قبول نہیں ہے۔اسی وقت پیر نے اپنے مرید سے کہا کہ مجھ سے دور ہو جاؤ کہ میری محنت قبول نہیں ہوئی۔[۱۳۳] وہ مرید اخلاص کے بڑے مرتبے پر تھا جس کے لیے اس نے اپنی طرف سے کوئی کمی نہ کی۔ خدا تعالیٰ کی رحمت تو بے انتہا ہے پھر اس پیر کا اس طرح محروم ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جواب دیا کہ یہ سب

درست ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے دوستوں سے خود گفتگو کرتا ہے اور اس سے مراد ہے کہ میری ذات کے سوا دوسروں کے پاس قبول نہیں اور میرے سوا دوسروں سے دور رہو۔

پوچھا گیا کہ فلاں شخص یہ بیت پڑھتا رہتا ہے، ہم حیران ہیں کہ اس کے معنیٰ کیا ہیں؟

بیت

وائي وجيم شال, ڪنين سين ڪين سٽان
ٻلو ڪري پال, ته اکين سين انڌو ٿيان

ترجمہ: کاش زبان سے گونگا اور کانوں سے بہرہ ہو جاؤں اور خدا تعالیٰ کرم کرے تو آنکھوں سے نابینا ہو جاؤں۔

فرمایا کہ سچ کہا ہے وہ خدا کا دوست ہے کیونکہ کہا ہے کہ:

'العارف لاینظر غیرہ ولایسمع غیرہ ولا یتفکر غیرہ'

یعنی عارف خدا کے سوا کسی اور کو نہیں دیکھتا، نہیں سنتا اور نہ ہی کسی اور کا خیال کرتا ہے۔

فرمایا کہ فرمودۂ خدائے عزّ وجل ہے کہ

'ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ ان لاتخافوا ولا تحزنوا'
(سورۃ السجدہ:۴۱:۳۰)

ترجمہ، بے شک جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ پاک ہے اور پھر اس پر قائم رہے تب ان پر فرشتے نازل ہوئے جنھوں نے کہا ڈرو نہیں اور غمگین نہ ہو۔ اس آیت میں 'لاتخافوا ولا تحزنوا' کی بشارت دنیا و آخرت میں کس طرح ہے۔ فرمانے لگے کہ اس دنیا میں بشارت سے مراد مشاہدۂ خداوندی ہے اور آخرت سے مراد حق سے قربت ہے۔

پوچھا گیا کہ شیخ بھرکیو چکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہاں ستّر آسمان ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ جواب دیا کہ آسمان تو سات ہیں باقی وہ ستّر حجاب ہیں جو بندے اور خدا کے درمیان ہیں۔۱۳۴

پوچھا گیا کہ جو بزرگ کہتے ہیں کہ پہلے فنا فی الشیخ اور بعد میں، فنا فی اللہ، اس کا کیا مطلب ہے؟ کہنے لگے کہ 'فنا فی الشیخ' کا مطلب ہے کہ پہلے شیخ کے ظاہری اور باطنی اخلاق اور اطوار خود میں جذب کرے یا اختیار کرے۔

پوچھا گیا کہ امیر المومنین اور امیر المسلمین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ:

من یقول اللہ لایعرف اللہ ومن یعرف اللہ لایقول اللہ'

یعنی جو بندہ زبان سے خدا کا نام لیتا ہے وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا لیکن جو خدا کو پہچانتا ہے وہ زبان سے نام نہیں لے گا لیکن کئی بزرگ اور اولیاء اللہ کا نام لیتے ہیں، پھر اس کا مطلب کیا ہے؟ جواب دیا کہ جنھوں نے خدا کو پہچانا ہے وہ خدا کا نام لیتے ہیں لیکن نام لیتے وقت اس کی نسبت اپنی طرف نہیں کرتے۔

پوچھا گیا کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ

:'واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین' (سورۃ الحجر: ۱۵۔۹۹)

تب تک اپنے خدا کی عبادت کر جب تک تمھیں یقین حاصل ہو جائے۔

گویا یقین حاصل ہونے کے بعد عبادت چھوڑ دی جائے۔ فرمایا کہ عبادت کرنی چاہیے لیکن اس کی نسبت اپنی طرف نہیں کرنی چاہیے۔

پوچھا گیا کہ مشہور بزرگ سید رکن الدین متعلوی کا قول ہے کہ ذکر کے پاؤں بھی ہیں اور پر بھی۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ جواب دیا کہ ذکر کی ابتدا میں ظاہر ہونے والے پر بھوک ہیں اور تنہائی ذکر کے پاؤں ہیں اور 'چپ' یعنی خاموشی اس کے پر ہیں۔ پوچھا گیا کہ عارف لا الہ الا اللہ کس لیے کہتے ہیں۔ جواب دیا کہ تعظیم کی خاطر کیونکہ کسی کا فقط نام لینا بے ادبی ہے اس لیے عارف تعظیم کی خاطر یہ الفاظ کہتے ہیں۔ ۱۳۵؎

باب سوم

حلم، تواضع، مجاہدے اور سخاوت کے بارے میں

طریقت کے سالک، اہلِ معرفت، صوفیوں کے پیش امام۔، عالم، عامل، عارف، کامل، ذاتِ حلیم کا فرمان پہنچانے والے، یعنی سید عبدالکریم صاحب نے اس سلسلے میں جو کچھ بھی فرمایا ہے اس کا نچوڑ پیشِ خدمت ہے:

اس باب میں دو فصل ہیں پہلی فصل حلم، تواضع اور مجاہدے کے متعلق دوسری فصل سخاوت کے متعلق ہے۔[۱۳۶]

فصلِ اوّل

حلم، تواضع اور مجاہدے کا بیان

جاننا چاہیے کہ حضرت صاحب کے حلم اور سخاوت کا ذکر اتنا ہے کہ اسے تحریر میں لانا مشکل ہے تاہم مریدوں کے دلوں کو تازگی بخشنے کے واسطے کچھ روایات جو سننے میں آئی ہیں وہ بیان کی جاتی ہیں۔ایک بزرگ سے منقول ہے کہ ایسے لوگوں پر تعجب ہے جو حضرت کی صحبت میں رہے ہیں لیکن جب ان کے پاس طعام پیش کیا جاتا ہے اور اس میں اتفاقاً نمک زیادہ ہو تو یہ بات بھی کہہ جاتے ہیں اور اس پر صبر بھی نہیں کرتے۔

حضرت کے قریبی ساتھیوں سے منقول ہے کہ آپ کی جوانی کا بڑا عرصہ اس طرح گزرا کہ صبح صادق کو اٹھ کر مسجد میں اذان دیتے تھے اور پھر وہیں پر حق کی یاد یا ذکر میں مشغول ہو جاتے تھے حتیٰ کہ جماعت جمع ہوتی تھی، نماز کے بعد ورد پڑھتے تھے اور جب سورج ایک نیزے جتنا اوپر آتا تھا تو اشراق ادا کرتے تھے۔اس کے بعد گھر آ کر طعام پہنچانے میں مشغول ہو جاتے تھے یہاں تک کہ عورتوں والے کام بھی کرتے مثلاً، برتن دھونا، دیگچی میں پانی ڈال کر آگ پر رکھنا اور چاول پکانا اور تیار کر کے اپنے فرزند کے سامنے رکھتے تھے۔جب وہ کھا کر خوش ہوتے تھے تب گھر سے باہر قدم رکھتے تھے تب کشتہ ہاتھ میں لے کر شہر کا چکر لگا کر جو بھی فقیر ملتا تھا تو ان کے سامنے رکھتے تھے۔فقرا جب کھا کر خوش ہوتے تو ہل کندھے پر اٹھا کر بیلوں کے ساتھ کھیت میں آتے تھے۔اس طرح زمین میں ہل چلانے کے بعد بیلوں کی گھاس کی خاطر جنگل کا رخ کرتے تھے۔زوال یا دوپہر سے پہلے گھر کا رخ کرتے تھے اور گھاس وغیرہ لا کے مویشیوں کے آگے ڈالتے تھے۔وہیں وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کر کے اذان ظہر دیتے تھے۔ ۱۳۷؎ بہر حال نمازِ ظہر سنت جماعت کے ساتھ بہت ہی سکون و آرام سے ادا کرتے تھے جس کے بعد وہی ہل کندھے پر رکھ کر بیل کو ساتھ لیے ہوئے کھیت کے کام کاج کو جاتے تھے۔عصر کے وقت دوبارہ گھاس لا کر بیلوں کو پانی پلا کے گھر چھوڑ کر مسجد میں آ کر نماز پڑھتے تھے۔اس کے بعد وہیں پر مغرب اور عشا کی نماز ادا کر کے بعد میں گھر آتے تھے۔مختصراً یہ کہ ان کا معمول تھا اور دوسرے دن بھی وہی کرتے البتہ گدائی کر کے فقرا کو جب کھانا کھلاتے تھے تو خود اس فکر میں مبتلا رہتے تھے کہ کہیں کوئی فقیر بھوکا نہ رہ جائے اور اس صورت میں اپنا حصہ بھی اسے دیتے اور خود کچھ بھی نہ کھاتے۔

جب سب فرزند اور مرید خادم کھا پی کر خوش ہو کر سوتے تھے تو آپ وضو کر کے نفل ادا کرتے تھے۔ پھر گاؤں سے باہر نکل کر راہوٹ شہر کا رُخ کرتے تھے۔راستے میں چھوٹے گاؤں سے گزرتے

ہوئے مساجد میں وضو کے لیے پانی بھرتے بلکہ کسی مسجد میں کوئی سویا ہوا ہوتو اسے دبانے لگتے تھے۔اس طرح راستے میں اگر کوئی نہر پار کرنی ہوتی تو اسے تیر کر پار کرتے حتیٰ کہ پہاڑوں کا راستہ طے کر کے مشہور بزرگ اور درویش جھنڈ و پاتنی کے مقبرے پر آتے تھے۔اسی مقام پر' ستیوں' کی زیارت کر کے بعد میں مکلی آتے تھے، جہاں پر ہر بزرگ اور ولی کے مزار پر کچھ نہ کچھ پڑھتے تھے۔ ۱۳۸

مطلب یہ کہ اپنے گاؤں سے لے کر شیخ جھنڈ و پاتنی کے مزار تک راستے میں جو بھی بزرگ یا قبرستان آتے تھے ان کی زیارت کرتے تھے۔ٹھٹھہ سے نکلنے کے بعد پیر آر کا رخ کرتے تھے جو کلاں نامی گاؤں میں ہے۔وہاں سے ہوتے ہوئے شیخ پٹھ جن کی قبر پہاڑی کی چوٹی پر ہے وہاں آتے تھے۔واپسی پر بٹھورے پرگنہ کے کافی قصبات سے گزرتے ہوئے رات کے پچھلے حصے میں صبحِ صادق ہونے سے پہلے جب دوسرے لوگ گہری نیند میں سوئے ہوئے ہوتے تو آپ اپنے گاؤں والی مسجد میں پہنچ کر اذانِ فجر دیتے تھے۔لوگ کہتے تھے کہ شاید حضرت صاحب کو نیند ہی نہیں آتی بلکہ ایسا لگتا ہے کہ وہ مسلسل جاگتے رہتے ہیں اس لیے ہمیشہ اس وقت اذان دیتے ہیں۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر وہی معمول جس کا ذکر کیا گیا ہے اس میں مشغول ہو جاتے تھے۔مطلب یہ کہ جوانی کے دن حضرت صاحب نے اسی طریقۂ کار سے گزارے کہ اکثر اوقات مجاہدوں اور بزرگوں کی زیارت میں مشغول رہے بڑی بات یہ کہ اس احوال کا کسی کو پتہ نہ لگتا تھا ما سوائے چند ایسے دوستوں اور رفقا کے جو آپ کے بہت ہی قریب تھے۔ ۱۳۹

اب اگر کوئی آدمی یہ گمان کرتا ہے یا حیرت میں پڑتا ہے کہ آخر ایک رات میں یہ سارا فاصلہ کس طرح طے کیا جا سکتا ہے، اس کو شاید یہ خبر نہیں ہے کہ اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب باتیں ہوئی ہیں۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت اپنے فرزندوں کے ساتھ کمرگ کے گاؤں جو سن کے علاقے میں ہے۔وہاں سے پلہ مچھلی کے ساتھ روٹی کھا کر اپنے گاؤں واپس آ رہے تھے۔سب گھوڑوں پر سوار تھے۔وہ دن بھی بہت ہی گرم تھا اور سورج کی تپش کی وجہ سے بہت پیاس لگ رہی تھی۔آپ کے پاس پانی سے بھرا ہوا کوزہ تھا جس کسی کو بھی راستے میں پیاس لگ رہی تھی وہ اس میں سے پانی پی رہا تھا۔جب ٹمیاری کے قریب مانجھو گاؤں کے پاس پہنچے تو آپ کو شدید پیاس نے تنگ کیا لیکن تب بھی کسی کو نہ کہا۔آخر کار آپ کی حالت غیر ہوگئی اور آپ کے جسم سے طاقت ختم ہوگئی۔مجبور ہو کر پوچھا کہ کسی کے پاس پانی کا گھونٹ ہے۔جواب ملا کہ ہم راستے میں پانی پی رہے تھے تب آپ نے نہیں کہا۔آپ نے اتنی پیاس کیوں برداشت کی۔فرمایا کہ اس لیے کہ تمھارے لیے پانی ختم نہ ہو جائے۔

کہتے ہیں کہ ابتدائی دنوں میں حضرت صاحب سخت تنگی اور بھوک میں گزر کرتے تھے۔ اتنے فاقے کیے کہ آپ کے فرزند مشقت اور بھوک کی وجہ سے بے حال ہو جاتے تھے۔ اُن دنوں ان کے پاس ایک بھینس ہوتی تھی جس کے دودھ سے گزر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب فاقہ کشی سے مجبور ہو گئے تو اپنا گاؤں چھوڑ کر دوسرے کسی گاؤں میں جا بسے جہاں ایک دن آپ کی بھینس کو شیر نے کھا لیا۔ اس صورتِ حال پر حضرت صاحب کے اہلِ خانہ سخت پریشان ہوئے اس لیے کہ ان کے پاس کوئی چیز نہیں رہی تھی جس سے گزارہ کر سکیں۔ آخر کار آپ کا ایک فرزند روزی کی تلاش میں نکل پڑا اور ایسی جگہ جا نکلا جہاں جَو صاف کیے جا رہے تھے۔ اس نے بھی اپنا عمامہ اور چادر ایک طرف رکھ کر کام شروع کر دیا تاکہ کچھ روزی مل جائے۔ وہ ابھی اس کام میں مشغول تھا کہ کوئی چور عمامہ اور چادر لے گیا۔ جب جَو صاف کر کے فارغ ہوا اور اپنی مزدوری لے کر اس جگہ پہنچا جہاں کپڑے رکھے تھے تو انھیں نہ پا کر بہت ہی غمگین ہوا۔ مجبور ہو کر وہ جَو لے کر گھر پہنچا۔ مطلب یہ کہ ان دنوں بھوک اور تنگی کا یہ عالم تھا کہ اسے مزید بیان کرنا مناسب نہیں لگتا۔

ایک روز کی بات ہے کہ حضرت صاحب اپنے فرزندوں کے ساتھ کھیت میں گئے وہ کافی دور نکل گئے اور کوئی راستہ نہ ملنے پر آخر کار حضرت صاحب نے آواز دینی شروع کر دی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ آپ بہت پریشان ہوئے۔ خدا خیر کرے کہتے ہوئے ڈھونڈنے لگے اور بیٹا پا لیا۔ بیٹے سے پوچھا کہ جواب کیوں نہیں دے رہے تھے۔ کہنے لگا کہ بھوک کی وجہ سے اتنی کمزوری ہو گئی جو آواز نہیں نکل رہی تھی۔ پھر حضرت نے فوری طور پر اناج کے کچھ دانے صاف کر کے اسے کھلائے تاکہ وہ ہوش میں آئے۔ مطلب یہ ہے کہ اس گاؤں میں ایسے تنگ حالات میں بسر کرتے تھے لیکن کبھی بھی کسی کو اس حالت کی خبر تک نہ ہونے دی جبکہ ۱۴۱ لوگ سمجھتے تھے کہ خوش وخرم گزر بسر کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس وقت لوگ آپ کی بہت عزت کرتے تھے لیکن آپ نے کبھی بھی کسی سے یہ شکایت نہ کی۔ ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ آپ بہت خوش زندگی گزار رہے ہیں اور آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کا فرزند کسی کے کھیت میں جا کر جَو صاف کرنے کی اُجرت کے طور پر آدھا ٹوپہ جَو گھر لے آیا۔ ابھی وہ جَو پکا کر تیار کر کے کھانے کے لیے آگے رکھ کر بیٹھا ہی تھا کہ حضرت گھر آ گئے اور کہنے لگے کہ مسجد میں ایک فقیر بیٹھا ہے جو بھوک سے بے حال ہے۔ گھر میں کوئی کھانے کی چیز میسر ہو تو دی جائے کیونکہ وہ بھی ہماری طرح بھوکا ہے۔۱۴۲ یہ سن کر آپ کے فرزند میاں دین محمد نے جو آپ کے بعد سجادہ نشین بھی ہوئے، جَو کی وہ روٹی حضرت کو دی کہ آپ یہ فقیر کو دے دیں ہم تو صبر کر ہی لیں گے۔ یہ دیکھ کر

حضرت بہت خوش ہوئے اور یہ روٹی فقیر کو پیش کردی۔ جب آپ گھر کو لوٹے تو اپنے فرزند سے کہا کہ امید ہے کہ آئندہ کبھی بھی آپ کو بھوک نہ ستائے گی اور نہ قریب ہی آئے گی بلکہ قادرِ مطلق آپ کو اس حال پر مزید استقامت عطا فرمائے گا۔ کہتے ہیں کہ آپ کی وہ زمینیں جو بنجر تھیں اتنی سرسبز و شاداب ہوگئیں کہ آپ کے دن پھر گئے۔ آپ اکثر یہ شعر گنگناتے تھے:

پنندي پرين سين، ويلا كندي وت

كو پائينڊءِ مانيون، كو پائينڊءِ پت

ترجمہ: دوستوں کے ساتھ مل کر مانگتے رہو اور وقت گزارتے رہو۔ کوئی تمھیں نان دے گا تو کوئی بھات۔

ایک مرید سے نقل ہے کہ ایک دن حضرت کو بہت ضعیف دیکھا تو گھی کھانے کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے کہا اب اس عمر میں گھی کھا کر کیا کریں گے۔ پھر یہ حکایت بیان کی کہ ایک مرتبہ دو طالب علموں کے ساتھ کشتی میں ٹھٹھہ جا رہے تھے۔ راستے میں کسی نے کچھ چاول اور گھی بھیجا جنھیں پکا کر مجھے کھانے کو دیا گیا لیکن کافی دیر عذر پیش کرنے کے بعد میری جان کی خلاصی ہوئی۔ ١٤٣

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ چوبیس برس ہو چکے ہیں کہ بدن کو چار پانچ مرض لاحق ہو گئے ہیں۔ نقل ہے کہ آپ نے فرمایا میں ایک مرتبہ گجرات کے شہر احمد آباد میں تھا۔ وہاں میری ملاقات ایک فقیر سے ہوئی۔ دل نے چاہا کہ کسی طرح وہ میرے ساتھ الٰہی راز کی باتیں کرے لیکن وہ بالکل خاموش رہا۔ پھر جب میں چلنے لگا تو اس نے یہ شعر پڑھا:

هيڪو جو اکر ونگڙو، گر تسي ڏي

انڌاري گهر ديولا، ڦر ڦر جوت ڪري ١٤٤

ترجمہ: ایک مشکل لفظ جو تمھیں مرشد بتائے وہ ایسے ہی ہے جیسے کسی اندھیرے گھر میں جھلملاتا دیا روشنی کرتا ہے۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت نے خربوزہ کھا کر ختم کیا تو آپ کو قے آ گئی جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو آپ نے کھانے کا معمول بنا دیا۔ مطلب یہ کہ جب بھی کھائیں تو آپ کو قے ضرور آتی تھی لیکن تب بھی آپ باز نہ آئے۔ کافی عرصے کے بعد قے آنا بند ہو گئی تو آپ نے خربوزہ کھانا بند کردیا۔ کہنے لگے کہ یہ اس لیے کیا تاکہ نفس کی مخالفت برقرار رہے۔

کہتے ہیں کہ ایک سال سندھ میں قحط پڑا۔ لوگ بے چاروں کے جسم کمزور پڑ گئے جبکہ حضرت خود زیادہ تازہ توانا اور جسم میں بھرپور اور خوش نظر آنے لگے۔

منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ اپنے بیٹے کو تھپڑ مارا لیکن آج تک دل سے وہ افسوس ختم نہیں ہوا ہے کہ کیوں تھپڑ مارا۔ اصل شرافت تو روح کی ہے نہ کہ جسم کی۔ کیا خبر میرے اس فرزند کی روح مجھ سے زیادہ افضل ہو۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب کے کسی مرید سے کوئی خطا سرزد ہوئی جو بے ادبی کی طرح تھی۔ آخر حضرت صاحب کو یہ خبر ہوئی اور آپ سے مریدوں نے عرض کی کہ اب اس مرید پر توجہ اور شفقت کی نظر نہ کریں۔ فرمانے لگے کہ اگر اس سے کوئی خطا ہوئی ہے تو کیا ہوا ہم اس وجہ سے اپنی شفقت کیوں اٹھائیں۔

کہتے ہیں کہ آخر عمر میں حضرت خود طعام میں چکناہٹ اور ایسی دوسری چیزیں ہرگز نہیں ڈالتے تھے اور نہ ہی ایسا کھانا کھاتے تھے لیکن دوسرے لوگ ایسا کرتے تھے کہ آپ کے کھانے میں چکناہٹ ڈال دیتے تھے۔ ۱۴۵

منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اگر ہمیں کوئی تکلیف پہنچائے یا بے ادبی کرے تو ہم مکمل ایک سال اس کو کچھ نہیں کہیں گے۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے ایک سال کے بجائے چالیس سال کہا یعنی اتنے وقت تک ہم اسے کوئی تکلیف نہ دیں گے بلکہ اسے فرحت دیں گے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ جاموٹ جعفر سمہ کے بیٹے راہِ خدا کے ارادے سے نکلے اور خود کو خدا کی یاد اور مشغولی میں وقف کرنے لگے۔ جب حضرت کو یہ خبر ہوئی تو اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ اس طرح روانہ ہوئے اور ان کو ایک مسجد میں بیٹھے ہوئے دیکھا جہاں وہ جلی ذکر میں مشغول تھے۔ تب آپ اپنے شانوں سے چادر اتار کر اُنھیں ہوا دینے لگے۔ ادھر آپ کے ساتھی آپ کو خوب تیل مالش کرنے میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے جب یہ حال دیکھا تو کہنے لگے کہ جو خدا کے طالب بننا چاہتے ہیں ان کا راستہ یا طریقہ یہ نہیں ہے۔ بہر حال وہ رات مسجد میں بسر کر کے صبح ننگے پاؤں بغیر جوتے اٹھائے اور کسی کو کچھ کہے بغیر وہاں سے نکل کر کافی فاصلہ طے کر کے ایک دوسرے گاؤں میں آ گئے۔ وہاں ملا ہارون نامی ایک شخص جو پہلے سے آپ کا واقف تھا، اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمیں کوئی ایسی جگہ دکھا جہاں کوئی پہنچ نہ سکے۔ اس نے آپ کو دو تین جگہیں بتائیں لیکن آپ نے پسند نہ کیں۔ آخر آپ کو ایسی جھونپڑی پسند آئی جس کے اندر ایک غار تھا اور آپ اس کے اندر چھپ کر بیٹھ گئے۔ ملا ہارون کو کہنے لگے کہ اگر کوئی آدمی ہماری تلاش میں آئے یا معلوم کرے تو

ہمارے بارے میں اسے نہ بتانا۔ ادھر جب وہ لوگ جو آپ کے ہمراہ ساتھ آئے تھے اور جن کو مسجد میں چھوڑ دیا تھا بیدار ہوئے اور حضرت کو مسجد میں نہ دیکھا تو آپ کی تلاش میں نکلے۔ ہر بستی اور گاؤں میں ڈھونڈتے رہے لیکن حضرت کہیں بھی نظر نہ آئے۔ آخر ناامید ہو کر اپنے گاؤں واپس چلے گئے۔ ادھر مسلسل تین دن اور تین راتوں کے بعد آپ باہر نکلے اور اپنے گاؤں روانہ ہو گئے۔ [۱۴۶]

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جی کے فرزندوں سے گاؤں کے وڈیرے کے بیٹوں کا جھگڑا ہو گیا اور اس جھگڑے میں آپ کے مکان کو بھی منہدم کر دیا گیا۔ آپ کے فرزند یہ عرض کرنے کے لیے آپ کے پاس آئے اور مکمل احوال سنایا لیکن آپ یہ سب کچھ سن کر چپ رہے اور آپ کو کوئی ناراضی یا غصہ نہ آیا۔ آخر کار گاؤں کے کچھ دکان دار جو آپ کے فرزندوں کی طرف داری کر رہے تھے وہ بھی شکایت لیے حاضر ہوئے۔ کہنے لگے ہم اپنے گاؤں کو اسی طرح کی ظلم زیادتی کی وجہ سے چھوڑ کر آپ کے گاؤں میں آ کر بسے تھے لیکن یہاں بھی یہ بڑے لوگوں کے بیٹے ہمیں تنگ کر رہے ہیں اور ہمارے گھر بھی سلامت نہیں۔ یہ سب سن کر حضرت نے جواب دیا کہ اگر وہ آپ کے گھر بھی سلامت نہیں چھوڑتے تو پھر یہ جگہ چھوڑ کر کسی ایسی جگہ جا کر بسر کرو جہاں سلامتی سمجھو۔ مطلب یہ کہ ایسی بربادی اور زیادتی کے بعد بھی آپ کو کسی قسم کا غصہ نہ آیا۔ [۱۴۷]

کہتے ہیں کہ حضرت جی کے گاؤں میں ایک غیر مسلم رہتا تھا۔ وہ جب بھی بیمار پڑتا تھا تو آپ اُس کی عیادت کے لیے ضرور آتے تھے۔

منقول ہے کہ ابتدائی عمر میں حضرت والدہ کی خدمت میں اکثر وقت بسر کرتے تھے۔ ان دنوں جب آپ مزدوری کے لیے دوسروں کے ہمراہ جنگل میں جاتے تھے تو اکثر سندھی اشعار نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ آپ کی خوش الحانی کا یہ عالم تھا کہ مزدور آپ کو کہتے تھے کہ آپ کے حصے کا کام ہم کرتے ہیں۔ آپ بیٹھ کر فقط داؤدی آواز میں اشعار سنائیں۔ اس طرح حضرت بیٹھ کر اشعار پڑھتے تھے تو سننے والے اس سے لطف حاصل کرتے تھے اور اس کے ساتھ کام بھی جاری رکھتے تھے۔ آخر کار ایک دن ایسا بھی آتا تھا جب سارے مزدور نہ صرف اپنا بلکہ حضرت جی کے حصے کا کام بھی مکمل کر لیتے تھے۔ اس طرح ہر ایک مزدور کو حضرت جی کی جگہ کچھ بیلچے مارنے پڑتے تھے اور اس طرح ان کا کام مکمل ہو جاتا تھا اور وہ اپنے حصے کی مزدوری لے کر گھر لوٹتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک دن کوئی مرید دودھ میں چھوڑہ ملا کر اس میں شکر ڈال کر حضرت کی خدمت میں

آیا۔ اس وقت آپ نیند سے ابھی بیدار ہوئے تھے۔ اس مرید نے اپنے ہاتھوں سے اس میں سے ایک ذرہ اٹھا کر آپ کے منہ میں ڈالا۔ اس پر آپ نے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہ لقمہ کس چیز کا لائے ہو۔ مرید نے بتایا کہ دودھ میں ڈالے ہوئے چھوڑہ ہیں۔ آپ نے یہ سن کر گودڑی میں پڑا ہوا پیاز نکالا اور اسے کھانے لگے۔ اس کے بعد جتنی مرتبہ اس مرید نے آپ کو کھلانے کی کوشش کی آپ اس کے اوپر یہ کڑوا پیاز کھاتے رہے وہ اس لیے تا کہ مٹھاس کا ذائقہ زائل ہوتا رہے۔ ۱۴۸؎

کہتے ہیں حضرت جب بھی قطب زمان مخدوم نوح علیہ الرحمۃ کی زیارت کو جاتے تو ہمیشہ مخدوم صاحب کے فرزندوں سے جھوٹا مانگ کر کھاتے۔

نقل ہے کہ حضرت جی کے فرزندوں کا کچھ لوگوں سے جھگڑا ہو گیا بات بہت بڑھ گئی۔ ابھی جھگڑا ختم ہی نہیں ہوا تھا کہ آپ نے گدائی کا برتن ہاتھ میں لیا اور اس گھر پر پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر آپ کے فرزند دوڑتے آئے اور کہنے لگے کہ کچھ تو انتظار کیجیے اور خیال کیجیے کہ آپ کن لوگوں کے پاس جا رہے ہیں لیکن آپ نے ایک نہ سنی اور اس دروازے پر آئے اور جو کچھ مانگنا تھا مانگ کر چلے گئے۔

نقل ہے کہ جب کوئی شخص حضرت کے ہاتھ کھانے کے لیے دھلواتا تھا تو آپ یہ دعا پڑھتے تھے غفر اللہ ذنوبک وستر اللہ عیوبک.

یعنی خدا تمھارے گناہ معاف فرمائے اور تمھارے عیب چھپائے۔

منقول ہے کہ سکرات کے وقت حضرت نے اپنے فرزندوں کو بلایا اور فرمانے لگے کہ اگلے بزرگوں کا یہ طریقہ ہوتا تھا کہ ایسے وقت میں وہ اپنے مریدوں کو بھی جمع کرتے تھے اور اپنے فرزندوں کو کہتے تھے کہ دعا کرو۔ اس پر کچھ نے کہا کہ آپ بھی ایسا کریں، وہ بہتر ہے۔ آپ فرمانے لگے کہ وہ بزرگ برگزیدہ تھے، ہم تو ابھی مرید بھی اچھے نہیں لگتے۔

منقول ہے کہ ایک دن ایک ان پڑھ مرید کو کہنے لگے کہ کچھ پڑھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ صرف الحمد اور قل ھو اللہ، پڑھا ہے۔ اسے کہنے لگے کہ پھر تم پیش امام بنو اور آپ نے اس کے پیچھے نماز پڑھی۔

کہتے ہیں کہ ایک رات آپ بیٹھے تھے کہ آپ کے مرید نے دیا جلایا آپ نے فوراً اسے بجھا دیا۔ فرمایا کہ دیا اسے جلانا چاہیے جو ہوشیار ہو ہم تو غفلت میں ہیں۔ ۱۵۰؎

کہتے ہیں کہ آپ مجلس میں ہوں یا اکیلے لیکن کبھی بھی کسی کو پانی پلانے کے لیے سوال نہ کرتے تھے۔ پیاس لگتے ہی ہمیشہ خود اٹھ کر مٹکے سے پانی بھر کر پیتے تھے اور کسی دوسرے کو تکلیف نہیں دیتے تھے۔

ایک مرید سے منقول ہے کہ حضرت خود کو اکثر زیادہ بھوکا رکھتے تھے۔ایک مرتبہ رات کو میرے ہاں آ گئے۔دل نے چاہا کہ آپ کو طعام پیش کروں۔اندر آ کر کمرے میں ادھر ادھر دیکھا تو اوپر طاق پر لپٹی ہوئی ایک چیز دیکھی سوچا کہ اس میں ضرور کوئی میٹھی چیز وغیرہ ہے۔وہ کھول کر اسے کھانے کے اوپر ڈال دیا اور لا کے سامنے رکھی۔کیا جانے کہ اس میں کوئی کڑوی دوائی تھی۔حضرت نے مکمل طعام کھا کر پلیٹ خالی کر کے دی اور کچھ بھی نہ بولے حالانکہ ایسے موقع پر تھالی میں کچھ کھانا بچاتے تھے۔جب صبح ہوئی میں نے اپنی دوائی کی تلاش کی تو دیکھا کہ دوائی والی پڑیا تو ہے ہی نہیں۔بہت پریشان ہوا کہ اس پڑیا میں مٹھائی نہیں بلکہ وہ کڑوی دوا تھی۔خوف کا مارا حضرت کے سامنے آ کر پیش ہوا اور معذرت کر کے معافی طلب کی۔وہ سب سن کر آپ نے فرمایا کہ مجھے پتہ نہیں کہ میں نے رات کو کیا کھایا تھا۔

منقول ہے کہ حضرت ہمیشہ خود وضو کرتے تھے اور کبھی بھی کسی مرید کو نہ کہا کہ مجھے وضو کراؤ۔مطلب یہ کہ کبھی بھی کسی کو ذرا سی بھی تکلیف نہیں دی۔

ایک مرید سے منقول ہے کہ ہم حضرت جی کے ساتھ کسی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں دو عورتیں آ کر آپ کے پاؤں پڑنے لگیں کہ ہمارے گھر دعا کے لیے چلیں۔ہم نے بہت کوشش کہ جان چھوٹے لیکن ان عورتوں نے حضرت کو نہ چھوڑا اور اپنے گھر لے گئیں اور دعا منگوائی۔اس عرصے کے دوران حضرت کچھ بھی نہ بولے فقط مسکرا رہے تھے۔بہرحال کافی دیر کے بعد میں نے آپ کو ہاتھ سے پکڑا اور ان عورتوں سے جان چھڑا کر باہر آئے۔آپ اس وقت تک مسکرا رہے تھے اور کسی بھی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔[151]

حضرت کے فرزند سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں آپ کے ہمراہ تھا اور ہم اپنا گاؤں چھوڑ کر دوسرے گاؤں جا رہے تھے۔حضرت جی نے فقیرانہ لباس پہنا ہوا تھا البتہ میں نے سفید چادر پہنی ہوئی تھی۔جب دریا کے پتن پر پہنچے تو پاتنی پہلے سے موجود تھا اور ہم کشتی میں چڑھ کر بیٹھ گئے۔کچھ دیر کے بعد کشتی چلانے والے ملاح نے پیسے مانگے اور جب حضرت جی کی باری آئی تو آپ خاموش رہے ادھر ملاح نے کوئی بھی رعایت نہ کی اور غصے میں حضرت جی کے سر پر باندھی ہوئی ریشمی دستار کو اتار کر اپنی کمر سے باندھ لیا۔جب کشتی بیچ میں آ کر پھنس گئی تو ملاح نے کشتی کو ہلکا کرنے کے لیے لوگوں کو اتارنا شروع کر دیا اور آپ کو بھی کہا کہ اسی سے کشتی کو کھینچو۔اُس وقت مجھے غصہ آیا کہ کیوں نہ اِس ملاح کو برا بھلا کہہ کر ٹھیک کیا جائے لیکن آپ نے مجھے منع کیا بلکہ خود نیچے اتر کر دوسرے لوگوں کے ساتھ کشتی کو کھینچنے لگے۔آخر جب دوسرے گاؤں میں پہنچے تو نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ہم نے مسجد میں آ کر نماز ادا کی۔وہاں ہمارا میزبان جو اس گاؤں کا بڑا آدمی تھا آ پہنچا۔اس

نے جب حضرت جی کا سر برہنہ دیکھا تو ایک دم دستار لا کے پیش کی۔اس دوران میں نے ملاح والی مکمل بات اس بڑے آدمی کو بتائی جس پر اس نے اس ملاح کو بلا کر ڈانٹ ڈپٹ کی، بلکہ اس کی پٹائی کرنے والا تھا۔جب حضرت جی کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے اسے منع فرمایا کہ اس ملاح نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے بلکہ قصور ہمارا ہے کہ اس نے اپنا حق مانگا اور ہم نے اسے نہیں دیا۔اب اسے تکلیف دینا کسی بھی طرح مناسب نہیں۔اس پر اس ملاح نے پشیمانی کا اظہار کیا اور معافی مانگنے لگا۔ملاّح کہنے لگا کہ میں نے حضرت جی کو نہیں پہچانا تھا۔اس کے بعد ملاح چلا گیا اور اس شخص نے ہماری بہت خدمت کی۔[۱۵۲]

منقول ہے کہ اکثر اوقات حضرت جی جب کسی گاؤں میں جاتے تھے تو اون کا ڈھیر ہاتھ میں ہوتا تھا۔اگر کوئی مستحق نظر آتا تھا تو وہ مکمل اون اسے دے دیتے تھے، تاکہ اس مستحق شخص کی پوشاک بن سکے۔ اس طرح اگر کسی کا مکان ٹوٹا ہوا دیکھتے تھے اس کے بنانے میں مدد کرتے تھے۔مطلب یہ کہ کوشش کرکے جب تک ہر مسلمان کی ضرورت کی تکمیل نہیں کرتے تھے تب تک وہاں سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔

حضرت کے فرزند سے منقول ہے کہ ایک دن کسی کام کی وجہ سے دوسرے گاؤں کی طرف جارہے تھے۔جب اس گاؤں کے قریب پہنچے تو وہاں پر سردی نے تنگ کیا۔سردی تیز ہورہی تھی بلکہ تیز ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔آخر مجھے دیوار کے سائے میں بٹھا کر آپ خود جنگل کی طرف روانہ ہوگئے۔تھوڑی دیر میں لکڑیوں کی گٹھڑی سر پر اٹھائے ہوئے پہنچے اور نیچے رکھ کر میرے سامنے آگ جلائی، پھر خود بھی آگ کے سامنے بیٹھ گئے۔سردی کی رات اس طرح بسر کر کے صبح ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہوئے۔[۱۵۳]

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کے خادم نے آپ کے پاؤں کو دباتے ہوئے ایک انگلی توڑ دی۔ باوجود درد کے اس کو کچھ بھی نہیں کہا اور نہ ہی منع کیا کہ نہ دباؤ۔جب وہ خادم خود وہاں سے چلا گیا تو آپ نے اپنی انگلی کی پٹی کی۔تب جا کر دوسروں کو پتہ لگا کہ اس خادم کے ہاتھوں آپ کی انگلی ٹوٹ گئی ہے۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت کسی طرف جارہے تھے اور کئی مرید خادم آپ کے ساتھ تھے۔راستے میں جس نے بھی آپ کو دیکھا تو وہ بڑی عزت اور تعظیم کے ساتھ پیش آرہا تھا۔حضرت کو یہ بات اچھی نہیں لگ رہی تھی۔اس پر مریدوں کو کہا کہ تم آگے چلو اور ہم تمہارے پیچھے چلتے ہیں۔یوں کوئی بھی آدمی آپ کی طرف نہ آیا۔آگے چل کر مریدوں کو کہنے لگے کہ دیکھا، ہر ایک تمہاری وجہ سے ہمیں عزت دے رہا تھا اگر تم نہ ہوتے تو ہمیں کوئی پہچانتا ہی نہ۔ہماری اس گرفتاری کا سبب تم ہو۔یہ کہہ کر بہت سی نصیحتیں کرنے لگے۔آخر فرمایا:"الجاہ جیفة طالبها کلاب"یعنی جاہ یا مرتبہ مردار کی طرح ہے اور اس کا طالب کتا ہے۔

منقول ہے کہ بارش کے موسم میں حضرت چھتر بنا کر سارے اہل وعیال اور بچوں کو اس پر سلاتے تھے۔ اکثر آپ اپنی چادر کو پنکھا بنا کر اُنھیں ہوا دیتے تھے اور عشا کی نماز سے صبح تک جاگنے کے ساتھ یہی کام کرتے رہتے۔

منقول ہے کہ حضرت جنگل میں جا کر خشک تنکے اور لکڑیاں وغیرہ کاٹ کر ان سے ''ترہو'' بناتے تھے اور بعد میں اسے تیرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ جب یہ سنتے تھے کہ دریا کے فلاں طرف کوئی بزرگ یا درویش ہے تو اس ''ترہو'' پر وہاں تیر کر جاتے۔ ۱۵۴

کہتے ہیں کہ جب قحط پڑتا تھا تو حضرت جنگل میں جا کر اژدھا سانپ پکڑ کر لاتے۔ پھر اسے ہاتھوں میں پکڑ کر لوگوں کے مجمع میں دکھانے کے لیے لاتے تھے کہ جیسے لوگوں سے گدائی میں کچھ مل جائے۔ پھر جو کچھ بھی ملتا تھا وہ لا کر فقرا کے سامنے رکھتے تھے۔

روایت ہے کہ حضرت جی جب بھی کسی ضعیف یا کمزور کو دیکھتے تھے تو اس کی حاجت روائی کے لیے اس کے پاس ضرور جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک عورت کو دیکھا جو چٹائی بنا رہی تھی۔ آپ کو بہت ترس آیا خود جا کر اس کی جگہ بیٹھ گئے اور چٹائی بنانے میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت کے حاکم مرزا جانی بیگ کا امیر قاسم چرکس وہاں سے گزرا آپ کو دیکھتے ہی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا لیکن حضرت جی نے تب تک اس کی طرف توجہ نہ کی جب تک چٹائی بنا کر تیار نہ کی۔

کہتے ہیں کہ کبھی کبھار کچھ عورتیں اپنی پرانی چادریں یا دوپٹے حضرت کے پاس لاتیں کہ وہ سی کر دیں۔ آپ کچھ بھی نہ بولتے تھے بلکہ وہ واقعی سی کر دیتے تھے اس لیے آپ کے حجرے کے ایک کونے میں ایسے پرانے کپڑوں کا ڈھیر لگا رہتا تھا۔

منقول ہے کہ حضرت ہمیشہ فقیر اور گدائی والے کھانے کو بہتر سمجھتے تھے اور وہی کھاتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ اگر کوئی آدمی دودھ اور مکھن لاتا تھا اور دوسرا گدائی والا کھانا، تو آپ دودھ اور مکھن کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے تھے بلکہ وہ گدائی والا طعام کھاتے تھے۔ ۱۵۵

کہتے ہیں کہ جب کوئی آدمی حضرت جی کو اپنے گھر دعوت پر بلاتا تھا اور آپ یہ سمجھتے تھے کہ یقیناً وہاں کئی قسم کے طعام تیار ہونگے تو وہاں جانے سے پہلے آپ کچھ فقیروں کو گدائی کے لیے بھیجتے تھے اور وہ فقیر گدائی والا طعام لا کر دعوت والے مقام پر پہنچا دیتے تھے۔ آپ دعوت سے پہلے اس طعام سے نوالے کھاتے تھے تا کہ دل کا حرص مر جائے البتہ پھر ضیافت والا طعام اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے مرید آپ کی خدمت میں جلیبیاں لائے۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو اپنے آدمی کو بھیج کر پیاز منگوائی۔ پھر وہ کڑوے پیاز اور جلیبیاں ایک ساتھ کھانے لگے۔

روایت ہے کہ آپ نے کہا کہ مجھے دودھ اور چاول والی کھیر بہت پسند ہے لیکن میں نے کبھی بھی اپنی مرضی سے تیار کر کے نہیں کھائی ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت اکثر طور پر مہمانوں کا جُھوٹا کھانا کھاتے تھے۔ روایت ہے کہ جب بھی بہاء الدین گوڈڑیو آپ کے پاس آ کر مہمان ہوتے تو اجازت طلب کرنے کے وقت ان کو اپنے گھوڑے پر سوار کرتے تھے اور خود آگے چلتے تھے۔

کہتے ہیں کہ حضرت بھیڑیوں کی اون خود تراشتے تھے اور اس میں سے اپنی چادر تیار کرتے تھے۔

منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے جب یہ سنا کہ طالب کو کھانے سے پرہیز کرنی چاہیے تو میں نے کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ ۱۵۶؎ اس دوران ایک دن مخدوم نوح ؒ کی مجلس میں جانا ہوا۔ آپ نے طعام بھجوایا جو میں نے نہ کھایا جب مخدوم صاحب کو یہ خبر ہوئی کہ میں نے کچھ بھی نہیں کھایا ہے تو مجھے بلایا اور کہا کہ طعام کھانا چاہیے، کیونکہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

"کلوا واشربوا ولا تسرفوا." (سورۃ الاعراف ۷: ۳۱) یعنی کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو' اس کے بعد میں نے کھانے کی عادت کو اپنایا۔

ہالا کے محترم شخص سید لوڈیہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ مغرب کا وقت تھا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا ہے اور آپ مسجد میں داخل ہو رہے ہیں۔ میں آپ کے پیچھے آ رہا تھا۔ میں نے آ کر آپ کو عرض کی کہ قبلہ یہاں کیا لکڑیاں نہیں تھیں جو آپ دور سے وزن اٹھا کر لائے ہیں۔ جواب دیا راستے میں خیال آیا کہ آج رات اس مسجد میں گزارنی ہے اس لیے اپنے ساتھ لکڑیاں ساتھ لایا تا کہ جلا کر رات گزاری جائے۔

کہتے ہیں کہ حضرت کو مرد خواہ عورت جو بھی چلنے کے لیے منّت کرتا تھا آپ ان کے ہاں جاتے تھے اور کوئی عذر نہیں کرتے تھے۔

منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ہمیں کہے کہ میرا مسواک کانہری کے جنگل میں غلطی سے رہ گیا ہے جو ایک دن کے فاصلے پر ہے اب خدا کے واسطے وہ مجھے لا کے دو تو میں لانے کے لیے ضرور جاؤں گا اور اس میں کوئی سستی نہ کی جائے گی۔

منقول ہے کہ کسی شخص کا بیل چوری ہو گیا۔ کافی جستجو اور تلاش کے بعد اس نے بیل کا پتہ لگایا کہ فلاں طاقتور شخص کے پاس کھڑا ہے جس نے بیل دینے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ شخص حضرت کے پاس آیا کہ خدارا میری مدد کریں اور مجھے اس ظالم سے بیل واپس دلائیں۔ حضرت اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے ساتھ اس طاقتور شخص کے پاس آئے۔ اس شخص نے جب حضرت کو دیکھا تو کہنے لگے کہ آپ خود بیل جیسی معمولی چیز کے لیے چل کر آئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اگر کوئی مجھے مسواک جیسی معمولی چیز کے لیے کہے گا تب بھی میں جاؤں گا یہ تو بیل کا مسئلہ ہے۔ اس طرح کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی کام کے لیے آپ کو کوئی اپنے ساتھ لے گیا۔ آپ اس قدر بیمار تھے کہ راستے میں چلنے سے بے حال ہو کر گر پڑے۔ تب مریدوں کو کہا کہ مجھے اس شخص کے پاس لے چلو جس سے کام ہے اور جسے سفارش کرنی ہے۔ ۱۵۷

منقول ہے کہ آپ جب مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے اور وہاں کسی غیر مسلم کا بیٹا بھی آ کر آپ کو کہتا تھا کہ آپ کو ہمارا والد بلا رہا ہے تو آپ فوراً اٹھ کر اس کے ساتھ چلے جاتے تھے لیکن اگر اس طرح دوسری مرتبہ بھی کوئی آ کر کہتا تھا تو آپ اس کے ساتھ بھی چلے جاتے بلکہ ایک سے زیادہ مرتبہ بلانے پر بھی جانے سے نہیں کتراتے تھے چاہے وہ لڑکا سچ بولتا ہو یا جھوٹ!

ایک دن مجلس میں بیٹھے تھے کہ وضو کرنے کے لیے اٹھے اور حجرے کی جانب آنے لگے جہاں مرید خادم بیٹھے تھے۔ آپ ابھی اکیلے ہی کھڑے تھے کہ ایک عورت نے آ کر عرض کی کہ حضرت خدا کے واسطے میرے گھر میں آپ تشریف لائیں۔ حضرت یہ الفاظ سن کر اُس کے ساتھ جانے لگے اور اس کے گھر پہنچے۔ ادھر مریدوں نے جب حضرت کو نہ پایا تو باہر نکل پڑے دیکھا کہ آپ آ رہے ہیں۔ عرض کیا کہ قبلہ کہاں تشریف فرما ہوئے تھے۔ کہنے لگے کہ دروازے پر کھڑا تھا کہ ایک عورت آ کر مجھے اپنے گھر لے گئی۔ ابھی وہاں سے آ رہا ہوں۔ ۱۵۸

کہتے ہیں کہ جب بھی کوئی بات کرتے وقت آپ سے بحث کرتا تھا یا ردوکد کرتا تھا تو آپ اپنی بات کو چھوڑ کر اس کی بات کو قبول کرتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت شیخ جیو علیہ الرحمتہ جن کا مزار مکلی پر واقع ہے کی زیارت کے لیے گئے۔ وہ دن میلے کا تھا اور بڑی مخلوق آئی ہوئی تھی۔ لوگوں نے جب حضرت کو دیکھا تو آپ پر نچھاور ہونے لگے اور آپ کے ہاتھ چومنے اور پاؤں پڑنے لگے۔ اگرچہ آپ کو یہ بات اچھی نہیں لگ رہی تھی کہ لوگ آپ کے ہاتھ چومیں لیکن مجبوراً خاموش رہے اور یا معزیا معز پڑھتے رہے۔

کہتے ہیں کہ جب بھی کسی درویش یا بزرگ کے آنے کا سنتے تھے تو آپ سب سے پہلے خود اس کی زیارت کے لیے جاتے تھے۔

عمر کے آخری دنوں میں جب آپ ضعیف ہو چکے تھے ایک عورت نے فریاد کی کہ فلاں شخص نے میرے بیٹے کو بے گناہ قید کر رکھا ہے خدا کے واسطے چل کر مجھے اپنا بیٹا دلوا دیں۔ حضرت سوار ہو کر اس عورت کی مدد کے لیے نکلے۔ ابھی نصر یہ سومرو گاؤں کے پاس پہنچے تھے جو بھٹورو کے قریب تھا تو آپ بے حال ہو کر گھوڑے سے گر پڑے۔ یہ دیکھ کر اس عورت نے عرض کیا کہ سائیں آپ اپنے گاوں واپس جائیں اور آگے نہ چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم جاؤ اب تمھارا کام ہمارے جانے کے سوا ہو جائے گا۔ اس کے بعد وہ عورت چلی گئی اور اس کا بیٹا آزاد ہو کر واپس گھر لوٹا۔ ادھر آپ جلدی واپس آئے تو مریدوں نے پوچھا کہ قبلہ! آپ عورت کے کام کے لیے نہیں گئے کیا؟ آپ نے جواب دیا کہ میں بالکل گیا تھا لیکن راستے میں گھوڑے سے گر پڑا اس لیے اس عورت نے مجھ پر ترس کھا کر اجازت دی اور میں لوٹ آیا۔ ۱۵۹

ایک مرتبہ آپ کے پاس کوئی حاجت مند آیا کہ میری بھینس فلاں طاقتور آدمی نے زبردستی لے کر اپنے گاؤں بکار میں رکھی ہے۔ آپ میری مدد کو فرمائیں اور اس شخص کے پاس منّت کرنے چلیں۔ آپ جب وہاں پہنچے تو وہ ظالم شخص بظاہر تو بڑی عزت واحترام سے ملا، اگرچہ سمجھ گیا کہ بھینس کے لیے آئے ہیں۔ کہنے لگا کہ ہمارا فائدہ جرم اور گناہ میں رکھا ہوا ہے اور آپ منّت کر کے ہمارا نقصان کرتے ہو۔ ٹھیک ہے، اس مرتبہ تمھاری وجہ سے بھینس لوٹا رہا ہوں۔ دوبارہ ایسی تکلیف مت کرنا۔ آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہ کہو۔ ہمارے ہاں جو بھی خدا واسطے مدد کے لیے آئے گا ہم اس کے ساتھ ضرور آئیں گے۔ تم اپنے نوکروں کو کہہ دو کہ وہ ہمیں نہ آنے دیں اور بے شک دروازے پر لاٹھیاں لے کر کھڑے ہو جائیں، لیکن ہم پھر بھی ضرور آئیں گے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ گاؤں کے چرواہے دریا کے کنارے آگ جلا کر سو گئے۔ صبح صادق کے وقت حضرت وہاں نہانے کے لیے آئے۔ سردی کا موسم تھا اس لیے اس سے بچاؤ کے لیے نزدیک ہو کر گرمائش لینے لگے۔ چرواہوں نے دیکھا کہ کوئی آدمی کھڑا ہے سو اُنھوں نے لاٹھیاں برسانا شروع کر دیں۔ آپ اس وقت کچھ بھی نہ بولے اور ایسے ہی کھڑے رہے۔ جب صبح ہوئی تو روشنی میں حضرت کو پہچانا اور آپ کے قدموں پر گر پڑے کہ ہمیں معاف کر دیں، ہم نے آپ کو نہیں پہچانا اور یہ سب کچھ غلط فہمی میں ہو گیا ہے۔ ۱۶۰ ہم سے واقعی بے ادبی ہوئی ہے اور ہمیں معاف کریں، آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ لاٹھیاں تم نے نہیں ماری ہیں۔ جس نے ماری ہیں، وہ جانتا ہے۔ درمیان میں تمھارا کوئی کام نہیں ہے۔

بیت

ڏوھ نہ ڏسرئوءِ، ڏٺہ جي ڏاتار منھن
ماڻڪين ھٽ ڀريءِ، پاڻا آڏو اسرئوءِ

ترجمہ: وہ کسی گناہ کے سبب نہیں ناراض ہوا۔ کاش تم نے داتا کا دیدار کیا ہوتا وہ تو خود موتیوں سے بھر بھر کر سامنے آ رہا ہے۔

لوگ سُناتے ہیں کہ ایک رات آپ حجرے میں آگ جلا کر سو گئے۔ ایسے میں ایک شخص سونے کے لیے اندر داخل ہوا آپ نے وہ جگہ اس کو دی اور خود دوسری جگہ سو گئے۔ اتنے میں دوسرا شخص بھی اندر داخل ہوا آپ نے اپنی یہ جگہ اس کے حوالے کر دی۔ اس طرح تیسرا شخص آیا اور اس طرح یکے بعد دیگرے دس آدمی ہو گئے لیکن آپ ہر دفعہ اپنی جگہ ان کے حوالے کرتے رہے تا کہ وہ آگ کے نزدیک ہو کر سوئیں۔ آخر صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ خود دس لوگوں کے پاؤں میں سوئے ہوئے ہیں۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا کہ میں حضرت کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ نماز میں کھڑے ہیں اس لیے خاموش ہو کر کونے میں بیٹھ گیا البتہ ہر وقت آپ کی طرف دیکھتا رہا تا کہ صبح ہو۔ پھر آپ جلدی نماز مکمل کر کے فارغ ہوئے۔ کہنے لگے لوگ پتہ نہیں کس طرح تہجد ادا کرتے ہیں۔ ہمیں تو ایک رکعت میں ہی رات ختم ہو جاتی ہے۔

ایک مرید سے منقول ہے کہ میں مسلسل کئی راتیں حضرت کی خدمت میں آتا رہا۔ ہر رات حضرت کو نفل نماز میں مشغول اور زار و قطار روتے دیکھا۔ آپ اتنے تضرع سے کھڑے ہوتے تھے کہ ایک رکعت میں ساری رات گزر جاتی تھی۔ صبح کو جب جاگ کر حجرے سے باہر آتے تھے تو سید ھا دریا کا رخ کرتے تھے۔ اگر آپ کے پاس گھوڑا موجود ہوتا تو اس پر ورنہ گدھے پر سوار ہو کر گھر آتے تھے۔[161]

کہتے ہیں کہ حضرت اکثر عشا کی نماز کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ رات کو نفل کی پہلی رکعت میں ایک ہزار مرتبہ قل پڑھتے ہیں اور دوسری رکعت میں سات سو مرتبہ۔ یوں رات ختم ہو جاتی ہے۔

منقول ہے کہ حضرت بھوک کی شدت کے سوا طعام کے قریب نہ آتے تھے بلکہ جب طعام آپ کے سامنے آتا تھا تو مریضوں کی طرح آہستہ آہستہ دو انگلیوں سے کھاتے تھے اور تھالی کو چاٹ کر صاف کرتے تھے۔

فصلِ دوم

خدمت اور سخا کے بارے میں

حضرت کی سخا اور شرافت کا اتنا ذکر ہے کہ بیان کرنے سے باہر ہے بلکہ یہ نادانی ہوگی اگر میں یہ دعویٰ کروں کیونکہ مجھے اتنی اہلیت نہیں کہ میں آپ کی سخاوت کا مکمل بیان کرسکوں۔ بہر حال اپنی توفیق وصلاحیت کے مطابق اس کا تھوڑا سا بیان یہاں کیا جاتا ہے کہ جس سے پڑھنے والے اور سُننے والے اور اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے مشت از خروار اس سے فائدہ اٹھائیں۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ ایک دن میں ایک دوست کے ساتھ حضرت جی کی خدمت میں قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ وہ نمازِ ظہر کا وقت تھا۔ ہم نے سارے دن میں کچھ نہ کھایا تھا بھوک نے بے حال کر رکھا تھا۔ آپ کے سامنے رات کو گدائی کیے ہوئے چاول موجود تھے جو کھانے کے لیے پیش کیے۔ رات سے رکھے ہوئے اور دودھ میں ملے ہوئے چاول کچھ بو کر گئے تھے لیکن کیونکہ حضرت کا جُھوٹا تھا اس لیے کھانے بیٹھ گئے لیکن کھا نہ سکے۔ آپ یہ دیکھ کر بات سمجھ گئے اور فوری طور پر مکھن اور روٹیاں منگا کر ہمیں دیں اور وہ برتن واپس لے کر کہنے لگے کہ یہ ہمارے لیے چھوڑ دو۔ تم روٹی کھاؤ۔ ہم روٹی پر ٹوٹ پڑے۔ ہمیں کہنے لگے کہ خدا کے واسطے ہاتھ نہ ہٹانا۔ ہم نے دوبارہ کھانا شروع کیا لیکن جب بھی ختم کرنے پر آتے تو پھر ہمیں کہہ رہے ہوتے تھے کہ کھاؤ۔ آخر لاچار ہو کر ہاتھ کھینچ لیا اور بچی کھچی روٹیاں کپڑے میں باندھ کر عرض کیا کہ قبلہ ہم نے سب روٹیاں کھا کر ختم کردی ہیں تو آپ نے دوسری روٹیاں منگوائیں۔ کہنے لگے کہ رکابی خالی پڑی ہے کچھ بھی نہ بچانا مجبور ہو کر جو بچی کھچی روٹیاں باندھ لی تھیں وہ آپ کے سامنے ظاہر کیں تب جا کر آپ کو یقین آیا کہ ہم شکم سیر ہو گئے ہیں۔[۱۶۲]

روایت ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت کسی اور بزرگ کے ساتھ کسی کام کی خاطر ساتھ کے گاؤں روانہ ہوئے۔[۱۶۳] وہاں جس جگہ ٹھہرے تو آپ ہر روز صبح کو اٹھ کر سب سے پہلے لکڑیاں جمع کرنے جنگل چلے جاتے تھے۔ آپ جتنے دن بھی وہاں ٹھہرے یہی معمول تھا۔ اگرچہ دوسرے بزرگ جو آپ کے ساتھ تھے وہ بہت شرمندہ ہو رہے تھے کہ آپ ایسا نہ کریں۔

منقول ہے کہ ایک دن کسی نے آپ سے سوال کیا تو آپ اس کو ایک دکان پر بٹھا کے گاؤں میں گدائی کے لیے نکل پڑے۔ آپ کو جو بھی ملا وہ لا کر اس شخص کے حوالے کیا۔ پھر دوبارہ بھی اسے کہا کہ کہیں بھی نہ جانا۔

اُسے یہ کہہ کر آپ ایک دوسرے گاؤں میں چلے گئے اور جتنا اناج بھی کندھوں پر اٹھا کر لائے وہ فقیر کے حوالے کیا۔

کہتے ہیں کہ حضرت ڈھائی سیر کی ایک روٹی پکواتے تھے اور مہمانوں کے سامنے تین تھالیوں میں طعام لے جاتے تھے۔ ایک مہمان کے لیے چار بندوں کا کھانا پیش کرتے تھے۔ آپ پتلی روٹی یا چپاتی کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ چپاتی ایسے لوگ کھلاتے ہیں جو مہمان سے حساب کتاب رکھتے ہیں کہ اتنی روٹیاں کھائی ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت فرماتے تھے کہ جب تک مہمان اتنا کھانا نہیں بچاتا کہ اس کا بچا ہوا کھانا کھا کر دوسرا شکم سیر ہو تو کہا جائے گا کہ اس نے مہمان داری کا حق ادا نہیں کیا۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حاجی شورو جو ورہ گاؤں جون پرگنے کا رہنے والا تھا آ کر آپ کے پاس مہمان ہوا۔ آپ سارا دن کئی اقسام کے طعام پیش کرتے رہے۔ آخر حاجی شورو خاموش نہ رہ سکا اور کہنے لگا کہ اتنے طعام کیوں لاتے ہو میں تو پہلے ہی ۱۶۴ شکم سیر ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے البتہ تمھاری مرضی کھاؤ یا نہ کھاؤ۔

منقول ہے کہ جب حضرت کے پاس مہمان ہوتے تھے تو طعام کھاتے وقت مہمان کے پاس کسی دوسرے شخص کو نہیں چھوڑتے تھے بلکہ دروازہ بند کر دیتے تھے اور فرزندوں اور خادموں کو کہتے تھے کہ یہاں سے چلے جاؤ اور اُنھیں کہتے تھے کہ جب مہمان کے سامنے دوسرا شخص ہوگا تو مہمان کھانے میں شرم کرے گا اور سمجھے گا کہ یہ آدمی نوالے گن رہا ہے۔ اس طرح جب کوئی مہمان کھانا بچاتا تھا تو آپ بہت ہی شرمساری سے مہمان کو کہتے تھے کہ شاید تمھیں ہمارا کھانا پسند نہیں آیا کیونکہ تم نے بچایا ہے اور سارا کھانا نہ کھایا ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت نے خربوزوں کی کاشت کی اور کہنے لگے کہ جب وہ تیار ہوں گے تو ان میں سے جو آمدنی ہوگی وہ سب فقرا کو دیں گے۔ جب وہ تیار ہوئے تو ان میں سے پانچ سو روپے کی آمدنی ہوئی آپ نے وہ سب خدا کی راہ میں خرچ کر دی۔

کہتے ہیں کہ ایک دن مخدوم نوح رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت کو سلام بھجوائے۔ آپ اتنے خوش ہوئے کہ ایک گائے ذبح کر کے فقرا کو کھلائی اور کہنے لگے الحمدللہ ہم کو ایسے شخص نے سلام بھیجے ہیں جو اپنے فرزندوں کو بھی نہیں پہچان سکتا۔

ایک مرتبہ کوئی عورت روٹیاں پکا کر حضرت کے لیے لائی۔ ۱۶۵ آپ نے اس کی بہت عزت کی اور بہت خوش ہوئے۔ فرمانے لگے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ کچھ لے آئے تو اس کی تعریف کرنی چاہیے۔

کہتے ہیں کہ جب میاں ابراھیم مخدوم نوح کا بیٹا آپ کے گاؤں میں آ کر رہا تو آپ اکثر ان کے پاس جاتے تھے اور جب ان کے پاس لکڑیاں نہیں دیکھتے تو جنگل کا رخ کرتے تھے اور لکڑیاں چن کر ان کو دے آتے۔ کبھی کبھار مرید خادم بھی اس کام میں آپ کی مدد کرتے تھے۔

باب چہارم

محبت، شوق، وجد اور سماع کے متعلق

زمانے کا قطب، وقت کا شیخ، مریدوں کا حامی، یعنی سید عبدالکریم سندھی قدس اللہ سرہ نے جو فرمایا، یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں محبت اور شوق کا ذکر جب کہ دوسری فصل میں وجد اور سماع کا بیان ہے۔

فصلِ اوّل

محبت اور شوق

اس حقیر کو کیا طاقت اور مجال ہے کہ حضرت کی محبت کے کسی حصے کو بیان کر سکے ۱۶۶؎ کیونکہ اس کی حد کی انتہا نہیں ہے کہ جس کا لفظوں میں بیان ہو سکے۔ جیسے مطلوب کی کوئی انتہا نہیں ہے ویسے طالب کی کوئی انتہا نہیں ہے یا جیسے محبوب کی غایت نہیں ویسے محبت اور محبت کرنے والے کی انتہا نہیں۔ بہر حال یہاں کچھ باتیں یا نقول جو مخلص مریدوں سے سننے میں آئی ہیں ان کا بیان پیش کیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت مسلسل جنگل میں جاتے رہتے تھے۔ ایک دن کسی فقیر نے جو حضرت کے بالکل قریب تھا اس نے آپ کو کہا کہ اگر آپ جنگل میں نہ جائیں تو بہتر ہے۔ وہاں شیر اور دوسرے خون خوار جان ور ہیں۔ آپ نے جب یہ الفاظ سنے تو اور بھی زیادہ دور کے جنگل میں جانے لگے اور زیادہ محبت اور چاہ سے وہاں گھومنے لگے گویا پہلے والا خوف بھی اتر گیا اور آپ زیادہ بے خوف وخطر ہو کر خطرناک مقامات پر جانے لگے جہاں شیر کی رہائش تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آپ کی خواہش تھی کہ شیر کھا جائے لیکن آخر آپ کو کچھ بھی نہیں ہوا اور کسی بھی چیز نے تکلیف نہ پہنچائی۔

بیت

متو واھڙ ڪن ڪري، ساڀيون ۽ ساج

پرين نہ پئا ين مُر، مون پائيندي واجھہ

ترجمہ: دریا مست ہو کر گرداب بنا رہا ہے اور ساز یعنی جال بھی تیار ہیں۔ ایسے میں، میں نے اپنے محبوب کو بہت تلاش کیا لیکن وہ مجھے مل نہ سکا۔

لوگ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ صبح سویرے حضرت مسجد کی دیوار سے رسی باندھ کر ایک بیت بار بار پڑھ رہے تھے لیکن ساتھ ہی مسلسل رو رہے تھے اور شدتِ محبت سے آنسو رخسار پر گر رہے تھے۔ جب دو پہر گزری تب بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ کافی دیر ایسے ہی زمین پر پڑے رہے اور آپ پر گریہ کی حالت طاری تھی۔ کافی دیر کے بعد جب ہوش میں آئے تو یہ بیت پڑھنے لگے۔

بیت

جونري اتي جن، داغ تنهنجو داسڙا

تون ڪيئن متان تن، چنيسر چت ڪٽين

ترجمہ: اے داسرا! جن کے جگر پر تیرا داغ ہے اے چنیسر تو اُنھیں کیسے بھول سکتا ہے؟

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک ضعیف بڈھا اور لنگڑا شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا کہ دعا کریں کہ خدا کی پہچان نصیب ہو۔ آپ نے اُنھیں نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ خاموش رہو اور ایسی بات دوبارہ نہ کرو مبادا دونوں ٹانگیں چلی جائیں اور اٹھنے بیٹھنے سے بھی محروم ہو جاؤ۔

ایک خادم سے منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ خدائے عزّ وجل کے عاشقوں کے حجرے جہنم کے نچلے حصے میں ہوں گے۔

ایک مرید سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت اپنے گاؤں واپس آرہے تھے اور میں آپ کے ساتھ تھا۔ کافی دیر تک آپ کچھ بھی نہ بولے۔ محبت اور شوق کا اتنا غلبہ تھا کہ آپ کو راستے کا بھی ہوش نہ رہا کہ کس طرف جا رہے ہیں۔ ۱۶۸ میں آپ کے ساتھ چپ چاپ چل رہا تھا اور اتنا بھی نہ بول سکا کہ راستہ اِس طرف ہے یا اُس طرف ہے۔ اس طرح چلتے ہوئے ایک گہری کھائی میں پھنس گئے کہ وہاں سے نکلنا مشکل ہو گیا۔ آخر کار بڑی مشکل سے نکل کر دوبارہ راستے پر پہنچے تاکہ کسی طرح گاؤں میں داخل ہوں لیکن اس کے باوجود آپ کو پتہ نہ چلا کہ گھر کے نزدیک آ گئے ہیں۔ آپ ابھی بھی سیدھا آگے جا رہے تھے۔ جب یقین ہوا کہ گاؤں چھوڑ کر پھر کہیں آگے نکل جائیں گے تو مجبوراً دوڑ کر میں آپ کے آگے آ گیا تب جا کر ہوشیار ہوئے اور اپنے گھر کا رخ کیا۔

بیت

ڪن ڪلاچي پار، سڏ سڄي نه سائين

گهاتوئن سندا مڪڙا، ڪي ٽڙ ٻي نهار

ترجمہ: کلاچی کے گرداب کے اس پار ساتھیوں کی پکار سننے میں نہیں آتی اس لیے ملاحوں کی کشتیاں کسی دوسرے بندر پر جا کر دیکھ۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت کو اماموں کا قصہ دل میں آیا اور آپ زار و قطار رونے لگے۔ اس کے

بعد مراقبے میں چلے گئے اور پھر جب گردن اوپر اٹھائی تو امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام لیا لیکن پھر بھی گریے میں چلے گئے۔ اس طرح مراقبے میں جاتے رہے اور امام کا نام لے کر ہر مرتبہ ہائے ہائے اور افسوس کرتے رہے، اتنا روئے کہ رونے کے سبب بات نہیں کر سکتے تھے۔

بيت

گھوري بي نہ تات، ميهار ئي من ۾

جو پڻ پيئي رات، هو سائر هوءُ سهڻي

ترجمہ: اسے اور کوئی بات یاد نہیں ہے فقط مہینوال کو یاد کر رہی ہے۔ جب رات ہوتی ہے تو پھر وہی دریا وہی سوہنی۔ [۱٦٩]

کہتے ہیں کہ ایک دن کوئی عورت حضرت کے پاس آئی اور اپنے خاوند کی شکایت کرنے لگی کہ مجھے بڑے دکھ دیتا ہے اور نماز پڑھنے سے بھی منع کرتا ہے۔ یہ سن کر آپ پر الٰہی محبت اور شوق نے غلبہ کیا اور اشتیاق کے آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔ اس وقت آپ کی زبان پر یہ بیت جاری ہوا۔

بيت

هوت نہ ڏنائون، ڏوهہ نہ ڏيان جيڏين

مٿي ڪري هٿڙا، هوند مون جيئن رنائون

ترجمہ: ہم جولیوں پر کون سا الزام دیا جائے جنھوں نے محبوب کو دیکھا ہی نہیں ورنہ میری طرح وہ بھی سر پر ہاتھ رکھ کر روتیں۔

منقول ہے کسی مرید نے حضرت کو عرض کیا کہ ایک بزرگ تھا جو بارہ سال مسلسل الٰہی محبت میں محو، آسمان میں آنکھیں ڈال کر ایک جگہ کھڑا رہا۔ آپ نے فرمایا کہ جو اس نے دیکھا تھا وہ اگر ہم دیکھتے تو چوبیس سال ایسے ہی کھڑے رہتے۔

بيت

مجاڪئا مُهان، ڪُلين مٿي ڪينرا

سپڙ جام سيٽان، ويهي رات ورنئو

ترجمہ: ان کے منہ دمک رہے ہیں اور کاندھوں پر ساز رکھے ہیں کیونکہ سپڑ جام نے ان کے ساتھ بیٹھ

کرامات بتائی ہے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خود بیٹھے تھے کہ اتفاق سے یہ مصرعہ آپ کی زبان سے نکلا۔

ھ کنهن سر سندا اهنجهڙا، ڪٿي تا چٽن

ترجمہ: وہ ہنس کس چشمے سے چلے ہیں اور کہاں پر آ کر دانے چُگ رہے ہیں۔[۱۷۰]

یہ مصرعہ کہتے ہوئے آنکھوں سے محبت اور شوق کے آنسو بہنے لگے اور آپ کے رخساروں پر قطروں کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ آپ پر اس قدر گریے کی کیفیت طاری ہوئی کہ دوسرے مصرعے کہہ نہ سکے۔

ایک مرتبہ چلتے ہوئے حضرت کا پاؤں پھسل گیا۔ اس وقت جو مرید آپ کے ہمراہ تھا اس نے عرض کیا کہ آپ اپنے فرزند کو ساتھ رکھیں تو بہتر ہوگا۔ آپ فرمانے لگے کہ ایسا نہ کہو بلکہ کہو کہ فقرا کے ساتھ رہو اور جیو۔

کہتے ہیں کہ نیچے دیا ہوا شعر حضرت نہایت سوز اور گداز بلکہ بے انتہا محبت اور شوق سے بار بار دہراتے تھے۔

بیت

آيل سوهڻو رڏ، سهڻي ڪام وسهي
ستي هئڙا گڏ، جان جاڳان تان ناهه پرين

ترجمہ: اے ماں! سپنے دیکھنا بے کار بات ہے۔ ان پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ نیند میں ساتھ تھے۔ جب بیدار ہوئی تو کیا دیکھوں کہ محبوب ہے ہی نہیں۔

فصلِ دوم

سماع اور وجد کے متعلق

سماع اور وجد کے بارے میں حضرت کے متعلق بہت زیادہ حکایات ہیں لیکن ہم یہاں مختصر طور پر چند واقعات بیان کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جوانی کے زمانے میں حضرت سماع کر رہے تھے تو اتفاق سے قوال نے یہ شعر کہا:

بیت

اکڙيون ملير ۾، جنين راتو ڏينهن

عمر آسائن سين، هاڻي ڪندين ڪيئن

ترجمہ: وہ جن کی آنکھیں رات دن (اپنے دیس) ملیر کی طرف لگی ہیں۔ایسی امید رکھنے والوں کے ساتھ اے عمر تم کیا کرلو گے؟

''کہتے ہیں کہ یہ شعر سننے سے حضرت پر شوق اور وجد نے اتنا غلبہ کیا کہ جولباس سر اور کاندھوں پر تھا وہ اتار کر قوال کو دے دیا اور خود عریاں پشت حجرے میں چلے گئے اور آ کر مراقبے میں بیٹھ گئے۔قوال نے وہ چادر واپس کرنے کی کوشش کی جس پر آپ نے کہا کہ واپس نہیں لیں گے۔اے ابلکہ ان سے کہا کہ دس کاسے غلے کے گھر میں پڑے ہیں وہ بھی دیتا ہوں۔میرے پاس صرف اتنا ہی موجود ہے جو دے سکتا ہوں۔ پھر ایک مرید کو کہنے لگے کہ گھر سے دس کاسے غلے کے لے آ کر قوال کو دے دو۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت سماع میں مشغول تھے کہ اتفاق سے دوسرے قوال کا ایک شعر آپ کے کانوں میں پڑا۔ سنتے ہی زمین پر گر پڑے۔سب نے سمجھا کہ اس فانی دنیا سے رحلت کر گئے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد قوال نے دوسرا شعر پڑھا۔ جب وہ آواز کانوں تک پہنچی تو ہوش آیا اور پھر آپ سماع میں مشغول ہو گئے۔

فرمانے لگے کہ کچھ لوگوں نے علم پڑھا، کچھ لوگوں نے دوسرے کام سیکھے لیکن میں نے صرف سماع سیکھا اور دوسری کسی چیز کا خیال نہیں کیا۔

ایک مرتبہ سماع کرتے ہوئے وجد اور حال نے غلبہ کیا اور اس عالمِ جذب میں الٰہی محبت اور شوق آپ کے جسم کی رگ رگ میں سرایت کر چکے تھے۔ ایسی حالت میں آپ نے یہ شعر پڑھا:

بیت

ڏيهه ڏيهائين ناهه، جتي پير نه پکيان

تتي ڪاهوڙيان، ور ڏيئي وڻ چوندیا ۱۷۲

ترجمہ: یہ دیس دوسرے دیسوں جیسا نہیں یہاں پرندوں کے پیر تک نہیں پہنچتے لیکن ایسی جگہ بھی متلاشی انسانوں نے بار بار درختوں سے پھل چنے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جو بزرگ اس جگہ حاضر تھے ان سب نے کہا کہ حضرت نے نہایت اعلیٰ شعر کہا ہے۔ جب آپ نے یہ خبر سنی کہ بزرگ یہ کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ شعر تو آسان تھا البتہ یہ شعر سمجھنا چاہیے۔

مون پريان جا پکڙا، تهان پري ٿيا

ترجمہ: میرے محبوب کا مکان ابھی اس سے بھی دور ہے۔

یہ مصرعہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ ایسے سماع کی نشست شاذ و نادر ہوئی ہوگی جس میں حضرت خود حاضر ہوں اور اپنی چادر اتار کر قوال کو نہ دی ہو البتہ ایک مرتبہ خود سماع میں مشغول تھے اور جب فارغ ہوئے تو آپ کے پاس کوئی چادر نہ تھی کہ قوال کو دیں۔ اس تجسس میں آپ ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ آخر ستر پیسے دے کر ایک دوسرے شخص سے چادر لی اور وہ قوال کے حوالے کر کے پھر گھر آئے۔

فرمایا کہ سماع ایسا علم ہے جس میں ہرگز کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آپ جب بھی سماع کی محفل میں جاتے تھے تو مریدوں اور خادموں کو کسی اور کام کے لیے نہیں کہتے تھے بلکہ اُنھیں بھی ہدایت کرتے تھے کہ سماع میں مشغول ہو جاؤ۔ کہتے ہیں کہ آپ اگر رات کو سماع شروع کرتے تھے تو صبح کو فارغ ہوتے تھے اور وہ سارا وقت مسلسل سماع جاری رہتا تھا اور دوسرا کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

روایت ہے کہ حضرت کبھی بھی باہر یا دور سے کھڑے ہو کر سماع نہیں دیکھتے تھے بلکہ جیسے ہی سماع کی آواز کانوں میں پڑتی تھی تو مردوں کی طرح کمر باندھ کر بیچ میں آ کر بیٹھتے تھے اور سماع میں شروع ہو جاتے تھے۔ فرمایا کہ سماع کرنے سے مردہ بھی زندہ ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سماع کو چھوڑ کر اگر کوئی مرید آپ کے

پاس آتا تھا تو اس کو منع فرماتے تھے کہ سماع کو چھوڑ کر میرے پاس نہ آ ؤ اور جا کر سماع میں شامل ہو جاؤ۔ ۱۷۴

راوی بات کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ فقیر سماع چھوڑ کر ذکر کرنے لگے۔ حضرت خود وہاں کھڑے تھے اور ان کی طرف تیکھی نگاہوں سے دیکھ کر کہنے لگے کہ کیا سماع ذکر نہیں تھا؟ جسے چھوڑ کر ذکر میں مشغول ہو گئے۔

منقول ہے کہ آپ نے کہا کہ سماع میں حصہ لینے والے دو اقسام کے ہیں ایک کی مثال دوہنے والے جیسی ہے دوسرے کی مثال پینے والے کی طرح ہے۔ دوہنے والے وہ ہیں جو سماع کرتے ہیں اور پینے والے وہ ہیں جو کھڑے ہو کر سماع دیکھتے ہیں لیکن دل کے حضور سے اس میں حصہ بھی لیتے ہیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ ٹھٹھہ کی ایک خانقاہ میں بیٹھے تھے کہ وہاں ایک فقیر آیا۔ بیٹھنے کے بعد اس فقیر نے ایک شعر پڑھا۔ آپ نے جیسے ہی وہ شعر سنا تو آپ پر وجد اور حال طاری ہو گیا۔ بس پھر آپ سماع میں شروع ہو گئے اور وہاں پر جو آپ کے مرید موجود تھے اُنھوں نے بھی آپ کی خاطر سماع شروع کر دیا۔

منقول ہے کہ آخری دنوں میں جب آپ زیادہ ضعیف ہو گئے تھے تب بھی ہمیشہ آدھی رات کو اٹھ کر سندھی شعر گنگناتے تھے۔ صبحِ صادق کو جب فقیر آ کر آپ کے حجرے کے باہر جمع ہوتے تھے تو وہ بھی اسی طرح شعر کہتے تھے اور سماع کرتے تھے۔

واللہ اعلم بالصواب.

باب پنجم

توحید اور اس کی تشریح

اولیا کے ممدوح، بلند قد آور، دلوں کا سرور، تاریک راستے کی روشنی، زاہدوں کے گروہ کا شرف۔ حضرت سید عبدالکریم خدا اُن کی قبر کو منور کرنے توحید کے متعلق جو کچھ بھی کہا یا ان کی تشریح کی پیشِ خدمت ہے۔ ۱۷۵

اس خاکسار فقیر کو کیا طاقت کہ جو روشنی حضرت نے پھیلائی ہے اس کے کسی حصے کو بھی کماحقہٗ بیان کر سکے البتہ دوستوں کی فرمائش کی تکمیل کی خاطر جو کچھ باتیں سننے میں آئی ہیں اُنھیں ترتیب دے کر پیش کیا جاتا ہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ

'العاقل يكفيه الاشاره'

عقل والے کے لیے اشارہ کافی ہے۔

فرمایا کہ ٹیڑھا آدمی ایک چیز کے بدلے دو دیکھتا ہے۔ یہ نقص خود اس میں ہے لیکن الزام دوسروں پر دیتا ہے۔

بیت

پائیون جان نہ کجنھ روئي ڌوئي اکڙيون

جر ڪجر جن اکين ۾ سي ڪيئن پرين پسن

ترجمہ: جب تک آنکھوں کو رو دھو کر صاف نہ کیا جائے تب تک وہ آنکھیں جن میں آلودہ پانی ہے، وہ محبوب کو کس طرح دیکھ سکیں گی؟

فرمایا کہ خدا کی ذات سورج کی مثال ہے۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے پرتو کی طرح ہیں اور دوسری موجودات آپ کا سایہ ہیں۔ سائے کا انحصار پرتو پر ہے اور پرتو کا انحصار سورج کے وجود پر ہے، یہ مثال ہے خدا تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دوسری موجودات کی۔ اب اگر کوئی کہے کہ یہ ساری

روشنی سورج سے ہے تو سچ کہا لیکن اگر یہ کہے کہ یہ روشنی سورج کی ہے اور وہ نظر نہیں آتا تب بھی سچ کہا جیسا کہ کہا گیا ہے: ٦٧١

عالمی چیست برزخی جامع
صورتِ خلق حق درو واقع
عالمی نیست ولی ہست نما
حق ہست ولی نیست نما

ترجمہ: یہ عالم کیا ہے؟ ایک ملا جلا برزخ، جس میں مخلوق اور حق دونوں کی صورت واقع ہے۔ عالم ہے ہی نہیں لیکن لگتا ہے کہ ہے۔ حق ہے لیکن دیکھنے میں نہیں آتا۔

تشریح: اگر جلتی ہوئی لکڑی ہاتھ میں اٹھا کر چاروں طرف گھمائی جائے تو آگ کا ایک گول دائرہ نظر آئے گا۔ ہر ایک سمجھے گا کہ یہ آگ کا دائرہ ہے لیکن جب اسے گھمانا بند کیا جائے تو وہ لکڑی نظر آئے گی۔ یہ عالم یا جہاں بھی اس آگ کے دائرے کی طرح ہے جو لوگوں کو اس طرح نظر آتا ہے لیکن اصل میں جو ہے وہ خود ہے۔

فرمانے لگے کہ کثرت کو نظر میں نہیں لانا چاہیے کیونکہ سب وحدت ہے۔

تشریح: اگر آم کی گٹھلی لگائی جائے گی تو کچھ عرصے کے بعد اس سے آم کا پودہ پتوں اور ٹہنیوں کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ اس طرح مختلف اقسام پیدا ہوتے ہیں لیکن سب کا اصل یا شروعات وہ گٹھلی یعنی بیج ہے جو شروع میں لگایا گیا اور درخت ہونے کے بعد جب اسے ڈھونڈا جائے گا تو ہرگز نہیں ملے گی۔

فرمایا کہ جو کچھ ظہور پذیر ہوتا ہے وہ سب وہ ہی ہے یعنی ہمہ اوست، ان لباسوں میں خود کو ظاہر کیا ہے۔ یہ خلق کے جو مختلف نام ہیں وہ سب آپ کے نام ہیں۔

آں پادشاہ اعظم دربستہ بود محکم
پوشیدہ دلق آدم ناگاہ برسر آمد

ترجمہ: وہ عظیم بادشاہ جو اپنی جگہ محکم اور مضبوط تھا اچانک آدم کے لباس میں آ کر ظاہر ہوا۔

اس کے بعد قاضی قادن رحمتہ اللہ علیہ کے یہ اشعار پڑھے:

بيت

’لا‘ لاهيندي ڪن ڪي «لا» موراهين ناهه

باءِ ري پريان، ڪٿ نه ڏسجي ڪي ھو 177

ترجمہ: ’لا‘ کہہ کر کس کس کا انکار کرو گے۔’لا‘ دراصل ہے ہی نہیں۔خدا کی قسم محبوب کے سوا کسی جگہ بھی اور کچھ نظر نہیں آتا۔

بيت

’لا‘م لوڙي ڪير، ’الا‘م لاھ لک سين

جو مظهر سندو ماڙهئين، تنهن ڪيئن ڪري وڌ

ترجمہ: لفظ ’لا‘ کو نہ چھوڑ اور ’الا‘ کے لفظ کو بھی ایک لمحے کے لیے نہ بھول۔ وہ جو انسانوں کا مظہر ہے اسے کس طرح تُو الگ کر سکتا ہے؟

بيت

سائر ڏيئي لٽ، اوچي نيچي ٻوڙئي

هيڪائين هيڪ ٿيو ويئي سڀ جهت

ترجمہ: دریا نے سب نشیب وفراز ڈبو دیئے، ہر طرف ایک جیسا ہو گیا سب اطراف گم ہو گئے۔

اس شعر کے جواب میں حضرت نے فرمایا:

بيت

سائر ڏيئي نه لٽ، اوچي نيچي سڀ ڪي

نابودي نا ٿئي، اي ناديدي جهت

ترجمہ: دریا ہر ایک نشیب وفراز کو ختم نہیں کرتا کوئی بھی طرف نابود نہیں ہوتی گرچہ دیکھنے میں نہیں آتی۔

تشریح: جب دریا کسی طرف رخ کرتا ہے تو وہاں موجود گھاس یا ہریالی اس طرح ڈوب جاتے ہیں کہ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ دراصل اس پانی کے بہاؤ کی وجہ سے یہ ہریالی ختم نہیں ہوتی یعنی نابود نہیں ہوتی۔ اسے ہستی حاصل ہے، البتہ فقط نظروں سے غائب ہو جاتی ہے۔ 178

فرمانے لگے کہ ولیوں پر یہ نام اس لیے پڑا کہ وہ خدا کا نام ہے یعنی آدم کی صورت میں اظہار کیا ہے اور اپنی صفات کی پوشاک بھی اسے پہنائی ہے اس لیے مرید کو چاہیے کہ ہر چیز کو خدا کی طرف سے جانے اور

اپنے پیر کی طرف سے نہ جانے۔

تشریح: پانی اصل میں ایک قسم کا ہے لیکن وہ جب خربوزے یا آم میں پہنچتا ہے تب وہ پھل تیار ہوتا ہے لیکن کھانے کے وقت ہر ایک کہتا ہے کہ یہ خربوزہ ہے یا آم ہے اور یہ خیال نہیں کرتا کہ اگر پانی نہ ہوتا تو یہ پھل نہیں پک سکتے تھے۔ مطلب یہ کہ اصل میں وہی پانی ہے لیکن جب مختلف چیزوں میں ظہور کیا تب ہر ایک سے الگ الگ لذت اور مزہ آیا اور لوگ اصل سے غافل ہو گئے۔

فرمانے لگے کہ بندہ آلہ ہے اور حق تعالیٰ اس کا چلانے والا یا فاعل ہے۔

تشریح: بانسری والا جب بانسری بجاتا ہے تب لوگ سمجھتے ہیں کہ بانسری بج رہی ہے لیکن وہ آدمی جو اپنے قلب اور طاقت کے ذریعے اس سے آواز نکالتا ہے تو اُن کے خواب اور خیال میں بھی یہ حقیقت نہیں ہوتی۔ وہ تو سمجھتے ہیں کہ بانسری سے ہی آواز نکل رہی ہے۔

کہنے لگے کہ جو مرید سمجھتا ہے کہ سب کچھ پیر دیتا ہے یا اس سے ملتا ہے وہ بالکل غلط سوچتا ہے۔ جو کچھ بھی ملتا ہے خدا کی طرف سے ہے اور اس سے سمجھنا چاہیے۔

صورت (ذاتِ مطلق) کو صورت (خلق) میں دیکھنا چاہیے۔ اصل میں صورت (خلق) ہے ہی نہیں۔ وہ ہی بغیر صورت ہے لیکن بغیر صورت (ذاتِ مطلق) کو صورت کے سوا نہیں دیکھا جا سکتا۔

تشریح: مختلف رنگوں کی بوتلوں میں پانی ڈالا جائے گا تو ہر ایک بوتل میں پانی اسی رنگ کا دیکھنے میں آئے گا اگرچہ اصل میں پانی ایک ہی ہوتا ہے۔

کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اوّل ارادہ ہوا کہ اپنی صفت عیاں کروں، اس لیے عالم پیدا کیا، پھر جب ارادہ کیا کہ اپنی ذات عیاں کروں تب آدم کو پیدا کیا اور اسے اپنا آئینہ بنایا تا کہ خود کو اس میں دیکھوں۔ ۱۷۹

بیت

کا جا پر پرین، نہ سا سئي نہ ٻڌي

متيون سپ منجھن، انھيءَ ڏٺي قضيي

ترجمہ: دوست کی روش ایسی ہے کہ جو کسی نے نہ سنی ہے نہ سمجھی ہے۔ ایسی حالت دیکھنے سے عقل اور ہوش ختم ہو جاتے ہیں۔

فرمایا کہ کاہے مغز اور کاہے کا چھلکا، سب کچھ وہ ذات باری ہی ہے!

تشریح: جس طرح کوئی باغ لگاتا ہے اسے خبر ہوتی ہے کہ کون سا بیج لگایا ہے اور اس سے کون سا

درخت اُگے گا اور کون سا میوہ پیدا ہوگا عارف کی مثال بھی اس طرح ہوتی ہے جسے ایک وقت سب خبر ہوتی ہے کہ پہلے خدا کی ذات تھی جس نے اپنا ظہور کیا اور بعد میں جب اس ساری موجودات کو فنا کرے گا تو کچھ بھی نہیں بچ پائے گا لیکن اس کی ذات جو ہمیشہ سے ہے باقی رہے گی۔

کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے: "**الآن کما کان.**" یعنی رب تعالیٰ ایسے ہے جیسے پہلے تھا۔

تشریح: دریا کے پانی پر جب حباب ظاہر ہوتے ہیں وہ حقیقت میں حباب نہیں ہوتے اُنھیں یہ نام دیا گیا ہے۔ اصل میں دریا ہے باقی کسی کا وجود نہیں ہے۔

فرمایا کہ دیکھنے میں دو ہیں لیکن اصل میں وہ دو نہیں ایک ہے۔

تشریح: جب کوئی خالی گنبد میں آواز لگاتا ہے تو دوسری طرف سے اسی قسم کی آواز سننے میں آتی ہے۔ سب سمجھتے ہیں کہ وہ کسی اور کی آواز نہیں ہے لیکن حقیقت میں وہ پہلی آواز کی گونج ہے۔

کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے:

"**کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق**"

میں اک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ چاہا کہ پہچانا جاؤں پھر میں نے خلق کو پیدا کیا۔[180]

بیت

پاڻهي سلطان، پاڻهي ڏي سنيهڙا

پاڻ ڪر پاڻ لهي، پاڻ سڃاڻي پاڻ

ترجمہ: خود ہی بادشاہ ہے اور خود ہی پیغام بھیجتا ہے۔ وہ اپنی انتہا کو خود جانتا ہے، اپنے آپ کو آپ ہی پہچانتا ہے۔

کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

'**یاایھا الذین آمنوا**' (سورۃ النساء۴: ۱۳۶)

''اے ایمان والو!'' یہاں بھی اپنی طرف خطاب ہے کسی اور کی طرف مت سمجھو۔

بیت

اسين سڪون جن ڪي، سي تان اسين پاڻ

هاڻي وڃ گمان، صحيح سڃاتا سپرين

ترجمہ: ہم جن کے لیے تڑپتے ہیں وہ تو ہم خود ہیں۔ اب شک گمان دور ہو گیا کہ ہم نے اپنے محبوب کو

صحیح پہچان لیا۔

فرمایا کہ:

لافاعل فی الوجود الااللہ.

یعنی اللہ کے سوا موجودات میں دوسرا کوئی فاعل نہیں ہے۔ کہنے لگے یہ بھی فرمانِ خداوندی ہے کہ میں جس طرح انسانوں کے ساتھ ہوں اس طرح کسی دوسری مخلوق کے ساتھ نہیں ہوں۔

فارسي بيت

عالم نبود ولي حق بود

بعد از ظهور حق عالم شود

یہ جہاں نہیں تھا تو بھی حق تھا حق کے ظہور کے بعد یہ جہاں ہوا۔

کہنے لگے کہ حضرت رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

'**انا احمد بلا میم**' یعنی میں میم کے سوا احمد ہوں۔

فارسي بيت

زد خنده كه من بعكس خوبان جهان

در پرده عيان باشم بي پرده نهان

ترجمہ: وہ مسکرا دیئے اور کہنے لگے کہ میں محبوبانِ جہاں کے برعکس پردے میں ظاہر ہوتا ہوں اور بغیر پردہ کے چھپا ہوتا ہوں۔

فرمایا کہ،

الحقیقت ساری فی الاکوان.

یعنی ذاتِ حقیقت ہر چیز میں موجود ہے۔

تشریح: بارش پڑنے سے جب بارش کا قطرہ سیپ کے اندر جاتا ہے تو وہ موتی بن جاتا ہے لیکن اگر سانپ کے اندر جاتا ہے تو زہر ہو جاتا ہے۔ اس طرح اگر سیم اور تھور والی زمین پر گرتا ہے تو نمک کی طرح جم جاتا ہے حالانکہ بارش کا پانی ایک ہی ہے لیکن مختلف جگھوں پر گرنے سے اس کا اثر یا نتیجہ مختلف ہوتا ہے بلکہ جس چیز کا جیسا ظرف ہے اس سے وہ ہی اثر نکلتا ہے۔۱۸۱

فرمایا کہ تنزیہ اور تشبیہ دونوں ایک بات ہیں حالانکہ دونوں نام مختلف ہیں۔ تنزیہ عینِ تشبیہ ہے اور تشبیہ

عینِ تنزیہ ہے لیکن فقیر کو تنزیہ اور تشبیہ دونوں کو سمجھنا چاہیے کیونکہ پرندہ ایک پر سے نہیں اڑ سکتا۔ تشبیہ کا مطلب ہے کہ موجودات میں جو آنکھوں سے دیکھا جائے کانوں سے سنا جائے یا جو بھی قول وفعل صادر ہو وہ سب خدا کی ذات سے جاننا چاہیے۔ تنزیہ کا مطلب ہے کہ یہ جہان اور اس میں جو کچھ بھی ظہور میں آتا ہے وہ کسی اور سے نہیں جاننا چاہیے لیکن ایسے سمجھا جائے کہ جو کچھ بھی جہان میں موجود ہے وہ سب کچھ وہ ہی ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

تشریح: جیسے کوئی آدمی دُور، سراب دیکھ کر سمجھتا ہے کہ وہ پانی ہے لیکن جب نزدیک جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ جہاں بھی سراب کی طرح ہے لیکن لوگ اسے بڑی چیز سمجھتے ہیں۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہے جو بھی ہے وہ ہی ہے۔

فرمایا کہ خدا تعالیٰ پیر یا مرشد کی آنکھ سے دیکھتا ہے اسے ہرگز غیر سے مت سمجھنا۔

بیت

جنھن سر سندو نور، جیلاھ سو سونھون ٿئي
تیلاھ لین سپرین، ڳالھه لھجي سور

ترجمہ: جس چشمے کا نور ہوتا ہے وہ اس طرف ہی رہنمائی کرتا ہے۔ محبوب کا ملنا بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ ہر بات کا اصل مقصد جاننا چاہیے۔

فرمایا کہ قرب کی دو اقسام ہیں: ایک قربِ فرائض؛ دوسرا قربِ نوافل۔

قربِ فرائض کا مطلب ہے کہ چیز اور اس کا فعل کرنے والا دونوں حق تعالیٰ ہے۔ قربِ نوافل کا مقصد ہے کہ بندہ خود وہ چیز ہو اور فاعل خدا تعالیٰ ہو۔

تشریح: جب دیا روشن ہوتا ہے تو لوگ اس کی بتی اور تیل کی جانب توجہ نہیں کرتے حالانکہ تیل اور بتی کے بغیر وہ روشنی نہیں دے سکتا لیکن عام آدمی اور ہم بھی ایسے ہی سمجھتے ہیں کہ وہ وشنی دیے سے نکل رہی ہے۔ ۱۸۲

فرمایا کہ:

'کل قول قول اللہ و کل فعل فعل اللہ'

یعنی ہر ایک قول خدا کا قول ہے اور ہر ایک فعل خدا کا فعل ہے۔

تشریح: جب ڈھول بجانے والا ڈھول پر تھاپ مارتا ہے تو جو آواز نکلتی ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ آواز

ڈھول سے آ رہی ہے۔ یہ خیال ہی نہیں کرتے کہ اگر اس کا اندر خالی نہ ہوتو وہ آواز کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔ انسان کا شکم بھی اس طرح خالی ہے۔ پھر اگر اس سے کوئی آواز نکلتی ہے تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اس آواز کے کرنے والا کوئی اور ہے۔

تشریح: جب کوئی آدمی خالی۔ دریا کے کنارے پر کھڑے ہوکر پکارتا ہے تو اس کی گونج نشیب سے آتی محسوس ہوتی ہے لیکن لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ آواز کسی جزیرے کے رہنے والے کی ہے۔ اگر وہ دریا بھرا ہوا ہوتا تو یہ آواز کبھی نہیں لوٹتی۔

فرمایا کہ:

سبحان من اظهر الاشياءَ وهو عينها.

پاک ہے وہ جس نے چیزوں کو عیاں کیا اور خود ان کا عین ہے۔

بيت

سوئي هيڏان، سوئي هوڏان، سوئي من وسي
تنهين سندي سوجهري، سوئي سو پسي

ترجمہ: وہی اِس طرف ہے وہی اُس طرف ہے اور وہی دل میں ہے۔ وہی اپنی روشنی سے اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔

فرمایا کہ عارف دو قسم کے ہیں؛ ایک عارف قبل شیءٔ (چیز سے پہلے جاننے والا) اور دوسرا عارف بعد شی (چیز کے بعد جاننے والا)۔ عارف قبل شیءٔ اسے کہا جاتا ہے جو پہلے خدا تعالیٰ کو پہچانے اور بعد میں چیزوں پر نظر کرے اور مظاہر جانے۔ عارف بعد شیءٔ وہ ہے جو پہلے چیزوں کا مشاہدہ کرے اور اس کے بعد ان چیزوں کو خدا کا مظہر جانے۔

فرمایا کہ تصوف یا سلوک کی تحصیل کسی سے نہیں ہوئی ہے۔ سب اس کے جاننے میں عاجز ہوئے ہیں لیکن اگر کوئی دعویٰ کرے کہ یہ علم حاصل ہوا ہے تو وہ غلط کہتا ہے۔[۱۸۳]

بيت

آهي اهجائو پير پريان جو جيڏيون
جنين ساڃائو، تنين تان نہ پروڙيو

ترجمہ: اے سکھیو! محبوب کا پاؤں بے نشان ہے۔ جنھوں نے اسے پہچانا اُنھیں کوئی سمجھ نہیں آئی۔

فرمایا کہ مجھے ایک فقیر نے بتایا کہ باطل کو باطل نہ کہو کیونکہ وہ بھی خدا کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

تشریح: جس طرح دریا کے اندر لہریں اور پانی دو الگ چیزیں لگتی ہیں یا ان کے نام الگ ہیں لیکن اصل میں تو ایک ہیں۔

خدا کا فرمان ہے کہ 'کل شی انا' ہر چیز میں ہوں۔

تشریح: جب کوئی آدمی اپنی انگلیوں پر حساب کرتا ہے اور بیس پر پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ بیس ہو گئے۔ اس طرح گنتا جاتا ہے اور سو پر پہنچتا ہے تو کہتا ہے سو ہوئے۔ پھر ہزار اور آخر ایک لاکھ تک جا کر پہنچتا ہے۔ مطلب یہ کہ اس کے اوپر چلا جاتا ہے شروع بھی ایک سے ہوا اور خاتمہ بھی ایک لاکھ پر ہوا۔

تشریح: جب کوئی باغبان زمین میں بیج ڈالتا ہے تو گویا وہ بالقوہ درخت ہوتا ہے لیکن جب وہ درخت بڑھ کر بڑا ہوتا ہے اور اس سے کئی ٹہنیاں اور میوے نکلتے ہیں تو اس کو بالفعل درخت کہا جاتا ہے۔ اس طرح اس بیج سے مکمل درخت ظاہر ہوتے ہیں جو پہلے زمین پر بویا گیا ہے۔ خدا کی مثال بھی ایسی ہے وہ ہی تھا، ہوگا اور آگے بھی وہی رہے گا۔ گویا سب کچھ وہ ہے۔ (ہمہ اوست)

مثال: ایک آدمی دریا میں پانی کے اندر کھڑا تھا۔ باہر کھڑے شخص نے اس سے پوچھا کہ پانی کتنا گہرا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ یہاں کم ہے لیکن کچھ آگے بہت گہرا ہے۔ اس پر تیسرے شخص نے کہا دریا وہی ایک ہے۔ تم باہر نکل کے دیکھو تو سارا دریا ایک سا نظر آئے گا۔[۱۸۴]

جب شکاری مرغابی پکڑنے کے لیے جھیل میں اترتا ہے تو سر پر پرندے کی شکل بنا رکھتا ہے تا کہ اصل مرغابی اسے دیکھ کر دھوکے سے پھنس جائے۔ پھر واقعی ایسے ہوتا ہے اور وہ مرغابیاں اس شکاری سے بے خبر ہو کر اس شکل کو اصلی سمجھ کر پھنس جاتی ہیں۔ یعنی اُنھیں حقیقت کی خبر نہیں پڑتی۔

فرمایا کہ فرمانِ خداوندی ہے۔

خلق آدم علی صورتہ.

اس ذات نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اس وقت یہ بھی کہا کہ جو کچھ ہے وہ اور جو ہوگا وہ سب اس تین گز والی انسانی صورت میں واقع اور ثابت ہے۔

فارسي بيت

کاري که از خدا ميسر نمي شود
ماخود خدا شويم بر آريم کا رما

ترجمہ: وہ کام جو خدا کی طرف سے میسر نہیں ہوتا آؤ کہ ہم خود خدا بن کر اپنا وہ کام سرانجام دیں۔

فرمایا: خدا تعالیٰ کا فرمان ہے:

'ان اللہ یامرکم ان تؤدو الامانات الا اھلھا. (سورۃ النساء:۴،۵۸)

بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ امانتیں اُنھیں لوٹا دو جوان کے اہل ہیں۔ فرمایا کہ جو چیز بھی ہے وہ سب خدا کی جانب سے سمجھو اس لیے اس کی نسبت بھی اس کی طرف کرو۔

بابِ ششم

انبیاء، اولیاء اور بزرگوں کی حکایات اور دقیق نکات

اہلِ حقائق کا شیخ، گوشہ نشین، اہلِ بدعت کا توڑ، نرم اور نیاز والے، پُرخلوص انسان یعنی مراد ہے حضرت سید عبدالکریم بلڑی والے۔

یہ روایات جو حضرت نے بیان کی ہیں، وہ انتہائی شوق اور محبت پیدا کرنے والی ہیں بلکہ سننے والا اور پڑھنے والا اتنا متاثر ہوسکتا ہے کہ عشق اور محبت کے شعلے اس کے دل تک پہنچ جائیں اس لیے ہم نے ان حکایات کو شعلوں کے عنوان کے تحت پیش کیا ہے، امید ہے کہ طالب ان کے پڑھنے سے خدا کی دوستی اور محبت کی روشنی اور گرمی حاصل کریں گے۔[۱۸۶]

اس باب میں تین فصلیں ہیں: پہلی میں انبیا کی حکایتیں اور آخرت کا احوال، دوسری فصل میں بزرگانِ سلف کا ذکر اور دقیق نکتے اور تیسری فصل میں سندھ کے بزرگوں اور اولیا کی روایتیں بیان کی گئی ہیں۔

فصلِ اوّل

انبیا علیہم السلام کی حکایتیں اور احوالِ آخرت

شعلہ: فرمانے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج پر جاتے ہوئے، آسمان پر پہنچے تو دیکھا کہ اونٹوں کی ایک نہ ختم ہونے والی قطار ہے جو برابر آگے جا رہی تھی اور ہر اونٹ پر دو پیٹیاں باندھی ہوئی تھیں۔ آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے جو آپ کے ساتھ تھے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ اے جہانوں کے سردار! جب سے خدا تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا ہے میں ان اونٹوں کی قطار اسی طرح دیکھ رہا ہوں، بے شک اس قطار کی شروعات اور خاتمے کی خبر خدا کو ہے۔ یہ سن کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ان پیٹیوں کو کھول کر دیکھا جائے کہ ان میں کیا ہے؟ حکم نازل ہوا اور جبرائیل علیہ السلام ایک اونٹ کو بٹھا کر صندوق کو کھولنے لگے۔ اس میں سے مرغی کے انڈے جیسی کوئی چیز نکلی، جسے آپ نہایت غور سے دیکھنے لگے، حتیٰ کہ اس انڈے میں آپ کو ایک مکمل جہان نظر آیا۔ وہاں آپ کو ایک ایسا شہر دیکھنے میں آیا جہاں جمعے کا دن تھا۔ آپ اس شہر میں داخل ہوئے اور مسجد میں آ کر نماز پڑھی۔ وہاں آپ کو محسوس ہوا کہ منبر پر چڑھ کر جو شخص وعظ کر رہا تھا وہ آپ خود تھے اور آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے صحابی معلوم ہو رہے تھے۔ وہ دیکھ کر یقین کرنے کے لیے جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے پوچھا کہ قبلہ یہ وعظ کرنے والا شخص کون ہے اور دوسرے بیٹھے ہوئے لوگ کون ہیں؟ آپ فرمانے لگے کہ ہر جگہ وعظ کرنے والا میں ہوں یہ دوسرے میرے ساتھی یعنی صحابہ ہیں۔ [۱۸۷]

اس کے بعد آپ چوتھے آسمان پر گئے؛ جہاں ریت کا ایک بڑا دریا آپ کو نظر آیا۔ جبرئیل سے پوچھا کہ یہ دریاء کتنا وسیع ہے۔ جبرئیل نے عرض کیا کہ اس کی گہرائی پانچ سو سالوں کا فاصلہ ہے لیکن اس کی لمبائی کی خدا کو خبر ہے۔ مجھے جب سے خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تب سے میں اس دریا کو اسی طرح دیکھتا رہا ہوں۔

شعلہ: فرمایا کہ جب پیغمبرِ خدا نے معراج کی رات الٰہی قرب حاصل کیا اور **''فکان قاب قوسین''**، یعنی جب ''دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ رہ گیا'' والے درجے پر فائز ہوئے، تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو چیزیں دکھائیں۔ ایک طرف رسی اور سلائی والی سوئی، تو دوسری طرف موتیوں والے کنویں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے آپ کو مختار کیا کہ آپ ایک طرف کا انتخاب کریں۔ آپ نے ان موتیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا بلکہ رسی اور سوئی کو قبول فرمایا۔ بعد میں آواز آئی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے کیا تحفہ لائے ہو؟

آپ حیران ہو گئے، لیکن دستِ قدرت سے آپ کے سینے میں یہ دعا لکھ دی گئی اور جیسے ہی آپ کی نظر اس دعا پر پڑی تو آپ نے فرمایا کہ یہ دعا لے کر حاضر ہوا ہوں ۱۸۸، وہ دعا یہ ہے:

'اللھم انا نسئلک فعل الخیرات وترک المنکرات وحب المساکین وتغفرلنا وترحمنا فاذا اردت بقوم فتنۃ فتوفنا غیرمفتون ونسئلک حبک وحب من یحبک وحب عمل یقر بنا الیٰ حبک یا ذوالجلال والاکرام برحمتک یا ارحم الراحمین'

اے اللہ! میں تجھ سے اچھے کام مانگتا ہوں اور برے کاموں سے بچنا چاہتا ہوں۔ مجھے غریبوں کی محبت دے۔ ہمیں بخش اور ہم پر رحم کر۔ پھر جب کسی قوم کے متعلق فتنے کا ارادہ آئے تو ہمیں وفات دے۔ ہم تیری محبت طلب کرتے ہیں اور ان کی محبت چاہتے ہیں جن سے تو محبت کرتا ہے۔ ہمیں ایسے عمل کرنے کی توفیق دے جس سے تیری محبت کو پہنچا جائے۔ اے عزت اور عظمت کے مالک! اپنی رحمت کے سبب، اے زیادہ رحم کرنے والے!

شعلہ: حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج پر جا رہے تھے تو آپ کو ایک جگہ ریت کا ایک وسیع دریا نظر آیا۔ جبرئیل جو آپ کے ساتھ تھے ان سے پوچھا کہ اس دریا کی انتہا کے بارے میں تجھے کوئی خبر ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس دریا کی نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا کی! البتہ اتنا سنا ہے کہ اس کی گہرائی اور وسعت میں ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ اس کے بعد حکمِ الٰہی کے تحت ریت کا ایک دانہ جبرئیل نے اٹھا کر آپ کو دکھایا تو اس ایک دانے کے اندر اس کائنات جیسی دوسری دنیا نظر آئی۔ آواز آئی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بے شک ہم نے ہر دانے میں ایک عالم تخلیق کیا ہے اور تم بھی اس عالم کے اندر ہو۔ اس کے بعد آپؐ اوپر عالمِ بالا کی طرف روانہ ہوئے۔ پھر ایسی جگہ پہنچے جس سے آگے چلنے کے لیے جبرئیل نے عاجزی دکھائی اور عرض کرنے لگا کہ اگر اس سے آگے بڑھا تو جل کر خاک ہو جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ ایک قدم اور چلو لیکن اس ایک قدم میں بھی ستر ہزار سالوں کا فاصلہ طے کر لیا۔ وہاں پر بھی جبرئیل نے عرض کیا کہ میں چلنے سے عاجز ہوں کہ یہ سب کچھ میرے چلنے سے باہر ہے لیکن میں حیران ہوں کہ آپ کو راستے کا کوئی پتہ نہیں لیکن آپ برابر اوپر جا رہے ہیں۔ ۱۹۰ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ اے جبرائیل! جب تم حکمِ الٰہی کے مطابق عرش سے زمین کی طرف آ رہے تھے تو راستے میں کوئی منظر دیکھا؟ جبرئیل نے جواب دیا کہ میں نے ایک مور چار مرتبہ عالمِ بالا سے نیچے آتے ہوئے دیکھا اور پھر اوپر بھی آتے ہوئے دیکھا۔ اس پر حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مور میں تھا۔ میری آمد و رفت پروردگار کے دربار میں اس طرح جاری ہے کہ میں نے

دربارِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے پروردگار! میں تیرے حکم پر ہر وقت حاضر ہوں لیکن میرا سوال بھی قبول کر۔ آواز آئی جو بھی مانگو گے وہ ملے گا۔ جب جبرئیل علیہ السلام نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ الفاظ سنے تو بالکل خاموش ہو گئے اور کچھ نہ بولے۔

اس کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے اور ذاتِ خداوندی کے اتنے قریب آ گئے جیسے کہ پیاز کا بیرونی پردہ۔ وہاں پھر آواز آئی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر ہم چاہیں تو یہ حجاب بھی ہٹا دیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ آپؐ قیامت کی گھڑی تک اس روش پر قائم رہیں اور اس کا خاتمہ نہ ہو۔ یہ آواز جو ابھی تم سنتے ہو تب بھی تم اس طرح سنو گے اور یہ سلسلہ کبھی بھی ختم نہ ہوگا۔

شعلہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کا واقعہ ہے کہ کوئی سوداگر سفر پر گیا ہُوا تھا۔ ایک دن اس کی بیوی نے خواب دیکھا کہ اپنے گھر کا کھمبا گر گیا ہے۔ جب بیدار ہوئی تو بہت پریشان ہوئی اور یہ بات کسی سے نہ کی۔ سیدھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور خواب والی مکمل حقیقت کہہ کے، عرض کی کہ اس خواب کی تعبیر بتائیے۔ آپؐ نے کہا کہ تیرا خاوند سفر پر گیا ہوا ہے لیکن وہ سلامتی سے واپس آئے گا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ سوداگر واقعی سفر سے صحیح سلامت واپس آیا۔ پھر دوبارہ وہی سوداگر سفر پر گیا اور اس کی بیوی نے وہی خواب دیکھا۔ وہ عورت حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پھر آئی اور اپنی بات بیان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دی کہ تیرا خاوند خیریت سے واپس آئے گا۔ اس کے بعد تیسری مرتبہ وہی سوداگر سفر پر نکلا اور بیوی نے وہی خواب دیکھا لیکن اس مرتبہ عورت نے دل میں سوچا کہ دو مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس خواب کی تعبیر معلوم کی ہے ابھی کسی اور سے پوچھتی ہوں۔ یہ سوچ کر وہ کسی دوسرے شخص کے پاس آئی اور اس کو اپنے خواب کے بارے میں بتایا۔ اس شخص نے یہ تعبیر کی کہ تیرا خاوند زندہ واپس نہ لوٹے گا۔ عورت نے جب یہ بات سنی تو دل میں درد لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچی اور غم سے نڈھال ہو کر کہنے لگی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے تو تیسری مرتبہ بھی وہی خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخاطب ہو کر پوچھا کہ کسی اور سے اس خواب کی تعبیر معلوم کی ہے؟ عورت نے کہا ہاں۔ پوچھنے لگے کہ اس نے کیا کہا؟ عورت نے کہا وہ کہتا ہے کہ تیرا خاوند زندہ نہیں آئے گا۔ یہ سن کر آپؐ نے بھی یہ کہا کہ واقعی ایسا ہی ہوگا۔ کہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد یہ خبر آئی کہ وہ سوداگر اس جہان سے رحلت کر گیا۔ [۱۹۱]

كل نفس ذائقة الموت. (سورة ال عمران ۳:۱۸۵)

یعنی ہر ایک نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔

شعلہ: ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام کا آنا ہوا۔ ابھی جبرئیل خدمت میں آکر کھڑے ہوئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر ان پر پڑی، نظر پڑنے پر جبرئیل اس جگہ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش میں آئے تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کس سبب سے بے ہوش ہوگئے؟ جبرئیل نے جواب دیا کہ اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ ایسی حالت سے گزرا ہوں۔ پوچھا کہ وہ کیسے؟ جبرئیل علیہ السلام کہنے لگے کہ جب خدا تعالیٰ نے میرے سوائے کوئی اور فرشتہ پیدا نہ کیا تھا اور میں آسمانوں کی سیر کررہا تھا۔ جب چوتھے آسمان پر پہنچا تو وہاں ایک نہ ختم ہونے والا دریا دیکھا جس میں ایک لڑکے کی صورت والا غسل کررہا تھا اور اس وقت وہ اپنے سر کو رگڑ کر صاف کررہا تھا لیکن جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو میں بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ آج یہ دوسری مرتبہ ہوا ہے۔ وہ سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ غسل کرنے والے انسان حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ ۱۹۳

شعلہ: روایت ہے کہ ایک دن امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے عمر! تم نے ہماری طرح نماز پڑھی؟ یہ سن کر حضرت عمر حیران ہوکر کہنے لگے کہ یارسول اللہ آپ جیسی نماز پڑھنے کی کس کو طاقت ہے۔ اس پر آپؐ فرمانے لگے کہ جو شخص اپنی نماز میں یہ دعا پڑھے گا تو اس نے گویا میری طرح نماز پڑھی۔ ۱۹۴

"استغفر اللہ ربی من کل ذنب اذنبتہ عمداً او خطاً اوسراً او علانیة واتوب الیہ من الذنب الذی اعلم ومن الذی لا اعلم وانت علام الغیوب ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم.

"اے میرے رب! مجھے بخش دے وہ سب جرم جو میں نے جان بوجھ کر یا غلطی میں یا ظاہر یا باطن میں کیے۔ میں توبہ کرتا ہوں ان سب خطاؤں سے جن کا مجھے پتہ اور خبر ہے اور ان سب خطاؤں سے جن کا مجھے کوئی علم نہیں۔ بے شک تو غیب کا زبردست جاننے والا ہے۔ تیرے سوا اوپر نیچے یا چوگرد دوسری کوئی قوت نہیں۔ بے شک اللہ کی ذات سب سے بڑی اور عظمت والی ہے۔"

شعلہ: جب کعبۃ اللہ بن کر تیار ہوا تو اس کے بیچ میں جو ستون کھڑا کیا گیا وہ ناپ سے بڑھ گیا کیونکہ

اس کو پوری طرح نہیں کاٹا گیا تھا۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس بڑھے ہوئے کھمبے کی چوٹی کو کاٹ کر اس سے کشتہ بنا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کریں تا کہ اس میں فقرا کے لیے گدائی کا سامان اکٹھا کر سکیں۔

شعلہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت جو نیل دریا میں کہیں دفن ہے اس کو نکال کر بیت المقدس میں جا کر نئی جگہ پر رکھیں، حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے پوچھا اور ڈھونڈنا شروع کر دیا کہ وہ لاش والی پیٹی کہاں دفن ہے؟ آخر کافی معلوم کرنے کے بعد ایک بوڑھی بیوہ عورت جس کو یہ خبر تھی اس نے بتایا کہ وہ فلاں جگہ پر دفن ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ صندوق نکلوا کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ جس راستے مصر کے شہر میں داخل ہوئے اور ایک بڑے دروازے سے گزر رہے تھے تو وہ صندوق لوگوں کے کاندھوں سے نیچے گر پڑا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت پریشان ہوئے تو اتنے میں آواز آئی کہ اے موسیٰ! حضرت یوسف علیہ السلام مصر کا بادشاہ ہو گزرا ہے اس لیے آخر تک ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی تھی لیکن اب تم اس کی لاش کو باپ اور دادا کے قبرستان میں لے جا رہے تھے جو اصل میں فقیر اور اہلِ فقر تھے۔ اس دروازے کے پاس جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کا ابھی سر ٹکرایا ہے، وہاں جب خود بادشاہ تھا تو دوسری مخلوق آپ کے آگے سر جھکا کر داخل ہوتی تھی، جب کہ حضرت یوسف علیہ السّلام خود شاہی دربار میں تخت پر سر اوپر کر کے بیٹھتے تھے۔ اس واقعے کا مطلب ہے کہ بادشاہی خیال ان کے ذہن سے مٹ جائے اور ان اہل فقر جیسا ہو جیسے آپ کے آبا واجداد تھے۔ ۱۹۵

شعلہ: ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام بارگاہِ رب العزت میں جا رہے تھے تو راستے میں ایک جوان نظر آیا جو ایک عالی شان محل کے باغیچے میں عبادت کر رہا تھا اور خدا کی یاد میں مشغول تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلام پر اس نے جواب دیا لیکن کہنے لگا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! جب درگاہِ رب العزت میں جاؤ تو میرے لیے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا قطرہ نصیب کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ بات سن کر آگے بڑھے لیکن جب خدا کی درگاہ میں پہنچے تب ذوق وشوق کے سبب فرمائش بھول بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے دوست کا پیغام تو بھول گئے۔ کہنے لگے کہ خدایا تو بہتر جانتا ہے۔ آواز آئی کہ پیغام دیتے وقت ہی اس کی عرض قبول ہو گئی تھی۔ واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی جگہ سے گزرے تو دیکھا کہ وہ محل اجڑا ہوا ہے باغیچہ تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ آپ زیادہ حیران ہوئے جب اس کو بھی وہاں نہ دیکھا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ وہ شخص بے ہوش اور بے خبر زمین پر پڑا ہوا ہے ایسے کہ اپنے وجود کا بھی کوئی پتہ نہیں ہے بلکہ دونوں

آنکھیں آسمان کی طرف ہیں اور جسم پر کیڑے رینگ رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پریشان ہوکر عرض کرنے لگے کہ یا اللہ، پہلے جب عبادت کررہا تھا تب زیادہ بہتر تھا۔ آواز آئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام جس کو ہم اپنی محبت کا قطرہ پلاتے ہیں اس کا یہی حال ہوتا ہے۔

بیت

سڄڻ ساعت هڪڙي، جي ٿئي آکئين ڌار
ته ڪر سڀ ڄمار، ڏٺوسين نه ڪڏهين

ترجمہ: ''محبوب اگر ایک لمحہ بھی آنکھوں سے دور ہوتا ہے تو ایسا لگتا ہے گویا ساری عمر نہ دیکھا ہو۔''

هنيون نه حاضر جن، پرين نه اکڙين ۾
ٺلا ڍانڍا سڪٽا، هوئڻ جاڙ جين

ترجمہ: ''جن کا دل حاضر نہیں اور محبوب آنکھوں میں نہیں، وہ خالی اور بے کار ہیں۔ ان کا جینا بے سود ہے۔

شعلہ: خدا تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا:

''اُرید او ترید لایکون الاما اُرید''

یعنی میں چاہوں یا تم چاہو لیکن ہوگا وہی جو میں چاہوں گا۔

شعلہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب چوتھے آسمان کا مقام ملا تو اس وقت آپ کے کرتے میں چار سو پیوند لگے ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے پوچھا کہ اے عیسیٰ! تمھیں پتہ ہے کہ یہ مقام تمھیں کیسے ملا؟ عرض کیا کہ خدایا تو ہی بہتر جانتا ہے۔ آواز آئی کہ یہاں تمھیں کوئی عبادت لے کر نہیں آئی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ چار سو پیوند ہیں جو تیرے کرتے میں لگے ہوئے ہیں اس لیے تمھیں یہ چوتھے آسمان کا مقام ملا ہے لیکن اگر تیرے کرتے میں پانچ سو پیوند ہوتے تو پانچویں آسمان کا مقام ملتا اور اگر چھ سو پیوند ہوتے تو چھٹے آسمان کا مقام ملتا۔

شعلہ: روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے لشکر پر فتح یاب ہوئے تو آپ کے ساتھیوں نے عرض کی کہ اب جب خدا تعالیٰ نے آپ پر اپنا فضل کیا ہے ہمیں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے خزانے محل اور باغات دکھائیں۔ ان کے کہنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہوکر ان کے بیچ میں آ کھڑے ہوگئے جس پر ساتھیوں نے عرض کی کہ بادشاہ کا لشکر کے بیچ میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ آپ گھوڑا دوڑا

کرلشکر کے آگے کھڑے ہو گئے پھر اُنھوں نے عرض کی کہ بادشاہ کا اس جگہ ٹھہرنا بھی مناسب نہیں ہے۔ آپ دائیں طرف جاکر کھڑے ہو گئے۔ دائیں طرف کھڑے ہوئے تو اُنھوں نے پھر عرض کیا کہ آپ بائیں جانب جا کھڑے ہوں۔ آپ بائیں جانب کھڑے ہوئے تو پھر اُنھوں نے وہی بات کی۔ آخر کار لشکر کے پیچھے جاکر کھڑے ہو گئے۔ تب بھی کہنے لگے کہ حضرت کے لیے یہ جگہ بھی بالکل مناسب نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پریشان ہوکر بولے کہ آخر کہاں جاؤں؟ جہاں بھی کھڑا ہوتا ہوں کہتے ہو کہ یہ جگہ مناسب نہیں۔ ۲۰۰

یہ حکایت بیان کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ خلقِ خدا کی باتوں سے آدمی کبھی بھی آزاد نہیں ہوسکتا۔

شعلہ: حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب خدا تعالیٰ کو جو بڑی قدرت والا ہے اس جہان کو نیست و نابود کرنا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام نے دعا مانگی، اے خدا! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تیری اولاد کو پناہ میں رکھوں گا' اب میرے بیٹے کو اس مصیبت سے چھٹکارا دے۔ آواز آئی کہ اے نوح! اپنے بیٹے کے بارے میں کچھ بھی نہ کہو کیونکہ وہ تیرے اہل میں سے نہیں۔ اگر اس کے متعلق سوال کرو گے تو تم بھی ظالموں میں سے ہو جاؤ گے یہ سن کر حضرت نوح علیہ السلام خاموش ہو گئے اور کچھ بھی نہ بولے بلکہ دل میں پشیمان ہوئے کہ ایسا سوال کیوں کیا؟

شعلہ: حضرت آدم علیہ السلام کو جب گندم کا دانہ کھانے کی پاداش میں نیچے زمین پر بھیجا گیا تو ہر وقت روتے رہے اور یہ دعا مانگتے رہے:

'ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین' ۲۰۱
(سورۃ الاعراف ۷:۲۳)

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو نہیں بخشے گا اور رحم نہیں کرے گا تو ہم ضرور نقصان اٹھائیں گے۔''

ان الفاظ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب ہوکر کہا کہ اے آدم! ظلم کی نسبت تم خود اپنی طرف کرتے ہو جیسا کہ یہ گناہ تم نے کیا ہے۔

شعلہ: ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس دو شخص اپنی حاجت روائی کے لیے آئے۔ ایک اپنے ساتھ مسواک کا تحفہ لایا اور دوسرا خالی ہاتھ آیا۔ دونوں نے اپنا مدعا پیش کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خدا کے دربار میں عرض کی کہ خدایا میرے دل میں اس شخص کے لیے جو مسواک لایا ہے دوسرے شخص کے

مقابلے میں زیادہ رغبت ہے تاہم تُو دونوں کا مدعا پورا کر۔ اس کے بعد دونوں کا مدعا فی الفور پورا ہوا۔

شعلہ: جب قیامت کا دن ہوگا اور جب حکم الٰہی سے مُردے قبر سے زندہ ہوکر اٹھیں گے اور سب سوال و جواب اور حساب کتاب میں عاجز ہوں گے تو ایسی حالت میں ایک جماعت دور سے اپنی سواریوں پر نظر آئے گی۔ ان جماعت والوں کی جب ان پریشان حال لوگوں پر نظر پڑے گی تو ان میں سے کوئی ایک آگے بڑھ کر پوچھے گا کہ یہ کون ہیں؟ آخر ان کا یہ حال کیوں ہوا ہے اور تکلیف میں کیوں ہیں؟ آواز آئے گی کہ یہ لوگ وہ ہیں جنھوں نے دنیا میں اپنی زندگی، اہل وعیال اور مال ومتاع کی فکر میں گزار دی اور خدا کی عبادت اپنے مقصد اور مزدوری کی خاطر کرتے رہے تھے اس لیے اب حساب کتاب میں مبتلا ہیں۔ جب سوار وہ جواب سنے گا تو لوٹ کر اپنے دوسرے ساتھیوں کو بتائے گا کہ روزِ قیامت برپا ہو چکا ہے اور خدا تعالیٰ خود قاضی بن کر خلق سے حساب کتاب لے رہا ہے۔ جیسے ہی جماعت والے یہ سنیں گے تو اپنے گھوڑوں کو تیز چلا کر روانہ ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ ویران زمین پر کیا محصول؟ یہ بات بیان کر کے حضرت نے فرمایا کہ وہ جماعت ان لوگوں کی تھی جو خدا تعالیٰ کو اس کی خوشنُودی کے لیے یاد کرتے تھے اور نہ کسی شفقت اور کرامت کے واسطے۔ ۲۰۳ک

شعلہ: جب بہشت والے بہشت میں داخل ہوں گے اور دوزخ والے دوزخ میں تو خدا تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا کہ تم کیا دیکھتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ بہشت والوں کو بہشت میں دوزخ والوں کو دوزخ میں دیکھتے ہیں۔ کچھ مدت کے بعد پھر وہی خطاب آئے گا کہ کیا دیکھتے ہو؟ فرشتے عرض کریں گے کہ ابھی نہ بہشت نظر آتا ہے نہ بہشت والے۔ اس طرح نہ دوزخ نظر آتا ہے نہ دوزخ والے تب آواز آئے گی کہ:

"الانسان سری وانا سرہ"

یعنی انسان میرا بھید ہے اور میں اس کا بھید ہوں۔ پہلے خیال تھا کہ عیاں کروں لیکن اب یہ خیال ہے کہ اسے چھپاؤں۔ ۲۰۴ک

شعلہ: جب اہل بہشت، بہشت میں ہوں گے تو اُنھیں تفریح کے لیے نکلنے کا حکم ہوگا۔ سب سے پہلے انبیا کے خیمے ہوں گے۔ اس کے بعد اولیا کے شامیانے اور بعد میں دوسروں کے ہوں گے۔ وہ تفریح کا سلسلہ جو شروع ہوگا تو کبھی بھی ختم نہ ہوگا۔ ہر ساعت کے بعد وہ کہیں نہ کہیں سے گزر رہے ہوں گے اور اسی طرح سیر وتفریح میں کاٹیں گے۔ گویا ایسے ہی ہمیشہ کے لیے ذاتِ خداوندی کی سیر میں مصروف رہیں گے۔

شعلہ: قیامت کے دن جب کتنے ہی لوگوں کو حساب کتاب کے لیے خدا کے حضور پیش کیا جائے گا اور فرشتے

ان کے گناہوں کے متعلق گواہی دینے لگیں گے تو وہ عرض کریں گے کہ اے مالک! آپ نے فرمایا تھا کہ فرشتے ہمارے حاسد ہیں اور تیری اور تیرے حبیب کی شریعت میں دشمن کی گواہی روا نہیں۔اس کے بعد ان انسانوں کے اعضا، ہاتھ، پاؤں گواہی دینے لگیں گے۔تب وہ پھر عرض کریں گے کہ یہ اعضا ہم سے شریکِ کار تھے اور شریکِ کار کی گواہی بھی شریعت محمدی کے موجب جائز نہیں۔تب خدا تعالیٰ کہے گا کہ میں خود گواہ ہوں،اس پر وہ بندے عرض کریں گے کہ بے شک اے ہمارے مالک۔۲۰۵

فصلِ دوم

اولیاءاور بزرگانِ دین کی حکایات

شعلہ: واقفِ اسرارِ الٰہی اور مقبول ابرار فرید الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ایک مناجات میں کہا ہے کہ! اے خدا دین داروں کو دین بخش اور کافروں کو کفر لیکن مجھے دردِ دل کا ایک ذرہ سا عطا کر!

شعلہ: ایک دن دو مریدوں نے اپنے پیر سے پوچھا کہ خدا کا وصال کس طرح حاصل ہوسکتا ہے؟ کہنے لگے کہ مرنے کے بعد۔ یہ سن کر ان میں سے ایک نے صحرا کا راستہ اختیار کیا اور یہ روش اختیار کی کہ جب بھی آپ کا نفس کچھ کھانے کی خواہش کرتا تو جواب میں کہتے تھے کہ مردہ بھی کچھ کھاتا ہے کیا؟ مطلب یہ کہ جب بھی اس کے نفس نے اس قسم کی خواہش کی تو اس کا وہی جواب تھا۔ اس طرح جب اچھا خاصا وقت گزرا تو اس شخص پر حقیقتِ حال کے انکشافات ہونے لگے اور اسے خدا کا وصال نصیب ہوا۔ اس کے بعد وہ لوٹ کر اپنے پیر کی مجلس میں آیا۔ اتفاق سے اس کا دوسرا دوست اسی دن اپنے پیر سے وہی سوال کرنے لگا جس پر پیر نے کہا کہ تم اب تک سوال کر رہے ہو جس نے میرے کہنے پر عمل کیا وہ واصل باللہ ہوگیا۔

شعلہ: ایک دن سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے سلطان التارکین شیخ ابراہیم ادھم کو کہا کہ آج رات ہمارے ہاں روزہ افطار کریں۔ اُنھوں نے یہ دعوت قبول کی اور افطار کے وقت آ کر حاضر ہوئے۔ شیخ بایزید نے اس وقت بارگاہِ رب العزت میں ہاتھ اٹھا کر طعام کی طلب کی فوراً طعام کے طبق آ گئے جو دونوں نے بیٹھ کر کھائے۔ رخصت ہوتے وقت ابراہیم ادھم نے بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو عرض کیا کہ کل ہمارے ہاں روزہ افطار کریں۔ بایزید نے قبول کیا اور مقررہ وقت پر آ کر حاضر ہوئے۔ ابراہیم ادھم نے بھی خدا کی درگاہ میں ہاتھ اٹھا کر طعام کے لیے دعا کی تو کچھ دیر ہوئی نہ تھی کہ شامیانے اور قناتیں لگ گئیں اور زمین پر کئی اقسام کے فرش بچھائے گئے اور ان شامیانوں کے اندر سونے اور چاندی کے برتن بھی رکھے گئے اور انواع واقسام کے طعام بھی لگ گئے۔ اس کے بعد دونوں نے مل کر وہ طعام کھائے۔ جب طعام کھا کر ختم کیا، تو بایزید منہ اوپر کر کے عرض کرنے لگے کہ یا اللہ! جب میں نے طعام کی درخواست کی تو فقط دو بندوں کی ضرورت جتنا طعام عنایت کیا لیکن ابراہیم ادھم کو اتنی نعمتیں۔ ہاتفِ غیبی سے آواز آئی کہ اے بایزید! تم ہماری راہ میں جو بھی چھوڑ کر آئے اس مناسبت سے تمھیں دیا لیکن ابراہیم ادھم ہمارے واسطے بادشاہی بھی چھوڑ آیا تو اس کو اس انداز سے عطا کیا۔ ۲۰۶

شعلہ: ایک دن کوئی بادشاہ شکار کی خاطر ایک طرف روانہ ہوا۔ حکم کیا کہ جس کے سامنے جو شکار آئے وہ فقط اس کا شکار کرے اور دوسرے کے پیچھے نہ پڑے۔ اتفاق سے ایک ہرن اس کے سامنے آ کر گزرا۔ بادشاہ نے اپنا گھوڑا اس کے پیچھے چھوڑا لیکن ہرن آگے نکل گیا اور بادشاہ اس کے پیچھے جنگل میں بہت آگے چلا گیا اور اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا اور یوں چلتے چلتے بے حال ہو گیا۔ وہاں پیاس نے بھی تنگ کیا وہ پانی کے لیے معلوم کر رہا تھا لیکن کہیں سے بھی پانی نہ مل رہا تھا بلکہ ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی دوسرے سپاہیوں کی طرح ایک معمولی سپاہی ہے حتیٰ کہ اپنے لشکر والوں نے اس کو پا لیا۔ بس اس کے بعد تو ان لوگوں نے گھیر لیا اور آپ کی بڑی تعظیم کرنے لگے۔ فوری طور صاف اور ٹھنڈا پانی لا کر حاضر کیا۔ یہ حکایت بیان کر کے حضرت نے فرمایا کہ ذکر فکر کے سوا ایسے ہی ہے جیسے بادشاہ لشکر کے بغیر! ۲۰۷

شعلہ: کہتے ہیں کہ ایک بزرگ بڑے عارفِ وقت تھے جب وہ وعظ کرتے تھے تو وقت کے بادشاہ اور دوسرے عالم اور معزز آ کر اکٹھے ہوتے تھے۔ سب لوگ بڑے خواہ چھوٹے آپ سے متاثر تھے اور آپ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ کوئی بھی آپ کی بات کو ٹال نہیں سکتا تھا۔ آخرِ ان بزرگ کے نفس میں وسوسہ پیدا ہوا کہ میں واقعی برگزیدہ بندہ ہوں اور سب لوگ اس لیے میری عزت کرتے ہیں۔ ایک دن بزرگ اپنے نفس کی صورتِ حال کو سمجھ گیا اور نفس کو مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ مجھے تم نے اس جال میں پھنسایا ہے اب دیکھنا کہ میں تم سے کیا کرتا ہوں؟ ایک دن جب وعظ کی مجلس ختم ہوئی تو رات کو شہر کی مشہور طوائف کے پاس گئے اور اس سے دریافت کرنے لگے کہ ایک رات کی تمھیں کتنی اجرت ملتی ہے؟ اس عورت نے جتنے پیسے بتائے اس بزرگ نے اتنے دیئے اور اپنا مصلاّ بھی اس کے حوالے کیا۔ مزید کہا کہ کل جب دن ہو اور میں وعظ کی مجلس میں مشغول ہوں اور کافی لوگ بھی بیٹھے ہوئے ہوں تو تم وہاں آنا اور یہ مصلاّ جائے نماز اٹھا کر میرے منہ پر مارنا اور کہنا کہ لو اپنا مصلاّ جو گزشتہ شب تم نے میرے پاس گروی رکھا تھا اور اب مجھے اپنا معاوضہ دو۔ دوسرے دن عورت نے ایسا ہی کیا اور جب وہ بزرگ وعظ میں مشغول تھے اور بادشاہِ وقت اور دوسری مخلوق بھی بیٹھی ہوئی تھی تو عورت نے مصلاّ اٹھا کر آپ کے منہ پر مارا اور اپنا معاوضہ مانگنے لگی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ اور دیگر لوگ بہت بدظن ہوئے اور بزرگ کو جو اوپر منبر پر چڑھ کر وعظ کر رہے تھے اسے اتار کر جتنا اُسے بے عزت کرنا تھا وہ کیا بلکہ آپ کی گردن میں رسی ڈال کر شہر میں گھمایا اور آخر میں جلاوطن بھی کر دیا۔ تب وہ بزرگ اپنے نفس کو مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم نے مجھے گمراہ کیا تو اس کا بدلہ تمھیں ملنا چاہیے تھا۔ ۲۰۹

شعلہ: ایک دن کچھ علما زمانے کی عارفہ بی بی رابعہ بصریؒ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر کوئی

فقط ''لا الہ الا اللہ'' کہتا ہے اور ''محمد الرّسول اللہ'' نہیں کہتا تو وہ کافر ہے لیکن اگر ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ساتھ کہتا ہے تو گویا شرک کرتا ہے۔ اس سلسلے میں تمھاری کیا رائے ہے۔ بی بی صاحبہ نے جواب دیا کہ میرے خیال کے مطابق ''محمد الرّسول اللہ بھی لا الہ الا اللہ'' میں سمایا ہوا ہے کیونکہ وہ غیر نہیں ہے۔ ان علما کو یہ قول پسند آیا۔

شعلہ: ایک درویش اپنی داڑھی کو کنگھی کرنے کو تھے کہ خدا کی طرف سے آواز آئی کہ اے درویش! تُو فقط اپنی داڑھی کو سنوارنے میں مصروف ہے تو میری یادگیری کس وقت کرو گے؟

درویش نے یہ سن کر کنگھی کو نیچے پھینک دیا اور اپنی داڑھی کو ہاتھ سے نوچنا شروع کر دیا کہ اس کی وجہ سے مجھے یہ شکایت ملی ہے۔ وہاں پھر ہاتفِ غیبی سے آواز آئی کہ اے درویش! داڑھی نوچ رہے ہو یا سنوار رہے ہو، ہماری یاد کا وقت تمھیں کس وقت میسر ہوگا؟

شعلہ: ایک دن سلطان التارکین، عارفِ ربانی، عاشقِ صادق، شیخ ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ راستے میں جا رہے تھے۔ وہ سردی کی سخت رات تھی۔ آخر سردی سے مجبور ہو کر ہارون رشید کے مہمان خانے میں گھس گئے اور حمام کی طرف آ گئے کہ کسی طرح سردی سے بچاؤ کر سکیں۔ اتفاقاً اس وقت خلیفہ خود بھی اپنا لباس تبدیل کرنے کے لیے وہاں آئے ہوئے تھے۔ جیسے ہی شاہی لباس اتارا تو نیچے پہنا ہوا زرہ پوش ظاہر ہوا جس کے سخت نشان آپ کے جسم پر واضح تھے۔ خلیفہ وہ زرہ ابراہیم ادھم کو دکھاتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ لباس بہتر ہے یا جو تم نے پہنا ہے وہ بہتر ہے۔ ابراہیم ادھم اپنے دل میں بہت پریشان ہونے لگے کہ اتنے میں غیبی آواز آئی کہ اے ہارون! تیرے اور ابراہیم کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ تم بادشاہی کرتے ہو۔ اگرچہ میری یادگیری کی خاطر بڑے مجاہدے بھی کرتے ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے لشکر کا بھی خیال رکھتے ہو اور اس وقت تمھارا مکمل دھیان اس طرف ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تیرے اور ابراہیم کے درمیان فرق کیوں نہ ہوگا؟ ۲۱۰ یعنی کہ ابراہیم یکسو ہو کر میری یاد میں مشغول ہے جب کہ تم دوطرفہ ہو کر ہر کام کرتے ہو۔

شعلہ: روایت ہے کہ عارفِ ربانی، ازل اور ابد کے مالک کے پسندیدہ اور اپنے وقت کے بزرگ احمد خضروی بلخی رحمتہ اللہ علیہ سخت مجاہدے کرتے تھے اور ہمیشہ اپنے نفس سے جنگ کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ ایک دن کوئی جماعت وہاں سے گزری جو کسی جہاد پر جا رہی تھی۔ آپ کے نفس نے غازیوں اور غزوات کی شان میں جو احادیث ہیں یاد دلانی شروع کیں تاکہ آپ بھی ان کے ساتھ شامل ہوں۔ وہاں احمد خضروی اپنے نفس کو کہنے لگے کہ یہ سب تیرا مکر ہے کیونکہ تم سے کوئی بھی اطاعت اور فرماں برداری والا کام تو ہوتا نہیں۔

ٹھیک ہے میں جنگ پر روانہ ہوتا ہوں لیکن تجھے دن کو نہ تو کچھ کھانے کے لیے دوں گا اور نہ کچھ پینے کے لیے پانی کا گھونٹ ملے گا بلکہ ساری رات بیداری میں بسر کروں گا۔ نفس نے جواب دیا کہ یہ سب قبول ہے۔ یہ سن کر بزرگ حیران ہونے لگے کہ پھر آخر جنگ سے نفس کی کیا مراد ہے؟ آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگے کہ اے اللہ! مجھے اس بدبخت نفس کے مکر سے واقف کر کہ آخر وہ مجھے کس مقصد کے لیے جنگ پر اکسا رہا ہے۔ آواز آئی کہ اپنے نفس سے پوچھ وہ ہی تمھیں جواب دے گا۔ اس پر بزرگ اپنے نفس کو مخاطب ہو کر کہنے لگے سچ بتاؤ کافروں سے جنگ کرنے سے تم کو کون سا مقصد حاصل ہوگا۔ کہنے لگا کہ تم جب بھی وہاں جاؤ گے اور ایک مرتبہ جنگ کرو گے تو میں ایک مرتبہ ذبح ہو کر ختم ہو جاؤں گا اور بار بار ذبح ہونے سے چھوٹ جاؤں گا۔ میرا دوسرا مقصد یہ ہے کہ جب تم شہید ہو جاؤ گے تو شہادت کے بعد لوگ تمھاری تعریف کریں گے کہ کیسا بزرگ تھا جو پوری عمر مجاہدوں میں بسر کر کے آخر میں شہادت کا جام پی گیا؟ اس طرح جب دوسرے لوگ تیری تعریف کرتے ہوں گے کہ وہ کارنامہ بھی تم نے سرانجام دیا تو بحیثیت نفس میں بہت خوش ہونگا۔ اُن بزرگ نے نفس کا یہ جواب سنا تو بیٹھ گئے اور جہاد کے لیے روانہ نہ ہوئے بلکہ اپنے مجاہدے میں مشغول ہو گئے۔ ۲۱۱

عبادت کے بارے میں یہ حکایت بیان کر کے حضرت کہنے لگے کہ اے طالبِ خدا نفس کے مکر کا خاص خیال کر کیونکہ وہ مرنے کے بعد غرور اور تکبر کی تدبیر کرنا چاہتا ہے۔

شعلہ: روایت ہے کہ جب حقیقت میں کاملِ شریعت اور عارفِ ربانی شیخ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کو مرنے کے بعد اور لحد میں دفن کرنے کے بعد سوال و جواب کرنے والے فرشتے منکر اور نکیر حاضر ہوئے تو ان کے ہاتھوں میں گرز تھے۔ وہ شیخ ابن عربی سے معلوم کرنے لگے کہ 'من ربک یعنی تیرا رب کون ہے؟ شیخ نے جواب دیا کہ:

'الحقیقت ساری فی الاکوان'

یعنی حقیقت پورے جہان میں جاری وساری ہے۔ فرشتے حیران ہوئے اور رب العزت کی بارگاہ میں سوال کرنے لگے کہ خدایا ہم شیخ کے اس جواب کا مطلب نہیں سمجھتے۔ آواز آئی کہ تم اس بات کو چھوڑ دو اور واپس چلے جاؤ کیونکہ اس کا مطلب میں جانتا ہوں اور دوسرا خود وہ جانتا ہے۔ ۲۱۲

شعلہ: ایک دن کسی درویش نے خدا تعالیٰ سے تین چیزیں مانگیں۔ پہلی یہ کہ مجھے ایسا پیر یا مرشد ملا جس کی مجھے ضرورت ہو اور اس کو مجھ سے کوئی حاجت نہ ہو۔ دوسری یہ کہ حلال رزق دے۔ تیسری یہ کہ ایسا رفیق یا ساتھی عنایت کر جو تیری راہ میں رہنمائی کرے۔ آواز آئی کہ اے درویش! ہم نے تمھیں تینوں چیزیں

عطا کیں لیکن تم ان سے بے خبر ہو۔ درویش نے عرض کی وہ کیسے۔ جواب آیا کہ تیرا ایسا مرشد اور پیر میں ہوں، مجھ میں تیری حاجت ہے لیکن تجھ میں میری کوئی حاجت نہیں۔ حلال طعام وہ ہے جو تم ہر وقت اپنے غُصّے کو کھا جاتے ہو تو وہ حلال طعام ہے۔ تیسرا یہ کہ تیرا رفیق قرآن ہے کیونکہ وہ ہماری طرف تیری رہنمائی کرتا ہے۔ ۲۱۳

شعلہ: ایک شخص نے سنا کہ فلاں جگہ ایک ایسا درخت ہے جس کا پھل نہ کسی نے دیکھا ہے اور نہ کسی نے چکھا ہے۔ بس پھر اس شوق میں ہر بستی اور قریہ یہ دیکھتے ہوئے کئی شہر گھومتا ہوا آخر ایک دن اس درخت کو اُس نے ڈھونڈ لیا۔ دیکھا کہ واقعی اس میں پھل لگا ہوا ہے۔ جیسے ہی ہاتھ اوپر کر کے پھل توڑنے کی کوشش کی تو پھل اوپر چلے گئے۔ آخر درخت پر چڑھ گیا تا کہ پھل توڑ سکے۔ جیسے ہی اوپر چڑھا تو پھل نیچے آ گئے۔ تھوڑا سا نیچے آیا تو پھل پھر اوپر چلے گئے۔ یعنی جب وہ اوپر چڑھتا تو پھل نیچے آتے اور اگر وہ نیچے اتر آتا تو پھل اوپر چڑھ جاتے۔ یہ صورت حال دیکھ کر بہت پریشان ہوا اور آخر عاجز ہو کر چپ کر کے بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک شخص وہاں سے گزرا جو یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ پھل تمھارے ہاتھ ہرگز نہ آئیں گے جب تک تُو اپنا سر کاٹ کے نیچے زمین پر نہیں رکھتا۔ اس شخص نے ایسا کیا تو جا کر اپنی منزل پر پہنچا۔

حضرت یہ حکایت بیان کر کے فرمانے لگے کہ یہ طالب خدا کے واسطے ایک قسم کی تمثیل ہے۔

شعلہ: روایت ہے کہ دین و دنیا کے سلطان، مجاہدے کرنے والوں کے بادشاہ، شیخ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ جوانی کے شروع والے دنوں میں ہی پیر و مرشد کی خدمت میں زیادہ حاضر رہتے تھے۔ وہ ہر روز صبح کو جنگل سے لکڑیاں لے کر آتے تھے اور شام کو ستّر مٹکے پانی کے بھر کر رکھتے تھے۔ رات کو ان سب مٹکوں کے نیچے آگ جلا کر رکھتے تھے کہ آپ کا مرشد ان ستّر مٹکوں والے پانی سے غسل کر سکے۔ ۲۱۵

کہتے ہیں کہ شیخ فرید حسن اور جمال میں یوسفِ ثانی تھے اور جیسے انبیا میں حضرت یوسف علیہ السلام مشہور تھے اس طرح اولیا میں حضرت شیخ فرید تھے۔

ایک رات کو شیخ فرید نے دیکھا کہ سب مٹکوں کی آگ بجھ گئی ہے۔ بہت پریشان ہوئے اور اس پریشانی کے عالم میں گھر کی چھت پر چڑھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ کہیں آگ کی روشنی نظر آئے۔ آخر کار نیچے اتر کر اس طرف روانہ ہوئے جس طرف سے روشنی آ رہی تھی۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بادشاہ کا محل ہے اور اس کی بیٹی دیا جلائے ہوئے بیٹھی ہے۔ شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وہاں آ کر اپنا مدعا پیش کیا کہ آگ کی تلاش میں نکلا ہوں۔ ادھر بادشاہ کی بیٹی کی نگاہ جب شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کے حسن و جمال والے چہرے پر

پڑی تو وہ ان پر فریفتہ ہوگئی اور کہنے لگی کہ اگر تم ہمارے پاس آکر رہو تو تمھاری یہ فرمائش پوری کی جائے گی۔ شیخ فرید رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اس پر بادشاہ کی بیٹی بولی ایک آنکھ نکال کے دو تو تمھیں آگ اٹھانے دوں گی۔ شیخ نے فوراً اپنی انگلی سے آنکھ نکال کر اس کے سامنے رکھ دی اور آگ لا کر مٹکے گرم کیے اور اپنی آنکھ پر پٹی باندھ دی۔ صبح کو پیر غسل کر کے جب باہر آئے تو دن کی روشنی میں آپ کی نظر شیخ فرید کی آنکھ پر بندھی پٹی پر پڑی۔ پیر نے پوچھا کہ آنکھ میں درد ہے تو آؤ تمھیں مرہم رکھوں۔ پیر نے جیسے ہی آنکھ سے پٹی دور کی تو اصل حقیقت معلوم ہوئی۔ فوراً ایک پتھر اٹھا کر آنکھ پر گھمایا تو آنکھ دوسری آنکھ جیسی ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد شیخ فرید کو جلد ہی وہ مقصد حاصل ہوا جس کے لیے اتنی خدمت کر رہے تھے۔

شعلہ: ایک بزرگ نے سنا کہ دریا کے اس طرف ایک درویش منزل انداز ہوا ہے تو دریا پار کر کے اس طرف جا کر درویش سے ملے۔ واپس آکر طعام تیار کروایا اور بیوی کو کہنے لگے کہ تم جاؤ اور درویش کو یہ طعام پہنچا آؤ۔ بیوی نے کہا کہ درمیان میں دریا ہے کیسے جاؤں گی؟ بزرگ نے کہا کہ جب دریا پر پہنچو تو اس طرح کہنا کہ اے خدا! میرے خاوند کے صدقے جو کبھی بھی میرے نزدیک نہیں آیا مجھے دریا سے راستہ دو۔ اس عورت نے دریا پر پہنچ کر اس طرح کہا تو واقعی دریا خشک ہوگیا اور دوسری طرف آکر وہ طعام درویش کے سامنے رکھا۔ درویش طعام کھا کر خوش ہوا اور اس عورت کو واپس جانے کی اجازت دی۔ اس پر عورت کہنے لگی کہ میں اس طرف دریا کس طرح پار کروں گی۔ کہنے لگے کہ جب کنارے پر پہنچو تو کہنا۔ یاالٰہی اس سچ کے صدقے کہ اس درویش نے کبھی بھی طعام نہیں کھایا ہے مجھے دریا عبور کرنے دے۔ اس طرح دوبارہ دریا خشک ہوگیا اور وہ عورت لوٹ کر اپنے گھر آگئی۔۲۱۶

شعلہ: ایک دن عاشق، صادق، صاحب یقین، حضرت بہلول رحمتہ اللہ علیہ دریا کے کنارے بیٹھے تھے اور مٹی سے قلعہ بنا رہے ۲۱۷ تھے کہ اتنے میں بادشاہِ وقت آکر وہاں سے گزرا۔ بہلول بھوکے تھے سو گردن اوپر اٹھا کر بادشاہ کو کہنے لگے کہ یہ محل جو میں نے بنایا ہے وہ تم ایک درہم میں لوگے۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر دیں گے تو کیوں نہ لوں گا۔ اس طرح بادشاہ بہلول سے ایک درہم میں لے کر روانہ ہوا۔ بادشاہ گھر آکر جب آرام کر رہا تھا تو نیند میں اپنے آپ کو بہشت کی سیر کرتے ہوئے دیکھا جو موتیوں سے بھرا ہوا تھا۔ پوچھنے لگا کہ وہ محل کس کا ہے اور اس میں کون رہتا ہے؟ جواب آیا کہ وہ محل خدا کا ہے بہلول درویش کے لیے تیار کیا گیا تھا لیکن کل اس نے ایک درہم کے عوض تمھیں بیچ دیا ہے اس لیے ابھی وہ تمھارے لیے ہے۔ بادشاہ کچھ آگے بڑھا تو زیادہ عالیشان محل دیکھا جس میں لعل فیروزہ اور یاقوت لگے ہوئے تھے۔ پھر پوچھا کہ وہ محل کس کا

دیکھا جس میں لعل فیروزہ اور یاقوت لگے ہوئے تھے۔ پھر پوچھا کہ وہ محل کس کا ہے؟ جواب ملا کہ یہ بھی بہلول کی جائیداد ہے لیکن ابھی تک بیچا نہیں۔

بادشاہ جیسے ہی جاگا تو سیدھا بہلول کے پاس آیا جو اپنی دھن میں مشغول تھے۔اس نے اپنی آرزو بیان کی اور کہنے لگا کہ بہلول یہ چیز بھی بیچو گے۔ بہلول کہنے لگے ہاں۔ بادشاہ نے پوچھا کتنی قیمت میں؟ جواب دیا کہ دو لاکھ۔ بادشاہ نے کہا کہ کل ایک درھم میں اور آج دو لاکھ؟ بہلول کہنے لگے کہ یہ بھی قبول نہیں کیونکہ پہلے تم نے یہ چیز نہیں دیکھی تھی۔

شعلہ: ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کی تعلیم کے لیے ایک استاد مقرر کیا۔ایک دن اس لڑکے نے استاد سے کہا کہ مجھے ایسا سبق سکھائیں جو واقعی میرے لیے نفع والا ثابت ہو اور آخرت میں چھٹکارا نصیب ہو۔استاد نے کہا کہ وہ خاموشی ہے۔اس بات نے اس لڑکے پر اتنا اثر کیا کہ بات چیت بند کردی۔ جیسے کوئی بہرہ ہو اور کسی بھی موقع پر کچھ بھی نہ بولتا تھا۔اس کا والد پریشان ہوا کہ بیٹا کب بات کرنے لگے گا؟ آخرکار اپنے امیر امراء سے مشورہ کیا جنھوں نے کہا کہ بچے کو شکار پر بھیجنا چاہیئے شاید وہاں کچھ بولنے لگے۔اس طرح کچھ لوگوں کے ساتھ اس کو شکار پر بھیجا گیا۔سارا دن جنگل میں بھٹکتے رہے لیکن اس عرصے میں وہ ایک لفظ بھی نہ بولا اور وہی چپ کی مہر اپنے ہونٹوں پر لگائے بیٹھا رہا۔ اتنے میں ایک طرف سے تیتر کی آواز آنے لگی تو شکاری اس کے پیچھے پڑ گئے، آخرکار اسے پکڑ لیا اور شہزادے کے سامنے لے آئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ اسے ذبح کر کے حلال کریں یا نہیں؟ شہزادے نے جواب دیا کہ اگر آج یہ تیتر آواز نہ کرتا تو ذبح ہونے سے بچ جاتا۔شہزادے کی آواز سن کر بادشاہ کے جاسوس بہت خوش ہوئے کہ اچھا ہوا شہزادہ بات کرنے لگا ہے۔ اس لیے اب بات کرتا رہے گا۔منزل پر پہنچنے کے بعد یہ بات بادشاہ کو سنائی گئی تو وہ بھی بہت خوش ہوا لیکن جب دوبارہ شہزادے سے بات کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ کچھ بھی نہ بولا بلکہ بالکل خاموش رہا۔ کہتے ہیں کہ شہزادہ مرنے تک نہ بولا۔۲۱۸

شعلہ: شیخ العارفین، ولایت کے بادشاہ ابراھیم ادھم ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سمیت کعبۃ اللہ کے طواف کے لیے گئے آپ کے پیچھے قافلے میں ایک خوب صورت لڑکا بھی شامل تھا۔آپ کی نظر اس پر پڑی اور اس کے بعد دوسری مرتبہ بھی گردن موڑ کر اس کو دیکھا۔ساتھی مریدوں نے عرض کیا کہ شریعت میں اس طرح لڑکوں کو دیکھنا منع ہے اور آپ شریعت کی تابع داری کیوں نہیں کرتے؟ جواب دیا کہ یہ لڑکا میرا بیٹا ہے جو میری حکمرانی چھوڑنے کے وقت ماں کے پیٹ میں تھا۔۲۱۹

شعلہ: ایک پیر اپنے مریدوں کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے جا رہے تھے لیکن آپ کے مرید آپ سے کچھ فاصلے پر تھے۔ راستے میں دیکھا کہ ایک مردہ اونٹ پڑا ہے جس کو اتنا وقت ہو چکا ہے کہ اس کے ہر عضو سے گھاس پھوٹ پڑا ہے۔ وہ پیر کچھ دیر اس اونٹ پر کھڑے ہو گئے اور خدائے عزوجل کی بڑائی بیان کر کے آگے چل پڑے لیکن آپ کے پیچھے آنے والا مرید اس اونٹ کے پاس ٹھہر گیا اور اوپر منہ کر کے کہنے لگا کہ اے خدا! اگر اونٹ زندہ ہوتا تو اس گھاس میں چرتا اور مست ہو کر گھومتا۔ خدا کے اشارے سے اونٹ زندہ ہو گیا لیکن خود اپنے پیر کے پیچھے روانہ ہوا۔ خانہ کعبہ کی زیارت سے فارغ ہو کر جب واپس اس جگہ پر پہنچے تو اونٹ کو نہ دیکھا۔ وہ مرید لمحے کے لیے سوچ میں ڈوب گیا لیکن اتنے میں دور سے اونٹ نظر آیا جو اس وقت ہر قسم کی گھاس کھا کر موٹا ہو گیا تھا۔ پیر نے اونٹ کو دیکھا تو، مریدوں سے دریافت کرنے لگے کہ آپ میں سے کس نے یہ حرکت کی ہے۔ پہلے تو کوئی بھی نہ بولا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ حرکت کس مرید کی تھی؟ پیر ایک دم اس کی طرف غضب ناک نظروں سے دیکھنے لگے۔ کہنے لگے کہ میں اور میرے ساتھ جو بھی تھے وہ بھی یہ کام کر سکتے تھے لیکن ہم نے خدا کی رضا میں دخل اندازی نہیں کی۔ تم نے شاید ان سب کو اپنے سے کم جان کر یہ کام سرانجام دیا اور حکمِ الٰہی جو اونٹ کے مرنے کے متعلق صادر ہوا تھا بے پروائی سے کام لیا۔ اس طرح تم نے سخت بے ادبی کی کہ یہ اونٹ زندہ ہو گیا اب تیری یہ سزا ہے کہ اس کے بعد دوبارہ کبھی بھی ہماری مجلس میں نہ آنا۔ ۲۲۰

شعلہ: غوثِ اعظم، پیران پیر میران محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ کے دور کی بات ہے کہ آپ شہر میں کہیں جا رہے تھے کہ ایک جگہ بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک لڑکا زمین پر دائرہ بنا کر دوسروں کو کہنے لگا کہ جو بھی اس دائرے میں داخل ہو گا وہ حضرت شیخ جیلانی کا مرید ہو گا۔ اتنے میں ایک لڑکے کو الٰہی توفیق حاصل ہوئی اور اس دائرے کے اندر آ گیا۔ کافی عرصے کے بعد جب وہ بڑی عمر کا ہوا تو ایک دن دوسرے مرید کے ساتھ پیران پیر کی خدمت میں آیا۔ پیران پیر نے اس کو پہچان لیا اور اپنے دوسرے مرید کو کہنے لگے کہ چھوٹی عمر سے لے کر جب مریدی کا ارادہ کیا تو ہم نے اسے قبول کیا اور اس کو اس دن سے اپنے مریدوں میں شامل سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد وہ شخص دونوں ہاتھوں سے بیعت ہوا۔

شعلہ: کہتے ہیں کہ ایک پیر کے کئی مرید تھے۔ سو ایک دن کیا کیا کہ اپنے حجرے کے سامنے ایک لکیر نکال کر ایک خادم کو وہاں بٹھا دیا۔ خود حجرے میں جا کر عبادت کرنے لگے۔ خادم کو کہا کہ جب بھی کوئی مرید آئے تو اس کو بتائے کہ جو بھی مرید یہ لکیر کود کر میرے حجرے میں گھسنے کی کوشش کرے گا وہ بے ایمان ہے۔

اکثر مرید آئے جو یہ سخن سن کر چپ کر کے وہاں بیٹھ جاتے تھے لیکن آخر میں ایک ایسا مرید بھی آیا جو لکیر کود کر اندر حجرے میں گھس گیا۔ پیر مخاطب ہو کر اسے کہنے لگے کہ ادھر کیوں آیا ہے کیا تو نے اس خادم کی بات نہیں سنی؟ جواب دیا کہ وہ تو سنی لیکن میرا پیر تو ہے۔ پیر کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا۔ پیر نے یہ جواب سن کر قبول کیا۔۲۲۱

شعلہ: کہتے ہیں کہ ایک طالب نے خدا کی طلب میں تیس سالوں کا روزہ رکھا اور اس دوران اس نے ہر جگہ جا کر ہر ایک بزرگ کی خدمت کی لیکن آخر تک اسے اپنا مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ کچھ بزرگوں نے اسے اشارہ دیا کہ وقت کے شیخ اور قطب اور زمانے کے مرشد شیخ ذوالنون مصری کی خدمت میں چلا جا وہاں تمھیں گوہرِ مقصود حاصل ہوگا۔ آخر وہ حضرت ذوالنون مصری کی خدمت میں آ کر حاضر ہوا جنھوں نے اس کو اپنے پاس بٹھایا اور طعام لا کر اسے کھانے کے لیے دیا۔ پہلے تو وہ طالب بہت مایوس اور نا امید ہوا لیکن اسے بھوک بھی کئی سالوں کی تھی۔ سو وہ کھانے میں مشغول ہو گیا۔ اتنا عرصہ طعام نہ کھایا تھا تو کھانے سے ہی نیند نے آ کر غلبہ بھی کیا اور عشا کی نماز اس سے چھوٹ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ وہ بارگاہِ رب العزت میں پہنچا ہے اور اپنا گوہرِ مقصود حاصل کر لیا ہے۔ ادھر شیخ ذوالنون مصریؒ کو خدا کی طرف سے عتاب آیا کہ تم نے ہمارے طالب کو اتنا کیوں کھلایا۔ ہم تو ایسے بے مراد یا اُن کو جو ہماری راہ میں سخت مجاہدے اور تکالیف برداشت کرتے ہیں ان کو بہت زیادہ چاہتے ہیں۔۲۲۴

شعلہ: کہتے ہیں کہ ایک دن سلطان العارفین، شیخ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ پر الٰہی شوق نے غلبہ کیا اور کہنے لگے کہ اے عرش! مجھے خدا تعالیٰ کی خبر دے کہ اس نے خود کہا ہے کہ

"الرحمٰن علی العرش استواء" (سورہ طٰہٰ ۲۰:۵)

وہ مہربان عرش پر ہے۔ عرش نے جواب دیا کہ جس کو تم یہاں ڈھونڈنے کے لیے آئے ہو، اس کو زمین والوں یعنی انسانوں میں ڈھونڈ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:۲۲۵

"انا عرضنا الامانة علیٰ السمٰوات والارض والجبال فابین ان یحملنها و اشفقن منها فحملها الانسان انه کا ظلوماً جهولا." (سورۃ الاحزاب ۳۳:۷۲)

"ہم نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کو امانت کی پیشکش کی، لیکن اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور پیچھے ہٹ گئے، پھر اسے انسان نے خود اٹھایا بے شک وہ اپنے ساتھ زیادتی کرنے والا اور جاہل ہے۔"

اے بایزید! خدا تعالیٰ نے اپنے اشتیاق کی امید خاکی انسانوں میں رکھی ہے اس لیے تو جا کر وہاں

ڈھونڈ وہ انسانوں میں ہے۔

بیت

انھين ۾ آھيءِ جي تون ڀانئين جھوپڙا

تاڙي جي لاھيءِ، تہ اجارو لوڪ ٿئي

ترجمہ: وہ اس جگہ ہے جس کو تو نے جھونپڑیاں سمجھ رکھا ہے۔ آدمی اگر اپنے اندر کی کھڑکی کھولے تو لوگوں پر سب روشن ہو جائے۔

بیت

منھن ڪر منجھارا، ٻاھر ڍونڍ ۾ ڍور جئن

اُڪري آرا، ڪنڌيءَ پڄڻ ڏاکڙو

ترجمہ: اپنا اندر دیکھو مویشیوں کی طرح باہر نہ ڈھونڈو۔ تیز بہاؤ کو پار کر کے کنارے پر پہنچنا دشوار کام ہے۔

شعلہ: ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ غوث الثقلین اور پسندیدۂ درگاہِ خداوندی میران محی الدین عبدالقادر جیلانی ایک ایسی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے جہاں آپ کا مکمل دھیان اس طرف تھا کہ کس طرح مختلف چیزیں خدا کی تسبیح میں مشغول ہیں؟ فی الفور خدا کی درگاہ سے جواب آیا۔ اے غوث الاعظم! ہمارا ذکر چھوڑ کر غیر سے مشغول ہو گئے ہو۔ یہ خطاب سن کر آپ حیران ہو گئے اور فوری طور پر توبہ کرنے لگ گئے اور دعا مانگنے لگے کہ اے اللہ! میرے لیے یہ دروازہ ہی بند کر دے کہ دوبارہ یہ تسبیح سن کر آپ سے غافل نہ ہو جاؤں۔٢٢٦

شعلہ: ایک مرتبہ کچھ مہمان زمانے کی یکتا عورت حضرت بی بی رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آ کر ٹھہرے۔ گھر میں آٹا دو روٹیوں سے بھی کم تھا۔ جب وہ پکائی تو دروازے پر ایک فقیر نے آ کر خدا کے واسطے کی صدا دی۔ آپ نے دونوں روٹیاں اس کے حوالے کیں۔ مہمان تعجب میں پڑ گئے کہ دو روٹیاں ہمیں نہیں دیں بلکہ فقیر کو دے دیں۔ بی بی رابعہ مہمانوں کی پریشانی سمجھ گئیں اور اُنھیں کہنے لگیں کہ میں نے یہ دو روٹیاں خدا کے واسطے اس لیے دی ہیں کہ وہ اُنھیں بڑھا دے۔ کچھ دیر بعد ایک کنیز نمودار ہوئی جو شہزادی کی طرف سے بھیجی ہوئی روٹیاں لے کر حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ یہ انیس روٹیاں شہزادی نے آپ کے لیے بھیجی ہیں۔ بی بی نے جب روٹیاں گنیں تو انیس تھیں۔ بی بی نے وہ قبول نہیں کیں اور کنیز کو کہنے لگی کہ شہزادی کو کہنا کہ میں نے خدا کے واسطے مفرد ہندسوں میں روٹیاں نہیں دی تھیں کہ مجھے مفرد ہندسوں میں واپس ملیں۔

حضرت جب یہاں پہنچے تو کہنے لگے کہ ہمیں یہ گمان نہ تھا کہ بی بی رابعہ بصری اس کنیز کا راز فاش کرے گی، کیونکہ اصل میں روٹیاں تو بیس تھیں لیکن ایک روٹی کنیز نے چوری کی تھی۔

شعلہ: کسی شخص کے پاس ایک گدھا تھا جو اس کے روزگار کا واحد ذریعہ تھا۔ اتفاقاً اس کا وہ گدھا گم ہو گیا۔ بہت ڈھونڈا لیکن نہ آملا۔ جب مجبور ہوا تو شہر کے شیخ اور پیر و مرشد کے پاس عرض لے گیا کہ میرا گدھا گم ہو گیا ہے۔ یا مجھے ڈھونڈ کر دیں یا مجھے خدا کے واسطے اتنے پیسے دیں کہ میں دوسرا گدھا لے سکوں۔ اس مرشد نے پوچھا کہ تمھارا گدھا کتنی قیمت کا تھا؟ اس نے کہا کہ پچاس درہم کا۔ اس پیر کے کئی مرید تھے۔ پچاس تو اس وقت ہی آپ کے سامنے موجود تھے۔ پیر نے ہر ایک کو کہا کہ اس کو ایک ایک درہم دو۔ سب پیر کے حکم کی تعمیل میں لگ گئے اور ایک درہم ہاتھ کر کے اس شخص کو دیا، اس طرح انچاس مریدوں نے ایک ایک درھم کر کے اس شخص کو دیئے۔ ایک مرید بہت غریب تھا جس کو ایک درہم کی بھی استطاعت نہ تھی اور نہ ہی کسی سے ادھار لے سکتا تھا آخر مجبور ہو کر اس نے اس شخص کو کہا کہ یہ پیسے جو تمھیں ملے ہیں وہ زادِراہ سمجھو اور تیرا گدھا فلاں چراگاہ میں جو کافی دور ہے وہاں چلے جاؤ، تمھیں مل جائے گا۔ اس شخص نے بھی ایسے ہی کیا اور اس کو واقعی اپنا گدھا مل گیا۔

ادھر وہ غریب مرید جب پیر کی خدمت میں آیا تو پیر نے پوچھا کہ تم نے اس گدھے والے شخص کو ایک درہم دیا یا نہیں؟ مرید بہت ہی شرمایا اور کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔ اس پر پیر نے کہا کہ یہ انچاس مرید بھی صاحبِ کرامت تھے لیکن اُنھوں نے اپنی کرامت ظاہر نہ کی۔ اب تیری یہ سزا ہے کہ اس کے بعد ہماری مجلس میں کبھی بھی نہ آنا، اپنے مریدوں کو بھی کہا کہ اس کو اپنی مجلس میں کبھی بھی آنے نہ دینا۔ ۲۲۷

شعلہ: ایک مرتبہ شیخ بایزید بسطامیؒ کسی صحرا سے گزر رہے تھے کہ زمین پر پڑی ہوئی کسی کی کھوپڑی دیکھی جس کے چہرے پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے۔

'خسر الدنیا والاخرۃ'

یعنی دنیا اور آخرت دونوں گم کیں۔

بایزید یہ الفاظ پڑھ کر بہت خوش ہوئے۔

کہتے ہیں کہ یہ بات کرتے وقت حضرت کے چہرے پر بھی رونق آ گئی اور آپ کہنے لگے کہ جو شخص دنیا اور آخرت دونوں کی طرف التفات نہیں کرتا اور جان بوجھ کر اس سے لاتعلق رہتا ہے تو وہ واقعی واصل باللہ ہوتا ہے۔ ۲۲۸

شعلہ: ایک مرتبہ عارفِ ربانی اور قطب شیخ شبلی رحمتہ اللہ علیہ کا مرید آپ کی اجازت سے کعبتہ اللہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ ہر منزل پر آرام کرنے کے وقت مراقبہ کر رہے تھے اور مراقبے میں جب تک اپنے مرشد کا دیدار نہ کرتے تب تک آگے کو نہ بڑھتے۔ ایک دن مراقبے میں اپنے پیر کو بادشاہ کی قید میں دیکھا۔ اس وقت آپ کے سامنے وضو کرنے والا کوزہ رکھا ہوا تھا۔ جلال میں آ کر اس کوزے کی طرف جیسے ہی نظر کی تو وہ کوزہ اُڑنے لگا اور بادشاہ کے شہر پر آ گرا۔ کوزے کے گرنے سے کئی لوگ زخمی ہوئے اور بہت سارا نقصان ہوا۔ بادشاہ کو جب یہ خبر ہوئی تو اس نے علماء کو بلا کر پوچھا کہ یہ قیامت کی نشانی تو نہیں کہ ایک کوزے سے یہ شہر تباہ ہوا۔ جواب دیا کہ نہیں۔ ابھی یہ ذکر جاری تھا کہ بادشاہ کو معلوم ہوا کہ اس کوزے نے آپ کے طویلے میں کتنے ہی گھوڑوں کو زخمی اور مرنے جیسا کر دیا ہے اور آخر میں وہ کوزہ اس قید خانے کے قریب جا کر پہنچا جہاں شیخ شبلی نظر بند تھے۔

بادشاہ یہ سن کر اپنے امیر امرا اور مشیران ساتھ لے کر شیخ شبلی کی خدمت میں آیا اور بڑی عاجزی سے عرض کرنے لگا کہ ایک کوزہ ہماری تباہی کا سبب بنا ہے۔ شیخ شبلی نے پوری حقیقت کر کے بتائی کہ میرا ایک مرید ہے جو کعبتہ اللہ کی زیارت کے لیے گیا ہوا ہے۔ اس نے خواب میں مجھے قید میں دیکھا ہے اس لیے اس نے اپنے کوزے کو حکم دیا ہے کہ وہ آ کر تمھیں خبردار کرے۔ یہ سن کر شیخ کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ قید سے باہر لائے اور شیخ کے حکم سے کوزہ واپس اُڑ گیا۔ اس مرید نے جب وہ کوزہ دیکھا تو پھر ہی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ ۲۲۹

شعلہ: ایک درویش پر خدا تعالیٰ اتنا مہربان تھا کہ ایک بادل اس کے حکم سے چلتا تھا۔ جہاں بھی وہ جاتا تھا وہ بادل اس پر سایہ کرتا تھا۔ ایک دن وہ بادل غائب ہو گیا اور اب اس پر کوئی بھی سایہ کرنے والا نہ تھا۔ درویش بہت پریشان تھا۔ بہت سی ترکیبیں استعمال کیں اور کئی بزرگوں کے پاس بھی گئے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ایک بزرگ نے جواب دیا کہ فلاں بادشاہ کی خدمت میں جاؤ اور اس کو اپنے مقصد کے لیے عرض کرو۔ یہ شخص جب اس بادشاہ کے پاس پہنچا تو بادشاہ اس وقت جنگل میں شکار کر رہا تھا۔ بادشاہ خود عارفِ کامل تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ بندہ کس کام کے لیے آیا ہے۔ اپنے خدمتگار کو کہا کہ اس کا خاص خیال رکھا جائے۔ بادشاہ جب اپنے وطن واپس آیا تو پہلے اس کو ایک محل دکھایا جو نہایت ہی عالیشان طریقے سے بنا ہوا تھا۔ مکمل محل عجیب نقش و نگار اور ہیرے جواہرات سے سجا ہوا تھا۔ محل میں کئی حسین وجمیل نازک بدن کنیزیں ریشم اور کمخواب پہنے ہوئے بیٹھی تھیں۔ ان کے لباس پر نہایت قیمتی ہیرے موتی لگے ہوئے تھے اور ان کا مکمل جسم

سونے اور چاندی سے ڈھانپا ہوا تھا۔ اس آئے ہوئے درویش کو پہلے محل کی سیر کرائی گئی لیکن آخر میں اسے ایک ایسی جھونپڑی میں لایا گیا جہاں ایک عورت بیٹھی تھی اور چرخے پر سوت کات رہی تھی جس کو بیچ کر اس کو مشکل سے دو روٹیوں کا آٹا ملتا تھا جس سے ایک روٹی خود کھائی اور ایک بادشاہ کو دی۔ وہاں پر بادشاہ نے اپنا شاہی لباس اتار کر نیچے پیوند لگا ہوا کرتہ جس میں لوہے کی میخیں لگی ہوئی تھیں اس درویش کو دکھائیں یہ بھی کہا کہ یہ عورت میری بیوی ہے اور لباس میرا وہ ہے۔ ۲۳۰

ادھر بادشاہ کی بیوی جس نے پہلے سنا تھا کہ اس کے گھر میں ایک مہمان آرہا ہے تو اس نے تین روٹیاں تیار کی تھیں۔ وہ دل میں بہت خوش تھی کہ کوئی طالبِ خدا اس کا مہمان بن کے آیا ہے لیکن جب بادشاہ نے بتایا کہ یہ درویش بادل کا طالب ہے اور اس نیت سے ادھر آیا ہے تو اس عورت نے ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگی کہ میں نے سمجھا تھا کہ یہ درویش طالبِ خدا ہوگا۔ آخرکار اس درویش کو اپنا مقصد حاصل ہوا تب اسے رخصت کیا گیا۔

شعلہ: ایک مرتبہ کچھ بزرگ عارفہ یگانہ حضرت بی بی رابعہ بصری سے ملاقات کے لیے آئے۔ رابعہ بصریؒ ان کو مخاطب ہو کر کہنے لگیں کہ کیا تمھیں خداوند تعالیٰ کی رضامندی اور غصے کا پتہ چلتا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم سے زیادہ تمھیں پتہ ہوگا۔ اس پر بی بی رابعہ کہنے لگیں کہ جب خدا کے فقیر فقط سلام بھجوا دیتے ہیں لیکن خود نہیں آتے تو سمجھتی ہوں کہ اللہ ناراض ہے لیکن جب وہ خود آتے ہیں تو سمجھتی ہوں کہ خدا تعالیٰ راضی ہے۔ یہ بات ان بزرگوں کو بہت پسند آئی۔ ۲۳۱

شعلہ: ایک مرتبہ دو بزرگ سفر کرتے ہوئے کسی مسجد میں آ کر مقیم ہوئے۔ عشا کی نماز کے بعد جب سب نمازی چلے گئے تو اُنھوں نے تنہائی میں بیٹھ کر وحدت کے سخن گائے اور اس کے بعد مستی میں آ کر ایک دوسرے کو اپنی ٹوپیاں ماریں، اچانک اُنھیں محسوس ہوا کہ کوئی تیسرا شخص بھی مسجد کے کسی کونے میں موجود ہے۔ فوراً چپ ہو گئے اور ظاہری دنیا کی باتیں کرنے لگے تاکہ کسی اور کو خبر نہ ہو۔

شعلہ: ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ زمانے کے عارف اور خدا کے برگزیدہ میران محمد جن کا مھدی کا لقب تھا، ٹھٹھہ میں تشریف فرما تھے۔ ایک دن اپنے مریدوں سے پوچھا کہ فلاں مرید کو ایک ہفتہ ہوا ہے کہ ہمارے پاس نہیں آیا ہے، اس کا کیا سبب ہے۔ جواب ملا کہ وہ بیمار ہے۔ یہ سن کر میران محمد نے اپنے مریدوں سے کہا کہ چلو اس کی عیادت کریں۔ جب اس مرید کے گھر پہنچے اور پوچھا کہ کون سی بیماری ہے۔ اس نے جواب دیا کہ کوئی بیماری نہیں البتہ ایک ہفتہ ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے قطب کے درجے پر فائز کیا ہے لیکن میں وہ درجہ

قبول نہیں کر رہا۔ اب بھی میں پریشان ہوں کہ وہ درجہ قبول کروں کہ نہیں۔ آپ نے کہا کہ یہ بات ہرگز قبول نہ کرنا۔ مردود ہے کہ جو غلاموں کی طرح اپنے کام کاج میں ہمیشہ مشغول رہے اور کبھی بھی مرتبے قبول نہ کرے۔۲۳۲

یہ بات کر کے حضرت نے فرمایا کہ میران محمد رحمتہ اللہ علیہ بڑے بزرگ تھے یہاں تک کہ پانچ سو بادشاہوں کے بیٹے دنیا کو چھوڑ کر اُن کے مرید ہوئے تھے۔

شعلہ: ایک دن سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ خرقان شہر کے نزدیک سے گزرے۔ وہاں اپنے ساتھیوں کو مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ یہاں ہمیں ایسے شخص کی خوش بو آ رہی ہے جو ہمارے بعد پیدا ہوگا لیکن ہمارا مرید ہوگا اور اس کا نام ابوالحسن ہوگا۔ ہم خدا کی راہ میں جس منزل پر اتنے ذکر وفکر کے بعد پہنچے ہیں وہ فوری طور پر وہاں پہنچے گا۔

کہتے ہیں کہ ابوالحسن سے جب سوال کیا گیا تو بایزید نے اپنے جواب میں کہا تھا کہ وہ مسافر ہے نہ مقیم۔ آپ اس سوال کا کیا جواب دیتے ہیں۔ ابوالحسن نے جواب دیا کہ ہم دونوں مسافر بھی ہیں اور مقیم بھی۔

شعلہ: ایک فقیر تھا جس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ دن اور رات میں ایک ایسا لمحہ ہے جو مقبولیت والا ہے۔۲۳۴ اس خیال سے جا کر ایک پہاڑ پر بیٹھا اور مسلسل یہ دعا مانگتا رہا کہ خدایا اس پہاڑ کو سونا بنا اور اچانک اس کی دعا مقبول ہوئی اور مکمل پہاڑ سونے کا ہو گیا۔ اس کے بعد دوسری دعا مانگنے لگا کہ اے مولا! جو تم سے تھوڑی یا چھوٹی چیز مانگے اس کا منہ کالا کر۔ اس نے ابھی یہ دعا پوری ہی نہیں کی تو خود اس کا منہ کالا ہو گیا اور اوپر منہ کر کے کہنے لگا کہ خدایا میں نے یہ نہ مانگا تھا کہ میرا منہ کالا ہو۔ آواز آئی کہ اے درویش تم نے بہت چھوٹی چیز مانگ لی تھی میری عنایت بہت بڑی ہے اور میرا لطف بڑا وسیع ہے۔ یہ ہی سبب ہے کہ تیرا منہ کالا ہو گیا ہے۔

شعلہ: ایک دن کوئی خدا کا دیوانہ دنیا کے سارے کام کاج چھوڑ کر جنگل کو روانہ ہو گیا اور اپنے ساتھ فقط گدائی کے لیے ایک کاسہ اٹھایا۔ راستے میں ایک بزرگ ملا جس نے دیکھ کر پوچھا کہ یہ ہاتھ میں کیا اٹھایا ہے۔ جواب دیا کہ یہ مٹی کا کاسہ ہے جو گدائی کے لیے اٹھایا ہے۔ بزرگ نے کہا کہ یہ بھی بے جا اٹھایا ہے جو رزق دے گا وہ کاسہ بھی خود بھیج سکتا ہے۔ اس بزرگ نے اس وقت وہ کاسہ زمین پر دے مارا اور خود اکیلا روانہ ہو گیا۔

شعلہ: دونوں جہانوں میں خدا کے پسندیدہ بزرگ سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے تھے کہ جب میرے دل میں اس دنیا کا خیال آتا ہے تو میں صرف وضو کرتا ہوں، لیکن جب آخرت کا خیال یا فکر ہوتی ہے تو پھر غسل کرتا ہوں کیونکہ یہ دنیا آخرت کے مقابلے میں کمتر ہے اور آخرت کا درجہ بہت اونچا ہے۔ اس میں بہشت اور کئی چیزیں ہیں۔ چونکہ آخرت کا خطرہ بڑا اور زیادہ ہے اس لیے میں غسل کرتا ہوں۔ ۲۳۵ے

شعلہ: کہتے ہیں کہ عید کا دن تھا۔ اس دن علم کے بحر اور حلم کے پہاڑ حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ اپنے بیٹے کے ساتھ جا رہے تھے کہ وہاں لوگوں کا بڑا مجمع تھا اس لیے بیٹے کو کہا کہ میری چادر کے کونے کو قابو سے پکڑنا کہ کہیں لوگوں کے مجمعے میں گم نہ ہو جاؤں اگر چادر کا یہ کونہ تم سے چھوٹ گیا تو پھر مجھے ہرگز نہ ڈھونڈ سکو گے۔ یہ بات کہہ کر حضرت کہنے لگے کہ طالب کو چاہیے کہ کبھی بھی اسمِ خدا کو دل سے نہ بھولے ورنہ ایسا فراق آ جائے گا کہ خدا سے کافی دور رہ جائے گا۔ ۲۳۶ے

شعلہ: ایک مرتبہ کسی شہر میں قحط پڑا۔ کتنے عرصے سے بارش کا ایک قطرہ بھی نہ پڑا تھا۔ بھوک اور بدحالی سے لوگ مرنے اور شہر چھوڑنے لگے۔ آخر میں بادشاہ اور اس کی بیوی رہ گئے۔ کچھ وقت کے بعد بادشاہ بھی رحلت کر گیا۔ فقط اس کی بیوی باقی رہ گئی جو اس بھوک اور بدحالی کے عالم میں مٹی میں اناج کے بچے کھچے دانے ڈھونڈتی رہتی، اتنا کہ پورے سات دن جمع کرنے کے بعد ایک وقت کا کھانا بنتا تھا اور ان کی روٹی پکا کر بھوک کو ٹالتی تھی۔ ایک مرتبہ سات دنوں کی کشمکش کے بعد اناج کے دانے جمع کر کے روٹی پکا کر تیار کی تو ایک بھوکا کوا آ گیا۔ کوے کی حالت بہت رحم کھانے کے قابل تھی۔ بادشاہ کی بیوی نے وہ ایک روٹی بھی کوے کو دے دی اور خود صبر کر کے بیٹھ گئی۔ کوے کا جب روٹی کھا کر پیٹ بھر گیا تو منہ اوپر کر کے آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ بس اتنی دیر تھی کہ اتنی بارش ہوئی کہ سارا ملک خوشحال ہو گیا۔ گویا مردہ زندہ ہو گئے۔ حالات اچھے ہو گئے اناج کے گودام بھر گئے۔ سب لوگوں نے اناج سے گھر بھر لیے۔ لوگ خوشحال ہو گئے اور خوشی سے دن گزارنے لگے لیکن یہ سب ایک روٹی کی برکت سے ہوا جس کے لیے رحمتِ الٰہی جوش میں آئی۔

شعلہ: کہتے ہیں کہ زمانے کی برگزیدہ ہستی بی بی رابعہ بصری نے کبھی بھی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم نہ کہا، ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ اعوذ باللہ کیوں نہیں کہتیں، جواب دینے لگیں کہ شیطان سے میری کوئی دشمنی ہے اور نہ ہی میرا کوئی انتقام ہے۔ ۲۳۷ے

شعلہ: زمانے کے قطب فانی فی اللہ شیخ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بارہ سال دریائے وحدت کے کنارے قیام کیا۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ خدا کے کئی طالبوں کی کشتیاں ڈوب گئیں البتہ چند ڈوبنے سے بچ جاتی

تھیں۔ جن کے پاس صبر یقین اور ہمت تھی صرف ان ہی کی کشتیاں سلامتی سے کنارے پر پہنچ رہی تھیں۔ ۲۳۸ؔ

شعلہ: ایک بزرگ اکیلا جنگل میں جا کر خدا کو یاد کرنے لگا اور دنیا کے سب معاملات اور تعلقات سے خود کو الگ کر کے بیٹھ گیا۔ ایک دن مراقبے میں دنیا کو دیکھا جو اسے کہہ رہی تھی کہ مجھے قبول کرو۔ درویش کہنے لگا کہ تم نے کسی سے وفا نہیں کی ہے اور نہ ہی کسی کے پاس ہمیشہ رہی ہو بلکہ جب چھوڑ جاتی ہو تب بتاتی بھی نہیں ہو، اس لیے تمھیں قبول کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ دنیا یہ سن کر کہنے لگی کہ مجھے قبول کرو تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ جانے کے وقت تمھیں بتاؤں گی، آخر درویش نے یہ پیشکش قبول کی۔

کچھ دنوں کے بعد وزیر کا لڑکا سخت بیمار ہو گیا۔ کسی کے کہنے پر اس درویش کے پاس لے آئے جو درویش کی دعا سے صحت یاب ہو گیا۔ پھر بادشاہ کی بیٹی بیمار ہو گئی اور مرنے کو تھی بلکہ دوسرے طبیبوں نے لاعلاج سمجھ کر جواب دے دیا تھا تو اس کو بھی اس درویش کے پاس لے آئے۔ درویش کی دعا سے وہ بھی شفایاب ہو گئی۔ بادشاہ درویش کی یہ باتیں سن کر معتقد ہو گیا اور اپنی بیٹی کا نکاح اس درویش سے کروا دیا۔ اب درویش بادشاہ کا داماد اور خاص مقرّب ہو گیا اس لیے اس کے پاس دولت بھی اس انداز سے آنے لگی۔ ہر وقت طرح طرح کے طعام کھانے اور مختلف اقسام کے لباس پہننے لگا۔ ہر کوئی اس کی عزت کرتا تھا۔ کتنے ہی سال زندگی اس طریقے سے گذاری لیکن دل میں یہ خیال ہوتا کہ دنیا کبھی نہ کبھی اسے چھوڑ جائے گی اس لیے اپنا درویشی لباس ایک صندوقچی میں سنبھال کر رکھ دیا اور اس وقت کا انتظار کرنے لگا۔ ۲۳۹ؔ

ایک دن محل میں صرف بادشاہ اور درویش موجود تھے، اتفاقاً بادشاہ کو نیند نے غلبہ کیا سو اس درویش کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹ گیا اور اسے نیند آ گئی۔ ٹھیک اس وقت دنیا آ کر اس درویش کے آگے حاضر ہوئی اور اسے کہنے لگی کہ میں تمھیں خبردار کرنے آئی ہوں کہ میں تم سے رخصت ہونے والی ہوں۔ درویش یہ سن کر سخت پریشان ہوا اور بادشاہ کے منہ کو دیکھنے لگا۔ اُدھر بادشاہ خواب دیکھ رہا تھا کہ شیطان اسے کہہ رہا تھا کہ تیرا داماد تمھیں قتل کر کے خود بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ اچانک کوئی تنکا اڑ کر بادشاہ کے منہ پر گرا۔ درویش نے خیال کیا کہ یہ کسی بھی طرح ہٹایا جائے اس خیال سے وہ اپنا چاقو نکال کر اس تنکے کو آہستہ سے ہٹانے لگا تو بادشاہ جاگ گیا۔ بادشاہ نے چاقو درویش کے ہاتھ میں دیکھا تو یقین ہوا کہ اس کا خواب سچا تھا۔ بڑی آواز سے پکارنے پر لوگ جمع ہوئے تو بادشاہ داماد کو مخاطب ہو کر کہنے لگا میں نے تمھیں اتنی عزت دی اور تمھیں اتنا مرتبہ حاصل ہوا، میں نے تم سے کون سی برائی کی کہ تم میرے خون کے پیاسے ہو گئے؟ درویش نے بہت سے عذر پیش کیے لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ بے عزت کر کے زنجیر گلے میں ڈال کر قید کیا۔ اس وقت درویش نے بادشاہ کے محل

میں رکھی ہوئی صندوقچی منگوائی اور اپنا لباس نکال کر پہنا اور بادشاہ کو مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ کوئی خیال نہ کرنا کہ ہم نے دنیا کو چند دنوں کے لیے قبول کیا تھا اور ابھی اسے ترک کرتے ہیں۔ حضرت یہ بات مکمل کر کے کہنے لگے کہ یہ ہیں دنیا کے مکروفریب۔ دنیا جسے کوئی بھی بقا نہیں اس کے دام میں ہرگز نہ آؤ بلکہ اس کے قریب بھی نہ جاؤ تاکہ ہلاکت اور وبال سے بچ جاؤ۔۲۴۰

شعلہ: کسی شہر کی پس گردائی میں ایک شخص رہتا تھا جو اپنا کافی وقت بیابان میں گزارتا تھا۔ اکثر طور پر چھ مہینے روزے رکھتا تھا اور وہ مکمل وقت دروازہ بند کر کے عبادت کرتا تھا۔ جب افطار کے لیے باہر نکلتا تھا تو وقت کا بادشاہ جو آپ کا معتقد تھا، زیارت کے لیے حاضر ہوتا تھا۔ وہ اپنے ساتھ کچھ طعام لے کر آتا تھا۔ وہ درویش ہمیشہ اس طرح افطار کرتا تھا۔ زیادہ وقت اس شخص کا یہ معمول رہا۔ ایک دن اس بادشاہ کی ایک دوسرے بزرگ سے ملاقات ہوئی تو اس سے باتیں کرتے ہوئے اس شخص کی تعریف کرنے لگا۔ کہنے لگا کہ وہ بڑے مجاہدے والا انسان ہے جو چھ مہینے روزے رکھتا ہے۔ یہ سن کر درویش کہنے لگا کہ تم نے غلط سمجھا ہے۔ دراصل وہ سب کچھ کرتا ہے لیکن تمھیں خبر نہیں ہے۔ بادشاہ حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ یہ کھول کر سمجھاؤ۔ اس درویش نے جواب دیا کہ اصل میں آپ کی طرف سے عزت و مرتبہ اس کی بڑی قوت ہے۔ بادشاہ کہنے لگا کہ ان باتوں کی اسے کوئی بھی پروا نہیں ہے۔ درویش نے کہا کہ پھر ایسا کرو کہ اب جب اس کا چلّہ مکمل ہو تو تب تم اس کے پاس کسی اور شخص کو بھیجو۔ جب وہ درویش حجرے سے باہر آئے تو اس سے کہے کہ بادشاہ نے جو پہلے تمھارا اتنا معتقد تھا اب تمھارے متعلق اپنے خیال کو تبدیل کر دیا ہے۔ پھر دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔ بادشاہ نے ایسا کیا۔ جب چلّہ مکمل ہونے کا وقت آیا تو اس نے دو بندے بھیجے جنھوں نے اس درویش کے سامنے ایسی گفتگو کی۔ جیسے ہی اس عابد شخص نے وہ گفتگو سنی تو واقعی سخت ملول ہو گیا۔ جب بادشاہ روزہ افطار کرنے کے وقت نہ آیا تو زیادہ یقین ہوا۔ تین دن کے بعد جب حجرے کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ عابد شخص مر چکا ہے۔ یہ خبر سن کر اس درویش نے بادشاہ سے کہا کہ میں نے صحیح کہا تھا یا غلط۔ بادشاہ نے جواب میں کہا کہ تم نے بالکل صحیح کہا تھا۔۲۴۱

شعلہ: کہتے ہیں کہ وقت کے شیخ سلطان ابراہیم ادھم کے پاس جو بھی شخص مرید ہونے کے لیے آتا تھا اسے تین شرائط بتاتے تھے۔ اگر وہ قبول کرتا تھا تو اسے مریدی میں قبول کرتے تھے۔ وہ تین شرائط اس طرح تھیں: پہلے مرید کو کہتے تھے کہ جس کام کے لیے اپنے آپ کو محتاج محسوس کرو اس بات کا ذمہ ہم خود پر اٹھاتے ہیں۔ تم خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ گے۔ دوسری یہ کہ آٹے اور کپڑوں کا ذمہ بھی ہم پر ہے، تیسری یہ کہ اذان

وغیرہ میں خود کہوں گا۔ جو لوگ مرید ہونے کے لیے آتے تھے وہ حیران ہو جاتے تھے۔ بہت سے یہ باتیں قبول نہ کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم خود پیر کی خدمت کے لیے آتے ہیں نہ کہ اپنی خدمت کے واسطے البتہ کچھ لوگ جو زیادہ عقلمند تھے وہ یہ باتیں قبول کرتے تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اگرچہ پیر کی طرف سے مرید کی خدمت ترکِ ادب ہے لیکن ہمارے لیے یہ کافی ہے کہ قیامت کے دن ابراھیم ادھم کے مریدوں کی صف میں شامل ہوں گے۔۲۴۲

شعلہ: ایک بادشاہ کسی بزرگ کا بڑا معتقد تھا۔ ایک دن دوسرے ملک کے بادشاہ نے اس بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ اپنی بیٹی کا رشتہ مجھے دو ورنہ تم سے جنگ ہوگی اور میں تمھارے ملک پر چڑھائی کر کے اسے برباد کر دوں گا۔ اس بادشاہ نے جواب بھیجا کہ یہ کام مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ سن کر اس بادشاہ نے حملے کی نیت سے اپنا لشکر بھیجا۔ وہ بزرگ اس وقت مراقبے میں بیٹھا ہوا تھا اس لیے بادشاہ وہاں کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگا۔ بزرگ نے جب مراقبے سے گردن اٹھائی تو پوچھا کون کھڑا ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ آپ کا خادم۔ بزرگ نے پوچھا کہ خدمت کا ارادہ رکھتے ہو۔ جواب دیا کہ ہاں۔ بزرگ نے کہا کہ پھر اپنی بیٹی مجھے نکاح میں دو۔ بادشاہ فی الفور محل میں آیا اور اپنی بیٹی کو نکاح کے لیے تیار کر کے بزرگ کے پاس لے آیا۔ بزرگ اس عورت کو حجرے میں چھوڑ کر مراقبے میں بیٹھ گیا لیکن بادشاہ پہلے کی طرح وہاں کھڑا رہا اور وہاں سے نہ ہلا۔ آخر جب بزرگ نے محسوس کیا تو پھر گردن اٹھا کر معلوم کرنے لگا کہ کون کھڑا ہے۔ بادشاہ نے وہی جواب دیا کہ آپ کا خادم۔ بزرگ نے کہا کہ اب بھی خدمت کی تمنا رکھتے ہو۔ جواب دیا ہاں۔ بزرگ نے کہا کہ اپنے جسم سے چمڑی کا ٹکڑا نکال کر مجھے دو۔ بادشاہ نے اسی لمحے کچھ لوگوں سے کہا جنھوں نے آپ کی چمڑی نکال کر بزرگ کے حوالے کی۔ تیسری مرتبہ بزرگ پھر بھی مراقبے میں مشغول ہو گیا لیکن بادشاہ اسی طرح وہاں کھڑا رہا۔ بزرگ نے پھر گردن اٹھائی اور پوچھا کون کھڑا ہے۔ بادشاہ نے وہی جواب دیا۔ بزرگ نے پوچھا کہ بندگی کی امید رکھتے ہو؟ جواب دیا کہ ہاں۔ بزرگ نے کہا کہ اپنا سر تن سے جدا کر کے میرے حوالے کر۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ مطلب یہ کہ جیسے بزرگ نے کہا بادشاہ چپ چاپ ویسا کرتا رہا۔ بزرگ نے جب یہ سب کچھ مشاہدے میں دیکھا تو فوراً بادشاہ کے کٹے ہوئے سر کو حکم کیا تو وہ جا کر جسم سے ملا اور چمڑی جا کر بدن سے ملی جس کے بعد اسے اٹھنے کا حکم کیا تو بادشاہ صحیح حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ بزرگ نے پوچھا کیا دیکھا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ جب میں نے اپنی بیٹی نکاح میں دی تب معلوم ہوا کہ دنیا کی تمام ولایتیں میرے حکم میں ہیں۔ دوسرا کوئی بھی بادشاہ نہیں ہے۔ جب میں نے اپنی چمڑی نکال کر آپ کے حوالے کی تو

خدا تعالیٰ کا مشاہدہ نصیب ہوا۔ پھر جب سرتن سے جدا ہوا تو خود کو واصل بحق دیکھا اور اپنا مقصد پورا ہوتا ہوا دیکھا۔ بزرگ نے کہا کہ جو کچھ بھی تم نے دیکھا میں نے وہی تمھیں لوٹایا۔ اگر اور بھی کچھ دیتے تو اس کے بدلے تمھیں ضرور کچھ ملتا۔ ۲۴۳

شعلہ: کہتے ہیں کہ زمانے کے شیخ عارفِ یگانہ خدا کے پسندیدہ پیرِ عصر شیخ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اکثر طور پر جب وعظ کرتے تھے تو سامعین کے حالات کے مطابق گفتگو کرتے تھے لیکن ایک دن جب وہ منبر پر بیٹھ کر وعظ کر رہے تھے تو آپ کی زبان سے بے اختیار حقیقت کے انکشافات ہونے لگے اور اسرارِ الٰہی کے نعرے بلند ہونے لگے۔ آپ حیران ہوئے کہ آخر اس کا کیا سبب ہے۔ خادم کو بلا کر کہنے لگے کہ دیکھو مجلس میں کوئی اہلِ اللہ تو نہیں بیٹھا ہے۔ خادم نے جا کر دیکھا، لیکن اسے کوئی نظر نہ آیا۔ واپس آ کر بتایا کہ مجلس میں کوئی شخص بیٹھا ہوا نہیں ہے۔ اس پر شیخ بصری نے کہا کہ مسجد سے باہر جا کر معلوم کرو۔ جیسے ہی خادم مسجد سے باہر آیا تو دیکھا کہ بی بی رابعہ بصری ایک سوراخ سے مسجد کے اندر جھانک رہی تھیں اور وعظ سن رہی تھیں۔ خادم نے اندر آ کر شیخ کو اس حقیقت سے واقف کیا۔ شیخ نے کہا ہاں ہمیں بھی یہ حقیقت معلوم ہوئی ہے۔ ۲۴۴

شعلہ: کسی زمانے میں ایک فقیر اور بادشاہ کا بیٹا آپس میں دوست تھے۔ اچانک بادشاہ مر گیا تو اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا۔ فقیر اس وقت کسی دوسرے ملک گیا ہوا تھا۔ ایک دن اس فقیر سے کسی غریب نے ایک درہم مانگا۔ فقیر نے کہا میرے ساتھ چل کہ وقت کے بادشاہ سے جو میرا یار ہے اس سے تمھیں درہم دلا دوں گا۔ سائل نے قبول کیا اور بادشاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

ادھر شہزادے نے وزیر کو کہا کہ دیناروں کی تھیلی اپنے ساتھ اٹھاؤ تو اپنے یار فقیر کو ڈھونڈ کر اس کے حوالے کریں۔ ابھی شہر سے باہر ہی نکلے تھے کہ راستے میں فقیر مل گیا۔ جیسے ہی ایک دوسرے کو دیکھا تو بڑی محبت سے ملے اور بیٹھ کر مجلس کرنے لگے۔ وہاں فقیر نے بادشاہ سے عرض کی کہ اس غریب کو ایک درہم دیا جائے۔ فقیر کے جانے کے بعد وزیر نے پوچھا کہ سائیں یہ تھیلی جو آپ نے ساتھ اٹھائی ہے وہ اسے کیوں نہیں دی؟ ایک درہم دینا مناسب نہیں تھا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اگر وہ نہ مانگتا تو پوری تھیلی اس کے حوالے کرتا اب جب اس نے طمع رکھی تو پھر ایک درہم اس کے لیے کافی ہے۔ ۲۴۵ اس حکایت کے بعد حضرت نے یہ شعر پڑھا:

تون ڏانھن توتي ڏاڻ، ھي ھاڻ اتي منٿو
انھين ھارين آسئور کو چني وڃائي ھاڻ

ترجمہ: اے مالک! تیری طرف سے دان تیرے ہی جیسا ہے۔ باقی یہ بندہ فقط مانگنے والا ہے۔ ایسی روش سے نادان آدمی خود بات کر کے اپنا نقصان کرتا ہے۔

شعلہ: کہتے ہیں کہ ایک گودڑی پوش فقیر کسی سُنار کے بیٹے پر عاشق ہوگیا اور کافی وقت اس زرگر کی دکان کے سامنے کھڑا رہتا تھا۔ وہ لڑکا بھی اس دکان پر کام کرتا تھا۔ جب زرگر اور اس کا بیٹا اپنے گھر واپس جاتے تھے تو یہ فقیر ان کی دکان پر جا کر نیچے گرائی ہوئی مٹی کو بڑی حسرت سے اپنے ہاتھوں میں اٹھاتا تھا کہ اس کے محبوب کی دکان کی مٹی ہے۔ ایک دن وقت کے بادشاہ نے سنار کو ایک نہایت قیمتی موتی بھیجا کہ اس کو انگوٹھی میں لگا کر دے۔ اتفاقاً دکان بند کرنے کے وقت وہ موتی خاک میں گر پڑا۔ ادھر فقیر دکان بند ہونے کے بعد معمول کے مطابق اس خاک کو جمع کرنے لگا تو وہ موتی اسے ہاتھ آ گیا۔ فقیر نے وہ موتی اٹھا کر اپنی جھولی میں قابو کیا۔ دوسرے دن جب سُنار کو موتی نظر نہ آیا تو بادشاہ کے خوف سے بہت سخت حیران و پریشان ہوا۔ فقیر یہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ ماجرا کیا ہے تو سُنار سے پوچھنے لگا کہ معاملہ کیا ہے؟ سُنار نے کہا کہ موتی گم ہوگیا ہے۔ فقیر نے کہا کہ اگر کوئی تمھیں وہ موتی ہاتھ بھر کے دے تو کیا تم اپنا بیٹا تھوڑی دیر کے لیے اس کے حوالے کرو گے۔ سُنار نے کہا بالکل میں ہمیشہ کے لیے اپنا بیٹا اس کی خدمت میں دے دوں گا۔ ۲۴۶

یہ سن کر فقیر نے موتی اپنی جھولی سے نکال کر اس کے حوالے کیا۔ سُنار بہت خوش ہوا اور فقیر کے لیے اپنی دکان کے نزدیک ایک حجرہ بنوایا اور بیٹے کو اس کی خدمت کا حکم کیا۔ فقیر کو جب معلوم ہوا کہ میرا محبوب آنے والا ہے تو اس کی مہمان نوازی کے لیے کھانے کے بندوبست میں لگ گیا۔ تھوڑے چاول لے کر دیگچی میں ڈال کر آگ پر رکھ دیئے۔ کچھ دیر میں خیال آیا کہ محبوب کے لیے طعام تیار کرنے کے لیے لکڑیاں مناسب نہیں اس لیے لکڑیاں نکال کر اپنا پاؤں آگ میں ڈال دیا، آگ جب پاؤں جلا کر گھٹنے کو پہنچی تو لڑکے نے چیخنا شروع کر دیا۔ لڑکے کا باپ اور دوسرے لوگ جو حجرے سے باہر کھڑے تھے فوری طور پر اندر آ گئے کہ مبادا فقیر لڑکے سے کوئی زیادتی کرے لیکن جیسے وہ اندر گھس آئے تو فقیر حجرے کی کھڑکی سے باہر نکل کر ہمیشہ کے لیے گم ہوگیا۔ لڑکے سے جب پوچھا گیا تو اس نے پورا ماجرا بیان کر کے سنایا بلکہ وہ افسوس کرنے لگا کہ میں اب اس فقیر کے سوا کیسے زندہ رہوں گا۔ یہ بھی کہا کہ تم یہاں نہ آتے تو بہتر تھا۔ ۲۴۷

حضرت بات مکمل کر کے کہنے لگے کہ مجازی عشق میں کبھی بھی پھنسنا نہیں چاہیے لیکن اگر کوئی قابو ہو جائے تو ایسا کرنا چاہیے جیسا اس فقیر نے کیا۔

شعلہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک فاسق ہوتا تھا جس کی کوئی بھی شب گناہ کے سوا نہیں گزرتی تھی۔ اس کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ فلاں شخص کو چل کر دفن کریں۔ آپ اس کے جنازے میں شریک ہوئے اور تدفین کی لیکن جنازے کے ساتھ چلتے وقت آپؐ ایڑیاں اٹھا کر چل رہے تھے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ آپؐ مکمل پاؤں زمین پر نہیں رکھتے۔ فرمایا کہ اس میت کی نماز کے لیے آسمان سے اتنے فرشتے آئے ہیں کہ پاؤں رکھنے کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے بعد جب اس شخص کے گھر آئے اور اُس کے بیٹوں سے معلوم کرنے لگے کہ یہ شخص کون سا عمل کرتا تھا اور کون سی عبادت میں وقت صرف کرتا تھا؟ کہنے لگے کہ زانی تھا اور ایسا کوئی گناہ نہیں جو اس نے چھوڑا ہو لیکن سونے کے وقت ہمیشہ یہ الفاظ کہتا تھا۔ ۲۴۸

سبحان اللہ المقدر لما یشاءَ بقدرتہ وفعال لما یرید بعزتہ برحمتک یا ارحم الراحمین.

یعنی پاک ہے وہ خدا جو اپنی قدرت سے جو چاہتا ہے وہ بناتا ہے اور جو اپنی قوت سے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اے مہربان! تو اپنی مہربانی کر! اس دعا کے بعد مزید کہتا تھا کہ اے خدا! جتنی تیری بڑائی ہے اور جیسا تو ہے اتنی اور ایسی مجھے امید ہے۔ پھر یقین ہوا کہ اتنا شرف اس دعا کی برکت سے ملا ہے۔

شعلہ: ایک پیر تھا جس کے کئی مرید تھے۔ ایک دن کسی سوداگر نے اس پیر کی مریدوں کے ساتھ دعوت کی۔ دعوت کا اہتمام اوپر جگہ پر کیا ہوا تھا جہاں سب مہمانوں کے لیے عالیشان فرش بچھائے گئے تھے۔ طعام کے سوا سماع کا اہتمام بھی تھا۔ اچانک جب سماع کی محفل عروج پر تھی تو ایک مرید وجد میں آ گیا جو اٹھ کر ناچنے لگا اور زور سے پاؤں زمین پر مارنے لگا اس قدر کہ اگر دوسرے مرید اسے نہ پکڑتے تو شاید مکان سے نیچے گر کر مر جاتا۔ یہ دیکھ کر پیر نے اپنے مریدوں کو کہا کہ چھوڑ دو اسے زمین پر گرنے دو۔ کافی دیر بعد جب محفل ختم ہوئی اور وہ مرید ہوش میں آیا تو دوسروں نے اسے جو کچھ بھی بیتی تھی وہ سنائی اور یہ بھی بتایا کہ پیر کا کیا کہنا تھا۔ وہ مرید پیر کا فرمان سن کر حیران ہوا اور پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ کس سبب سے آپ نے ان کو نیچے گرنے سے منع کیا تھا؟ ۲۴۹

پیر نے کہا کہ میں نے سوچا کہ جب تم پر حال پڑا ہوا تھا تو تم اس حالت میں خدا سے واصل ہو جاؤ مبادا دوسری مرتبہ ایسا موقع ملنا ممکن ہو کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جب مر جاؤ تو سیدھا خدا سے جا کر ملو۔

شعلہ: ایک مرتبہ کسی بادشاہ زادے پر عشقِ الٰہی سوار ہوا تو بادشاہی چھوڑ کر فقر فاقہ اختیار کیا۔

حضرت رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مدینے کا سفر اختیار کیا اور گنبدِ خضرا کے ایک کونے میں گردن میں کپڑا ڈال کر سارا وقت کھڑا رہتا تھا۔ ایک رات پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا جنھوں نے اسے صلوٰۃ پڑھنے کے لیے کہا:

اللھم صلی علیٰ محمد صلوٰۃ انت لھا اھل وھولھا اھل۔

پھر دن رات یہ صلوٰۃ پڑھتا رہتا تھا۔

ایک دن وہاں روم کا بادشاہ زیارت کے لیے آیا۔ اس نے جب شہزادے کو اس حالت میں دیکھا تو اسے بہت خیال ہوا اور دیناروں سے بھری ہوئی تھیلی اس کے حوالے کی۔ شہزادے نے پوچھا کہ یہ تھیلی مجھے کس لیے دیتے ہو۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اس سے کھانا کھا سکو اور اپنی کمزوری دور کر سکو۔ شہزادہ کہنے لگا کہ میں خود بادشاہ تھا اور اپنا ملک چھوڑ کر یہاں آیا ہوں۔ میں نے کئی دینار خرچ کیے ہیں تب جا کر یہ کمزوری نصیب ہوئی ہے اس لیے ابھی یہ دینار قبول نہیں کروں گا۔ یہ سوچ کر دل میں خیال کیا کہ اب اگر یہاں مزید رہا تو نظروں میں آ جاؤں گا اور شہرت بڑھ جائے گی اس لیے بہتر ہے کہ روضۂ اطہر کا کونہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر رہا جائے۔ ابھی سوچ رہا تھا کہ خواب میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جو اس کو فرما رہے تھے کہ اے دوست ہمیں چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ جیسے اُس نے وہ آواز سنی تو واپس خداوند تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ اور پسندیدہ غلام بن گیا۔ ۲۵۰

شعلہ: ایک مرتبہ برگزیدۂ عام وخاص اور پردہ نشینوں کی سردار بی بی رابعہ بصری کو لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے ایک ہاتھ میں آگ اور دوسرے ہاتھ میں پانی تھا اور کہہ رہی تھیں کہ اس آگ سے بہشت کو بہشت نہ رہنے دوں گی اور پانی سے دوزخ کی آگ بجھاؤں گی یہ اس لیے کہ سب کو خبر ہو کہ خدا کے طالب کس مقصد کی خاطر اس کی عبادت کرتے ہیں۔

شعلہ: کہتے ہیں کہ ایک دن کوئی درویش بادشاہ کے محل کے قریب سے گزرا۔ اچانک اس کی نظر محل میں کھڑی بادشاہ کی بیٹی پر پڑی۔ خوب صورتی اور حسن میں جس کی مثل نہ تھی۔ درویش پہلی نظر میں ہی عشق کا شکار ہو گیا اور دل میں اس کے وصال کی خواہش لے کر بادشاہ کو عرض کرنے لگا کہ اپنی بیٹی میرے نکاح میں دو۔ بادشاہ پہلے تو بہت حیران ہوا۔ آخر وزراء اور مشیروں سے صلاح کی۔ سب کی رائے یہ ہوئی کہ درویش سے ایسی چیز کی فرمائش کی جائے جو وہ پوری نہ کر سکے۔ وہ سوچ کر درویش کو کہنے لگے کہ اگر تم اتنے موتی اور مرجان لے آؤ گے تو نکاح کیا جائے گا۔ درویش نے یہ بات قبول کی لیکن پوچھنے لگا کہ وہ موتی اور مرجان

کہاں ملیں گے۔ بتایا گیا کہ وہ موتی سمندر کی گہرائی میں ملیں گے۔ درویش سمندر کے کنارے پہنچ گیا اور تھوڑی زمین کھودی تاکہ اس میں پانی بھر آئے اور اس پانی میں چھلنی مارنے لگا تاکہ موتی ڈھونڈ سکے۔ ادھر سمندر کو خدائی حکم ہوا کہ جو موتی مرجان گوہرِ آبدار تیرے پیٹ میں ہیں وہ نکال کر باہر کنارے پر لاؤ ورنہ ہمارا دوست تمھیں خشک کر دے گا۔ خدا کے حکم سے کئی موتی نکل کر سمندر کے کنارے پر آ گئے جن میں سے جتنے بھی درویش اٹھا سکا وہ اٹھائے اور بادشاہ کے سامنے رکھ دیئے۔ باقی کئی وہاں چھوڑ دیئے۔ بادشاہ نے جب دیکھا کہ درویش نے وہ شرط تو پوری کر دی ہے تو پھر اپنے وزیر سے صلاح کی۔ کہنے لگے کہ درویش کو ایسا کام بتاؤ جو ہرگز نہ کر سکے۔ اس بادشاہ کے قریب ایک دوسرا طاقتور بادشاہ تھا جو ہر سال ایک بڑا لشکر لے کر اس ملک پر حملہ آور ہوتا تھا اور شہر اور گاؤں تباہ کر دیتا تھا۔ یہ سوچ کر کہنے لگے کہ اگر تم اس بادشاہ کا سر قلم کر کے آؤ گے تو تمھاری مراد ضرور پوری ہوگی۔ درویش نے قبول کیا اور پیدل فاصلہ طے کرتا ہوا اس بادشاہ کے ملک میں پہنچا۔ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ مجھے ایک ایسی حاجت آن پڑی ہے کہ تیرا سر قلم کرنے کے سوا اس کا پورا ہونا ناممکن ہے۔ یہ بادشاہ درویشوں اور فقیروں کا بڑا معتقد تھا۔ اس نے درویش کی بات سن کر درویش کی کافی تعظیم کی اور کہا کہ میرا سر حاضر ہے آؤ ابھی قلم کر و لیکن بات یہ ہے کہ میرے ملک اور اس بادشاہ کے ملک کے درمیان چھ مہینے کا فاصلہ ہے اس لیے اگر یہاں سے ہی میرا سر قلم کر کے لے جاؤ گے تو وہ راستے میں خراب ہو جائے گا اور صورت ہی تبدیل ہو جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بادشاہ اسے قبول نہ کرے اور تیری یہ ساری محنت و مشقت ضائع ہو جائے۔ اگر میری بات مانو تو میں تیرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔ پھر جب اس ملک کے قریب پہنچیں تو تم میرا سر قلم کر کے تازہ تازہ اس بادشاہ کو جا کر پیش کرنا۔ درویش نے اس بات کو قبول کیا اور دونوں ساتھ اس ملک کی طرف روانہ ہوئے۔ جب اس شہر کے باہر ایک باغ میں پہنچے تو بادشاہ نے پھر بھی درویش کو کہا کہ میرا سر حاضر ہے لیکن مجھے شک ہو رہا ہے کہ وہ کہیں تم سے کوئی اور بہانا نہ کریں اس لیے تم پہلے بادشاہ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ تم چاہو تو اس بادشاہ کو زندہ سلامت پیش کیا جائے یا اس کا سر قلم کر کے لاؤں۔ جب بادشاہ اور وزیر نے یہ بات سنی تو دل میں کہنے لگے کہ اس بادشاہ کا زندہ آنا ناممکن ہے درمیان میں چھ مہینے کا فاصلہ ہے۔ اللہ مالک ہے۔ ان چھ مہینوں میں پتہ نہیں کیا کچھ ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر درویش کو کہنے لگے کہ اسے زندہ لے آؤ۔ اُنھوں نے یہ نہ سوچا تھا کہ درویش بادشاہ کو پہلے ہی اپنے ساتھ لایا تھا۔ ادھر درویش تھوڑی ہی دیر میں بادشاہ کو لے کر حاضر ہوا۔ سب بہت پریشان ہوئے کہ یہ کیا ہو گیا۔ سب نے آئے ہوئے بادشاہ کی تعظیم اور تکریم کی جس پر اس نے اُنھیں مخاطب

ہو کر کہا کہ کیوں اس درویش کو تکلیف میں ڈالا ہے۔ اب اگر اپنی خیر مانگتے ہو تو اس کی بادشاہ کی بیٹی سے شادی کروادو۔ پھر سب نے شادی کی تیاری کی اور دلہن کو تیار کر کے لائے۔ درویش دلہن کو دیکھ کر بادشاہ اور دوسرے مہمانوں کو کہنے لگا کہ یہ میری بیٹی کی طرح ہے۔ میں اسے کیا کروں گا۔ یہ میرا کام نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اسے اس بادشاہ کے نکاح میں دیں۔ آخر جب بادشاہ کی بیٹی کا نکاح اس بادشاہ سے ہو چکا تو درویش کہنے لگا کہ اس پوری مشقت سے میرا مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ سنا تھا کہ 'من طلب شیء جد وجد' یعنی جس نے جس چیز کی طلب میں جد وجہد کی تو وہ اسے ملے گی۔ ۲۵۲

میں نے یہ دیکھنا تھا کہ بادشاہ کی بیٹی سے نکاح جو کتنا دشوار کام تھا وہ ہو سکتا ہے تو پھر خدا کی طلب میں بھی ثابت قدم رہنے سے وہ حاصل ہو سکتا ہے۔

شعلہ: سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ سخت مجاہدے اور مشقت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بھوک نے آپ کو بے حال کر دیا اور پریشانی کی وجہ سے کسی سے روٹی کا ٹکڑا مانگا۔ جب وہ روٹی کا ٹکڑا ملا تو اسے زمین پر پھینک دیا اور نفس کو کہنے لگے کہ میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے یہ ٹکڑا نہیں کھلاؤں گا۔ اگر خود باہر آ کر کھائے تو ٹھیک ہے۔ نفس یہ سن کر باہر نکل آیا۔ شیخ خود بھاگنے لگے، سمجھے کہ نفس سے چھٹکارا حاصل ہوا ہے۔ آواز آئی کہ اے بایزید خود کو نفس سے آزاد کر کے سمجھتے ہو غنی ہو گئے ہو حالانکہ یہ لقب تو مجھے ہی جچتا ہے۔ جب بایزید نے یہ سنا تو توبہ تائب ہوئے اور اپنے نفس کو پھر واپس آنے دیا۔ ۲۵۳

شعلہ: کہتے ہیں کہ ایک طوائف عورت اپنے پیشے میں مشہور تھی لیکن اس کی رہائش ایک درویش کے قریب تھی۔ وہ درویش ہر وقت کہتا تھا کہ اس عورت کا مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ ایک دن وہ عورت کہیں جا رہی تھی وہ درویش بھی وہاں سے آ گزرا۔ درویش کی چادر کا پلّو اس عورت کو لگ گیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ عورت مر گئی۔ ایک دن اس بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ منکر اور نکیر ہاتھوں میں بڑے گرز لے کر اس عورت کی قبر میں داخل ہوئے۔ ابھی مارنے کی تیاری میں تھے کہ درگاہِ خداوندی سے آواز آئی کہ اس عورت کو چھوڑ دو کیونکہ اس نے جتنے بھی گناہ کیے تھے وہ سب ہم نے اسے بخش دیئے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ایک دن اس عورت کا پلو ہمارے ایک درویش کی چادر سے ٹکرایا تھا۔ اچانک وہ درویش نیند سے جاگ گیا اور خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگا۔ ۲۵۴

شعلہ: کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ کے دروازے پر ایک دربان تھا جو غربا کی حکایتیں بادشاہ تک پہنچاتا تھا اور اس کے اس کام کی وجہ سے خضر علیہ السلام ہر روز اس کے پاس مجلس کرتے تھے۔ جب اس بات کو کئی دن

گزر گئے تو اسے خیال آیا کہ یہ جگہ خضر علیہ السلام کے آنے کے لیے مناسب نہیں اس لیے سوچا کہ بادشاہ کی ملازمت چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا کر بسیرا کیا جائے کہ خضر علیہ السلام وہاں آ سکیں۔ جب ایسا کیا تو کئی دنوں تک حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس آئے ہی نہیں اس لیے یہ جگہ چھوڑ کر پھر حاضرِ دربان ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام اس کے پاس آ کر ظاہر ہوئے۔ دربان کہنے لگا کہ تیرے لیے یہ جگہ چھوڑ کر ایک گوشہ لے کر بیٹھ گیا تھا لیکن ادھر تم نہ آئے۔ یہ جگہ جو تیرے لائق نہیں وہاں تم آتے ہو۔ خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کے ہاں تیری کوئی عبادت کام کے لائق نہیں سوائے اس کے کہ تم غربا اور نادار لوگوں کی خبریں بادشاہ تک پہنچاتے ہو۔ یہاں میرے آنے کی وجہ یہی ہے۔[۲۵۶]

شعلہ: ایک شخص بازار میں کپڑے بیچ رہا تھا جن میں کچھ کی قیمت ایک درہم تو کچھ کی دو درہم تھی۔ اتفاقاً سلطان التارکین حضرت ابراہیم ادھم وہاں سے گزرے۔ اس شخص سے کہا کہ مجھے کپڑا خریدنا ہے دو گے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ پوچھا کہ کتنے میں دو گے۔ اس شخص نے کہا کہ ایک لاکھ درہم۔ ابراہیم ادھم کہنے لگے کہ عجیب بات ہے کہ دوسروں کو تو ایک درہم میں بیچتے ہو اور مجھے ایک لاکھ میں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ جس کپڑے سے ابراھیم ادھم جیسے شخص کا جسم ڈھانپا جائے اس کی قیمت دو لاکھ بھی کم ہے۔ پھر خبر ہوئی کہ بیچنے والا شخص خود بھی صاحبِ ولایت تھا۔

شعلہ: ایک مرتبہ کسی بادشاہ نے قریبی ملک کو تاراج اور زیر کرنے کا ارادہ کیا۔ جب اس کے وزرا کو پتہ چلا تو بادشاہ کو کہنے لگے جنگ کی تیاری ساز وسامان سے کی جائے۔ بادشاہ نے یہ سن کر کہا ہاں۔ حلوہ اور روٹی تیار کرو۔ بادشاہ خود صاحبِ ولایت تھا لیکن اس کے امیر امراء اور وزراء اس بات سے ناواقف تھے اس لیے وہ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ جنگ کے لیے لشکر اور ساز وسامان تیار کراؤ لیکن بادشاہ نے وہی جواب دیا۔ آخر اسی حالت میں دوسرے ملک کا بادشاہ لشکر کے ساتھ آ کر ان پر ٹوٹ پڑا اور تخت وتاج پر قبضہ کر کے بیٹھ گیا۔ اس بادشاہ نے ان کو کہا میں اتنا قریب آ کر پہنچا لیکن تب بھی آپ نے کچھ نہ کہا۔ ادھر بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا میں نے کافی دن حلوہ، روٹی بیٹھ کر کھایا اب تو کھا۔ یہ کہتے ہوئے بادشاہی اس کے حوالے کر کے وہاں سے چلا گیا۔[۲۵۷]

یہ بات بیان کر کے حضرت نے کہا گزرے ہوئے بادشاہ دن کے پہلے پہر میں ذمہ داریاں نبھاتے لیکن پچھلے پہر میں مریدی کرتے تھے۔

شعلہ: ایک بزرگ تھا جس کو اگر کوئی رنج دیتا تھا تو اس کا رزق کشادہ ہو جاتا تھا اور فقر فاقے گویا ختم

ہو جاتے تھے بلکہ وہ آدمی خوشحال ہو جاتا تھا لیکن اگر کوئی شخص اس بزرگ کی خدمت کرتا تھا تو اس کا رزق تنگ ہو جاتا تھا اور وہ مصیبت میں پڑ جاتا تھا۔ آخر ایک دن اس سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ اگر کوئی تمھیں رنج دیتا ہے تو اس کے رزق میں کشادگی ہوتی ہے اور جو خدمت کرتا ہے وہ مصیبت میں پھنس جاتا ہے۔ بزرگ نے جواب دیا کہ فقیر دو قسم کے ہیں۔ ایک ایسے پانی کی طرح ہیں جو کسی برتن میں پڑا ہے جسے گرم کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے دریا کی مثل ہیں جنھیں گرم نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ پانی جو برتن میں گرم کیا ہوا ہوتا ہے اسے جب دریا میں ڈالا جاتا ہے تو وہ بھی ٹھنڈا ہو جاتا ہے لیکن اگر دریا گرم ہو جائے تو اسے کوئی بھی ٹھنڈا نہیں کرسکتا۔ ہم بھی ایسے دریا کی طرح ہیں کہ اگر گرم ہو جائیں تو کوئی بھی ٹھنڈا نہیں کرسکتا۔ ۲۵۸ے

شعلہ: خلیفہ ہارون رشید نے یہ حدیث سنی کہ سال میں ایک مرتبہ اپنے گھر کو لٹانا چاہیئے۔ ایک دن خود گھر سے نکل کر باہر کھڑا ہو گیا اور حکم دینے لگا کہ جس کو جو بھی چیز چاہیئے وہ لے جائے۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ جس کے جو بھی ہاتھ لگا وہ اٹھاتا گیا لیکن اس پورے عمل کے دوران ایک کنیز ایسی بھی تھی جو خلیفہ کی صرف جوتی اٹھا کر رک گئی۔ باقی قیمتی موتیوں اور جواہروں کو ہاتھ بھی نہ لگایا بلکہ کچھ وقت کے بعد خلیفہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی کہ میں نے تمھیں قبول کیا۔ گویا خلیفہ خود بھی لوٹ کے سامان میں شامل تھا اور وہ اس کنیز کے حصے میں آیا۔ خلیفہ سارا معاملہ سمجھ گیا اور اس نے بھی کنیز کو اپنے حرم میں قبول کیا اور سب کے مقابلے میں اسے زیادہ قرب دینے لگا۔

حضرت کو یہ حکایت بہت پسند تھی اور محفل میں آپ اکثر اس کو دہراتے تھے۔

شعلہ: ایک بزرگ گوشہ نشین ہو کر خدا کی عبادت کرتا تھا لیکن ایک دن اس کے دل میں عورت کا خیال آ گیا اور اس نیت سے اس نے نکاح کیا۔ پہلی رات ہی اس کی بیوی حاملہ ہوگئی۔ اس کے بعد پھر کبھی بھی بیوی کے نزدیک نہ گیا بلکہ مکمل وقت حجرے کے اندر بسر کرتا تھا۔ حمل کی مدت پوری ہونے کے بعد ان کی بیوی کو بیٹی ہوئی۔ ادھر وقت کا بادشاہ اس بزرگ کا بڑا معتقد تھا اور ہمیشہ اس کی حاضری میں آتا رہتا۔ بلکہ اس کی دلی تمنا تھی کہ وہ بزرگ کبھی اسے کسی چیز کی فرمائش کرے۔ بزرگ کی بیٹی جب جوان ہوئی تو ماں نے باپ کو بھجوادی۔ بزرگ نے دیکھا میری بیٹی جوان ہوگئی ہے۔ سوچا کہ اس کی شادی کے لیے کچھ کرنا پڑے گا۔ آخر ایک دن مریدوں کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور بزرگ کی بڑی عزت اور تعظیم کی۔ بزرگ نے بادشاہ سے کہا کہ ایک دن جب میں دریا کے قریب سے گزر رہا تھا تو میں نے مگرمچھ کی آواز سنی۔ ایسی آواز بیچنا چاہتا ہوں کیا تم لوگے۔ بادشاہ تو اس فکر میں تھا کہ اس بزرگ کی کوئی فرمائش پوری کروں۔ کہنے

لگا کہ ہاں کیوں نہیں خریدوں گا۔ بزرگ نے دو مرتبہ ایسی آواز نکالی۔ بادشاہ نے اس کے بدلے بزرگ کو دو تھیلیاں دیناروں کی پیش کیں۔ بزرگ وہ لے کر واپس گھر لوٹا۔ مریدوں کو بزرگ کی یہ بات پسند نہ آئی، اس سے کہنے لگے کہ تم اس سے پہلے کبھی بھی بادشاہ کے پاس نہیں گئے اور نہ کبھی کوئی چیز مانگی تھی۔ ابھی تمھیں کیا ہو گیا تھا کہ اس طرح آواز نکال کر بادشاہ سے یہ دینار قبول کیے۔ کیا تم بادشاہ کو کلامِ الٰہی یا حدیثِ نبوی نہیں سنا سکتے تھے؟ بزرگ نے جواب دیا کہ میں بادشاہ کے پاس مردار چیز کے لیے گیا تھا اس لیے قرآن یا حدیث پڑھنی مناسب نہ تھی۔ مردار کام کے لیے مردار بات کرنی پڑ گئی۔ ۲۵۹

شعلہ: ایک مرتبہ کوئی مرید تکریم کے دریاء اور اسرار و رموز کے عارف شیخ شقیق بلخیؒ سے کعبے کی زیارت کی اجازت لے کر روانہ ہوا۔ شیخ نے اسے کہا کہ راستے میں بایزید کی زیارت کرتے جانا۔ مرید جب بایزید کے مکان پر پہنچا تو نہایت ادب سے بیٹھ گیا۔ شیخ نے کہا کہ اپنے پیر کا کوئی گفتہ سناؤ۔ مرید نے جواب دیا کہ میرے پیر کا ایک سخن یہ ہے کہ اگر یہ زمین مکمل لوہے کی ہو جائے اور سب آسمان پیتل کے ہو جائیں اور آسمان سے بارش کا ایک قطرہ بھی نہ گرے اور اس کی وجہ سے زمین پر کوئی گھاس نہ اُگے اور اس صورت میں یہ سارا عالم میرا اعیال ہو تو تب بھی میرے دل میں یہ خیال ہرگز نہ آئے گا کہ اس پوری مخلوق کو کون کھلائے گا۔ ۲۶۰

یہ سن کر شیخ کہنے لگے کہ خدا کی قسم ایسی صورتحال میں اگر میں کوا ہوتا تو اس مشرک کے ملک سے اڑنا بھی پسند نہ کرتا۔ مرید یہ سن کر بہت پریشان ہوا۔ حج بھول گیا اور واپس لوٹنے لگا اور آ کر اپنے مرشد کے پاس پہنچا، جو کچھ سن کر آیا تھا وہ سارا بیان کیا۔ آپ کے مرشد نے وہ سب کچھ سن کر کہا کہ اب واپس جاؤ اور پوچھ کر آؤ کہ اب کیا کیا جائے؟ مرید پھر شیخ بایزید کے پاس پہنچا جنھوں نے یہ بات سنی اور کہا کہ اب تو پہلے سے خراب کام ہوا۔ بہر حال اُنھوں نے کاغذ کا ٹکڑا لیا اور اس پر لکھنا شروع کیا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اس کے آخر میں لکھا کہ بایزید کچھ بھی نہیں یعنی نیست ہے۔

وہ کاغذ کا ٹکڑا لپیٹ کر اس مرید کو دیا کہ جا کر اپنے پیر کو پہنچائے۔ ادھر جب وہ کاغذ اٹھا کر مرید شقیق بلخی کی خدمت میں پہنچا تو اس کا آخری وقت آن پہنچا تھا۔ جیسے ہی وہ کاغذ شقیق بلخی کو ملا تو وہ اسے کھول کر پڑھنے لگے اور حاضرین کو مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ میں اب نئی طرح مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ بات کہہ کر کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھا اور خالقِ حقیقی سے جا ملا۔

شعلہ: ایک دن کسی مرید نے سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ کے جبے پر ایک بچھو

دیکھا۔نزدیک جا کر اسے جبے سے اتارنے لگے کہ کہیں شیخ کو کاٹ نہ لے۔یہ دیکھ کر شیخ نے کہا کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ اسے چالیس سال ہوئے ہیں وہ جبے میں ہی ہے۔وہ تو مجھے کبھی کبھار غفلت کی نیند سے بیدار کرتا ہے۔۲۶۲

شعلہ: ایک مرتبہ کسی بادشاہ نے ایک بڑا لشکر تیار کرکے بڑے دبدبے کے ساتھ قریبی ملک پر چڑھائی کی۔یہ بادشاہ اس زمانے کے ایک درویش کا بہت عقیدت مند تھا۔اگرچہ اس کے وزرا نے کہا کہ اس بادشاہ کا لشکر نزدیک آ پہنچا ہے کچھ کریں لیکن یہ بادشاہ پھر جا کر اس بزرگ کی خدمت میں بیٹھ جاتا تھا اور اپنا حال اسے بتاتا تھا۔بزرگ ہر بار بادشاہ کو تسلی دیتا کہ خدا خیر کرے گا۔پریشانی اور فکر بے سود ہے۔آخر اس بادشاہ کا لشکر نزدیک آ پہنچا۔تب بادشاہ پھر جا کر اس درویش کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اب دشمن نے دروازے پر آ کر دستک دی ہے۔یہ سن کر بزرگ بادشاہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر مخالف بادشاہ کے دربار میں آ گیا۔وہاں بیٹھنے کے بعد درویش نے ایک پتلی لکڑی اٹھا کر زمین میں پیوست کی اور اس مخالف بادشاہ کو کہنے لگا کہ یہ مجھے زمین سے نکال کر دکھاؤ۔اس بادشاہ نے کہا کہ یہ کونسی بڑی بات ہے وہ اٹھا اور لکڑی کو باہر نکالنے لگا لیکن وہ لکڑی کو نہ نکال سکے۔آخر اس نے اپنے لشکر کے پہلوانوں کو بلایا لیکن وہ بھی نکالنے میں ناکام ہوئے۔بادشاہ نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنے لشکر کو واپس لوٹنے کا حکم دیا اور کہنے لگا کہ جس ملک میں ایسے بزرگ ہوں اس ملک کو کون جیت سکتا ہے۔۲۶۳

شعلہ: کہتے ہیں کہ لقمان حکیم کو بادشاہِ وقت نے کسی خاص مقصد کے لیے ایک کنویں میں بند کرایا تھا البتہ اس کی مرضی کے مطابق کئی من تیل اور تل وہاں مہیا کر رکھتے تھے۔لقمان اس تیل سے چراغ روشن کر کے رکھتا تھا اور تل کھا کر پیٹ بھرتا تھا۔اس بات کو کتنا ہی عرصہ بیت گیا۔اس دوران بادشاہ فوت ہو گیا لیکن لقمان کا کسی کو بھی پتہ نہ چلا۔ادھر کنویں کے ڈھکے ہوئے منہ پر گھاس اُگ آئی۔آخر وہ ملک ایک دوسرے بادشاہ کے قبضے میں آ گیا۔یہ بادشاہ حد سے زیادہ موٹا تھا بلکہ اسے موٹاپے کی بیماری تھی اور جو کچھ بھی کھاتا تھا زیادہ موٹا ہو جاتا تھا۔بہت تکلیف اور پریشانی میں مبتلا تھا۔ایک دن اپنے ملک کے تمام حکماء کو جمع کیا، لیکن پھر بھی اسے کوئی فائدہ نہ ہوا۔کسی نے کہا کہ آج اگر لقمان حکیم ہوتا تو آپ کی اس بیماری کا شافی علاج کر لیتا۔بادشاہ نے یہ سن کر لقمان کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔کسی نے بتایا کہ گزرے ہوئے بادشاہ کے دور میں لقمان کو کنوئیں میں بند کیا گیا تھا لیکن اس کے بعد وہ بادشاہ فوت ہو گیا اور اب کسی کو بھی پتہ نہیں کہ لقمان کہاں ہے۔ہوسکتا ہے کہ وہ فوت ہو گیا ہو۔بادشاہ نے یہ سن کر سارے ملک کے طویل العمر لوگ جمع کرائے اور ان سے لقمان کے

بارے میں دریافت کیا۔ آخر اس جگہ کو ڈھونڈا گیا اور جیسے ہی اس کنویں کا منہ کھولا تو اندر سے آواز سنی، سب خوش ہوئے لیکن جب لقمان پر نظر پڑی تو دیکھا کہ گوشت کی ایک بوٹی ہوگیا ہے جو چلنے پھرنے سے مجبور ہے۔ پوچھا گیا کہ آخر آپ کو یہاں سے کس طرح نکالا جائے۔ جواب دیا کہ مجھے یہاں سے کپاس میں لپیٹ کر نکالو ورنہ میں یہاں ہی مرجاؤں گا۔ بہرحال اسی طریقے سے اسے باہر نکال کر ہوا سے محفوظ جگہ پر لے جایا گیا۔ لقمان نے کہا کہ اب میری خوراک یہ ہے کہ ہر روز مجھے ایک پاؤ گوشت پکا کر اس کا شوربہ پلایا جائے۔ کچھ دنوں تک ایسا کیا تو وہ تندرست ہوگیا۔ جب چلنے جیسا ہوا تو بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا جو اپنے موٹاپے کی وجہ سے پریشان تھا۔ پوچھنے لگا کہ اس کا کیا علاج ہے۔ لقمان نے جواب دیا کہ اس مرض کا کوئی علاج نہیں۔ تم دو مہینوں کے بعد مرجاؤ گے۔ تمھارے دن پورے ہو چکے ہیں۔ بادشاہ نے جب یہ جواب سنا تو سخت پریشان ہوا اور اس پریشانی اور فکر میں گلتا گیا یہاں تک کہ دو مہینوں میں اس کا وہ موٹاپا جاتا رہا بلکہ دوسری بیماریوں سے بھی چھٹکارا مل گیا۔ جب دو مہینے پورے ہوئے تو لقمان کو بلا کر کہنے لگے کہ تم نے کہا تھا کہ میں دو مہینوں میں مرجاؤں گا۔ لقمان نے کہا کہ جب تمھارا وقت پورا ہوگا تو پھر تم ضرور مرجاؤ گے البتہ ابھی میں نے یہ بات جان بوجھ کر کی تھی کہ اس بیماری کا علاج نہیں ہے تاکہ شاید موت کے ڈر سے تم پتلے ہوجاؤ اور اس تکلیف سے آزاد ہوجاؤ۔ یہ تصدیق شدہ نہیں کہ اس بات میں حضرت لقمان حکیم کا نام لیا تھا یا کسی اور حکیم کا۔ ۲۶۴ے

شعلہ: ایک پیر کے دو خادم تھے۔ ان میں سے ایک زیادہ مجاہدے کرتا تھا دوسرا کم لیکن پیر کی نظرِ شفقت اس کم مجاہدہ کرنے والے شخص پر تھی۔ آخر ایک دن پیر سے پوچھا گیا کہ تمھاری شفقت والی نظر اس کم مجاہدے والے شخص پر ہے اس میں کون سی حکمت ہے۔ پیر نے کہا یہیں ٹھہرو، تمھیں سب معلوم ہو جائے گا۔ پیر نے فوراً ایک اونٹ منگوا کر اسے ذبح کیا۔ پہلے اس مرید کو بلایا گیا جس نے زیادہ مجاہدے کیے تھے۔ اس کو کہا کہ اس اونٹ کو اٹھا کر اوپر مکان کی چھت پر پہنچاؤ یہ سن کر وہ مرید سوچ میں پڑ گیا اور کہنے لگا کہ میرے بس کی بات نہیں لیکن جب دوسرے مرید کو بلایا گیا تو وہ کمربستہ ہوگیا اور اٹھانے کے لیے تیار ہوگیا۔ یہ دیکھ کر پیر نے فرمایا کہ اب تمھیں پتہ چلا کہ کون میرے حکم میں ہے۔ بس یہی سبب ہے کہ اس دوسرے پر میری شفقت والی نظر زیادہ ہے۔ ۲۶۵ے

شعلہ: ایک مرتبہ کسی پیر کے دو مرید ایک ساتھ چاند کو دیکھ رہے تھے۔ ایک کہنے لگا کیا چاند ہے؟ دوسرا کہنے لگا کیا خدا کی ذات ہے جس نے اس چاند کو پیدا کیا ہے۔ جب پیر کو یہ پتہ چلا تو کہنے لگے دوسرا صاحب عرفان ہے اور پہلا ابھی خام ہے۔

شعلہ: ایک مرتبہ کسی پیر کے دو مریدوں نے راستے میں ایک مرا ہوا کتا دیکھا۔ ایک کہنے لگا کہ اگر یہ بھی خدا کی طرف سے ہے تو میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کروں گا۔ دوسرا کہنے لگا کہ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا کام ہے تو میں ایسے خدا کی عبادت ہرگز نہیں کروں گا۔ جب پیر صاحب کو ان دونوں کی گفتگو کی خبر ہوئی تو کہنے لگے کہ دونوں نے صحیح کہا ہے۔

شعلہ: ایک دن کسی بادشاہ نے ایک بزرگ کو بلایا تا کہ اس کا وعظ یا نصیحت سن سکے۔ وہ بزرگ بادشاہ کے پاس آنے کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں ایک جگہ کافی پرندے بیٹھے تھے۔ جب وہ درویش وہاں پہنچا تو وہ سارے پرندے بدک کر اڑنے لگے۔ درویش یہ منظر دیکھ کر سوچ میں پڑ گیا کہ جب مجھے دیکھنے کے بعد پرندے بے قرار ہو کر اڑنے لگتے ہیں تو پھر انسانوں پر میری نصیحت کیا اثر کرے گی؟ یا اُنھیں کیسا قرار اور سکون ملے گا؟ بزرگ لوٹ کر مجاہدے میں مصروف ہوگیا۔ پورا ایک سال اس طرح مجاہدے میں گزارا۔ آخر کار ایک دوسرے بادشاہ نے اسے دعوت پر اپنے پاس بلایا۔ اب جب ان پرندوں کے قریب سے گزرا تو پرندے اڑنے کے بجائے اس کے چاروں طرف آ گئے۔ آخر جب بادشاہ کے پاس پہنچا اور ہدایت اور نصیحت آمیز وعظ شروع کیا تو بادشاہ اور اس کے ساتھی جو پانچ سو کے قریب تھے بہت متاثر ہوئے بلکہ اس کی نصیحت سننے کے بعد سب نے جنگل کا رخ کیا۔ بمصداق ''ففروا الی اللہ'' مطلب دنیا و مافیھا کو ترک کر کے اپنا نام و نشان مٹا دیا۔ ۲۶۸

شعلہ: کہتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مدینے کے کئی لوگوں نے اونچی عمارتیں بنائیں اور قیمتی کپڑے پہننے لگے اور عمدہ گھوڑے سواری کے لیے استعمال کرنے لگے۔ ایک دن کوئی درویش مدینے میں آ نکلا اور عمارتیں اور ٹھاٹھ دیکھتا ہوا ایک مدرسے میں آ ٹھہرا جہاں دوسرے کئی لوگ بیٹھے تھے۔ درویش نے بیٹھتے ہی قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی:

''تبارک الذی بیدہ الملک وھو علیٰ کل شی قدیر ان الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلو کم ایکم احسن عملا'' (سورۃ الملک ۶۷: ۱ تا ۲)

ترجمہ: ''وہ برکت والی ذات ہے جس کے ہاتھ میں یہ دنیا ہے اور ہر چیز پر قدرت والا ہے۔ وہی ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تا کہ تمھیں آزمائے کہ کون اچھے کام کرتا ہے۔'' ۲۶۹

اس درویش نے اس آیت کے آخر میں ''عملا'' کے بجا ''ثوبا'' معنی کپڑا پڑھا۔ جب وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں نے سنا تو وہ اس پر ہنسنے لگے بلکہ ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ شاید یہ دیوانہ ہے کہ قرآن کو اس

طرح غلط پڑھتا ہے۔ آخر درویش کو مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم نے آیت غلط پڑھی۔ درویش نے دوبارہ وہی آیت پڑھی لیکن اب ''احسن عملا'' کی جگہ ''احسن فرسا'' پڑھا۔ پھر ان لوگوں نے کہا کہ اب بھی غلط پڑھا ہے۔ تیسری مرتبہ اس درویش نے ''احسن عملاً'' کی جگہ ''احسن عمارتا'' پڑھا تو پھر بھی وہ اس پر ہنسنے لگے۔ آخر درویش نے کہا کہ بتاؤ صحیح کیا ہے؟ جواب دیا کہ ''احسن عملا'' فقیر یہ سن کر کہنے لگا کہ جب میں نے یہاں آ کر عمارتیں، گھوڑے اور لباس دیکھے تو میں نے دیکھا کہ اب خدا تمھیں ان چیزوں سے آزماتا ہے اور عمل کے بجائے شاید اب یہ چیزیں بچی ہیں۔ یہ سن کر وہ لوگ بہت شرمندہ ہوئے۔

شعلہ: معرفت کے بحر اور خدا کے برگزیدہ بندے رحمان شیخ پورانی رحمتہ اللہ علیہ کی بات کرتے ہیں کہ وہ کبھی بھی کسی بات پر ناراض نہیں ہوتے تھے۔ کبھی بھی غصّے نے ان پر غلبہ نہ کیا۔ ان کی ٹھوڑی پر فقط دو تین بال تھے۔ ایک دن کسی بدنیت شخص نے یہ ارادہ کیا کہ آج شیخ کو ضرور تنگ کروں گا۔ یہ سوچ کر وہ روانہ ہوا۔ ابھی راستے میں تھا کہ شیخ کو سامنے سواری پر آتے دیکھا۔ نزدیک جا کر اسے کہنے لگا کہ اے شیخ یہ تیری داڑھی ہے یا گدھے کی دم۔ شیخ نے جواب دیا کہ، اگر یہ خدا کی درگاہ میں مقبول ہے تو پھر یہ داڑھی ہے ورنہ یہ گدھے کی دم سے بھی بدتر ہے۔ یہ سن کر وہ شخص بہت شرمندہ ہوا۔

شعلہ: ایک دن کوئی فقیر ایسی جگہ سے نکلا جہاں اس کے پیر بھائی اور دوسرے کئی فقیر موجود تھے۔ ان میں سے ایک کونے میں کوئی رسالہ پڑھنے میں مشغول تھا۔ یہ فقیر جا کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ کیا سبب ہے کہ ان سب کو چھوڑ کر اس پڑھنے والے مرید کے پاس جا کر بیٹھ گئے ہو۔ جواب دیا کہ دوسرے تمام لوگ باتوں میں مصروف تھے اور اگر ان کے پاس جاتا تو وہ غرور میں پڑ جاتے لیکن وہ جو مطالعے میں مشغول تھا، وہ بزرگان کے ارشادات اور ہدایات کے اثر کے تحت اپنے نفس کی اصلاح کا سامان کر رہا تھا اس لیے میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ ۱۷۲

شعلہ: ایک دن عشق و معرفت کے دانا، محبت اور شوق کے دریا شیخ حسن بصریؒ کے مرید کسی بقال کی دکان پر کھانا کھا رہے تھے۔ وہاں دو بلے ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے کہ آج شیخ حسن بصریؒ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ وہ مرید بلوں کی زبان سمجھتا تھا۔ سو یہ بات سن کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ شیخ تو صحیح سلامت بیٹھے ہیں لیکن بلوں سے جو سنا تھا وہ عرض کیا۔ شیخ نے جواب دیا کہ تم نے صحیح سنا ہے۔ دراصل آج کچھ ساعتیں خدا کی یاد کے سوا گزری ہیں اس لیے زمین و آسمان میں غلغلہ برپا ہو گیا ہے کہ شیخ وفات پا گیا۔ ان بلوں نے بھی وہ آواز سنی ہو گی۔

شعلہ: ایک مرتبہ دو فقیر گھر سے نکل کر کسی طرف جا رہے تھے۔ اچانک ان میں ایک رک گیا اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس پر دوسرے مرید نے پوچھا کہ کیا ہوا۔ جواب دیا کہ میں نے نیت کے بغیر کبھی ایک قدم بھی نہیں اٹھایا ہے لیکن اب میں اس بات کی کمی محسوس کرتا ہوں۔ یہ سن کر دوسرا کہنے لگا کہ میں نے تو کبھی بھی نیت سے کام نہیں کیا ہے بلکہ میرا ہر قدم بغیر نیت کے ہوتا ہے۔ حضرت نے اس دوسرے فقیر کے جواب کو پسند فرمایا۔۲۷۲

شعلہ: کسی شہر کے لوگ بہت سچے اور کھرے تھے اور کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ شہر کے گرد و نواح میں کئی کانیں تھیں۔ جب رحمتِ الٰہی برستی تھی تو ان کانوں سے کئی ہیرے اور موتی اُنھیں ملتے تھے جنھیں بیچ کر اپنی گزر بسر کرتے تھے۔۲۷۳

ایک مرتبہ کسی دوسرے شہر کے آدمی نے اس شہر کی ایک عورت سے شادی کی اور اس شہر میں رہنے لگا۔ ایک دن بجلی چمکی تو اس شخص نے کہنا شروع کیا کہ بارش آ گئی۔ جب اس کی بیوی نے یہ الفاظ سنے تو زور سے چلّانے لگی اور لوگ جمع ہو گئے۔ اُنھیں دیکھ کر عورت اپنے خاوند کے لیے کہنے لگی کہ یہ مرد جھوٹ بولتا ہے۔ مجھے اس سے آزاد کراؤ۔ جمع شدہ لوگوں نے عورت کی منّت سماجت کی اور سمجھایا کہ اس مرتبہ اسے بخش دو اور اس مرد کو بھی کہا کہ آئندہ اس طرح نہ کہا کرے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ عورت حمل سے ہو گئی اس کا خاوند کہنے لگا کہ تجھے بیٹا پیدا ہوگا۔ یہ سن کر عورت نے ایک مرتبہ پھر چلّانا اور شور مچانا شروع کر دیا اور لوگ جمع ہو گئے۔ کہنے لگی کہ میرا خاوند جھوٹا ہے کیونکہ وہ غیب کی باتوں میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ میرا اس کے ساتھ گزر مشکل ہے۔ میری اس سے جان چھڑاؤ۔ آخر ایسا کیا گیا اور کچھ پیسے دے کر اس شخص کو اس شہر سے روانہ کیا گیا۔

حضرت یہ بات پوری کر کے فرمانے لگے کہ پہلے بزرگ غیب میں کبھی بھی ہاتھ نہیں ڈالتے تھے لیکن آج کے درویش غیب کی خبریں دینے لگے ہیں جو عجیب و غریب بات ہے۔

شعلہ: کسی شخص نے عارف باللہ باقی باللہ شیخ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھنے لگا کہ خدا نے آپ سے کیا معاملہ کیا۔ جواب دیا کہ مجھے مغفرت نصیب ہوئی لیکن میرے دقیق اشارات اور تقاریر کسی کام نہ آئے البتہ آدھی رات کو اٹھ کر جو دو رکعتیں نماز کی پڑھتا تھا وہ قبول ہوئیں اور ان کی وجہ سے مجھے چھٹکارا نصیب ہوا۔۲۷۴

شعلہ: ایک پیر نے تمام عمر شادی نہ کی اور مجرد زندگی بسر کی۔ آخر جب بڑھاپا آیا اور ضعیف ہوا تو چند خیر خواہ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اب بھی نکاح کر لو تا کہ کوئی عورت تیری خدمت کرے۔ کہنے لگا کہ ابھی تو

مردانگی بھی نہیں رہی لیکن اگر کوئی عورت ایسی حالت میں مجھے قبول کرے تو میں تیار ہوں۔ آخر اس بوڑھے کے لیے ایک ایسی عورت تلاش کی گئی جس کی اپنی بھی شادی نہ ہوئی تھی اور تمام عمر پاکیزہ زندگی گزاری تھی۔ اس عورت کو جا کر کہا کہ اگر فلاں پیر کو تم قبول کرو تو بہتر ہوگا۔ عورت نے جواب دیا کہ مجھے خاوند کی کوئی ضرورت نہیں البتہ اگر شیخ مجھے قبول کرے گا تو مجھے منظور ہے۔ آخر دونوں کا نکاح کرایا گیا۔

شعلہ: ایک مرتبہ غوث الثقلین عارفِ ربانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ کا مرید راستے میں جا رہا تھا۔ اچانک شاہی ملازم ملا جو گھاس کی گٹھڑی کٹوا کر کھڑا تھا جس نے وہ گٹھڑی اٹھا کر اس کے سر پر رکھی اور کہنے لگا کہ یہ میرے گھر تک لے کر چلو۔ اس شخص نے کہا کہ میں شیخ جیلانی کا مرید ہوں۔ یہ سن کر اس نے اس کے سر پر لاٹھی ماری۔ مرید نے یہ ساری حقیقت اپنے مرشد کی خدمت میں پیش کی جس نے پوچھا کہ کیا تم نے اس شخص کو اپنا تعارف کرایا تھا؟ کہنے لگا کہ میں نے اسے بتایا تھا۔ پیر نے کہا کہ اب وہ مزید ترقی نہیں کرے گا لیکن مرید نے دل میں سوچا کہ اگر پیر اس شخص کو بددعا اور لعنت ملامت کرتا تو بہتر ہوتا۔ کچھ عرصے کے بعد بادشاہ نے اس گھاس والے شخص کو شاہی گھوڑوں کا سوار مقرر کر دیا۔ جب مرید کو یہ خبر ہوئی تو دوبارہ آ کر پیر کی خدمت میں پہنچا اور یہ حقیقت سنائی۔ پیر نے جواب دیا کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔ ابھی کچھ دن ہی نہیں گزرے تھے کہ بادشاہ نے اس شخص کو ملک کی خبرداری کی ذمہ داری سونپ دی۔ مرید نے آ کر پھر پیر کی خدمت میں پورا احوال پیش کیا۔ پیر نے وہی جواب دیا۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ کا ایک امیر فوت ہو گیا تو اس شخص کو اس کی جگہ بٹھایا گیا۔ اس مرتبہ بھی پیر نے اپنے مرید کو پہلے کی طرح جواب دیا۔ اب وہ شخص وزیر بن گیا۔ تب بھی پیر نے اپنے مرید کو وہی جواب دیا۔ آخر کار جب بادشاہ فوت ہو گیا تو امیر امرا نے مشاورت کر کے اس شخص کو بادشاہ بنا دیا۔ اب وہی مرید اپنے پیر کے پاس پھر آیا اور کہنے لگا کہ سائیں وہ شخص تو بادشاہ بن گیا۔ پیر نے کہا کہ اب وہ اپنے مرتبے پر پہنچا ہے۔ آخر ایک دن جیسے وہ شخص بادشاہ ہونے کے بعد ایک عالیشان چبوترے کے نیچے بیٹھا تھا تو اس کے ستون جڑ سے ٹوٹ گئے اور بادشاہ اس حجرے کی چھت کے نیچے دب کر مر گیا۔ کہتے ہیں کہ اس دن سے لے کر وہ شخص اس حجرے کی چھت کے وزن کے نیچے برابر زمین میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ ۵۷۲

شعلہ: ایک مرتبہ ایک پیر اپنے مرید سے بہت خوش ہوا اور سوچا کہ اس پر کوئی خاص عنایت کرے اور خضر علیہ السلام کو اپنے اس ارادے سے واقف کیا جس نے کہا کہ مرید کی آزمائش شرط ہے اس کے بعد اس پر نوازش کی جائے۔ پیر نے یہ بات قبول کی اور مٹی کی ہانڈی منگوائی۔ اس میں پانی ڈال کر آگ پر ٹیڑھی کر کے

رکھی مرید یہ دیکھ کر کہنے لگا کہ اے شیخ ہانڈی کو سیدھا نہیں رکھا۔ مرشد نے کہا کہ مجھے یہ خبر نہیں کہ واقعی ٹیڑھی ہے۔ مرید کی یہ روش دیکھ کر اسے کوئی چیز بھی عنایت نہ کی۔۲۷۶

شعلہ: ایک دن عارف باللہ فانی فی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ شیخ بہاء الدین ملتانی قدس اللہ سرہ اپنے مرشد، وقت کے قطب اور پیروں کے فخر، برگزیدۂ خداوندی سیدنا شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں پہنچے تو مرشد نے اُن پر بہت شفقت اور عنایت کی۔ یہ دیکھ کر دوسرے مریدوں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہم نے اتنے سال خدمت کی ہے لیکن ہم پر یہ شفقت کی نظر ابھی تک نہیں پڑی۔ جب پیر کو یہ خبر ہوئی تو سب مریدوں کو بلایا اور اُنھیں کہا کہ درگاہ میں بچھانے کے لیے گھاس اور پتے کاٹ کے لاؤ لیکن خیال رکھنا کہ وہ گھاس خدا کے ذکر میں مشغول نہ ہو۔

سارے مرید روانہ ہوئے اور جلد ہی ہری گھاس کاٹ کر کافی مقدار میں لاکر جمع کی۔ ادھر حضرت بہاء الدین کافی تلاش کے بعد سوکھی گھاس ڈھونڈ کر لائے۔ یہ دیکھ کر سیدنا شیخ شہاب الدین سہروردی نے دوسرے مریدوں کے سامنے بہاء الدین سے پوچھا کہ تم سوکھی گھاس کیوں لائے ہو۔ جواب دیا کہ میں جہاں بھی گیا ہری گھاس کو خدا کے ذکر میں مشغول پایا۔ آخر یہ سوکھی گھاس نظر آئی اس لیے یہی لاکر خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ یہ سن کر شیخ نے دوسرے مریدوں کی طرف دیکھا اور اُنھیں کہنے لگے کہ دیکھا تمہارا بہاء الدین سے متعلق دل میں ذرا سا خیال لانا بے جا ہے۔ اب سارے مرید اپنی روش پر پشیمان ہوئے اور کچھ بھی نہ بولے۔۲۷۷

اس حکایت بیان کرنے کے بعد حضرت فرمانے لگے کہ شیخ بہاء الدین نے یہ تفریق پتہ نہیں کیوں قبول کی؟ ہمارا خیال ہے کہ سوکھے اور ہرے سب خدا کی یاد میں مشغول ہیں۔

شعلہ: ایک دن کسی بزرگ نے حجام کو داڑھی بنوانے کے لیے بلایا۔ ادھر بزرگ خود ''لا الٰہ الا اللہ'' کے ظاہری ذکر میں مشغول تھے۔ جب حجام استرہ لبوں پر گھمانے لگا تو بزرگ کو کہا کہ کچھ دیر صبر کریں، کہیں آپ کے لب کٹ نہ جائیں اور خون نہ نکل آئے۔ بزرگ کہنے لگے کہ: کیسے چپ کروں؟ کہ سورج بس نہیں کرتا اور تیز چلتا جا رہا ہے۔ اگر سورج بھی کچھ دیر کے لیے رُکے تو میں بھی کچھ دیر کے لیے ٹھہروں لیکن جس صورت میں وہ تیزی سے چلتا جا رہا ہے تو اس طرح مجھے کیا مجال ہے کہ خدا کی یاد سے غافل رہوں؟ اس کے بعد حضرت نے یہ بیت پڑھا:

تان ڪي گهوري چل، لاڙائو سج ٿيو
هاڙهي ذاري هُل، وڃي هوتن جو ٿئو

ترجمہ: ''اے کمزور عورت تیز چل کیونکہ سورج ڈوبنے والا ہے، پہاڑ کے گردونواح میں اس محبوب کی ہی آواز سننے میں آتی ہے۔

شعلہ: ایک بزرگ ہمیشہ سفر میں رہتا تھا۔ ایک دن ایسے شہر جانکلا جہاں سب کافر رہتے تھے۔ ابھی ایک کونہ لے کر بیٹھا ہی تھا تو ذکر کی آواز سنی، نزدیک جا کر سوال کیا کہ تم کون ہو جو اس جگہ پر رہتے ہو جہاں کوئی اور مسلمان نہیں رہتا اور تم ذکر میں مشغول ہو۔ یہ سن کر اس ذکر کرنے والے بزرگ نے جواب دیا: کہ میں نے پہلے سمجھ آئی کہ تم کوئی مرد ہو لیکن ابھی سمجھا کہ نہیں، تم تو عورت ذات ہو جو تمھیں سب کافر نظر آتے ہیں، یہ سن کر وہ درویش اس بزرگ کا مرید ہوا۔

شعلہ: ایک خدا کا طالب حجرے کا دروازہ بند کر کے خدا کی یاد میں مشغول تھا۔ دنیا و مافیھا سے سارے تعلقات توڑ کر اور لوگوں سے گوشہ نشین ہو کر ایک کونے میں جا کر بیٹھا۔ ادھر باہر کسی ایک چالاک شخص نے عہد کر لیا کہ میں کوئی طریقہ اختیار کر کے اس طالب کو حجرے سے باہر نکالوں گا۔ سو کیا کیا کہ حجرے سے باہر ٹھہر کر چلانے لگا اور کہنے لگا کہ اے بزرگ، اندر کس لیے چھپ کر بیٹھے ہو؟ اگر تم بخشش کیے ہوئے ہو تو باہر نکل آؤ تاکہ دوسری خلقِ خدا تم سے بہرہ مند ہو لیکن اگر بخشش کیے ہوئے نہیں ہو تب بھی باہر آؤ کہ شاید کسی دوسرے کو دیکھنے سے تیری مغفرت ہو اور اس برکت کے سبب تم ان بخشش کیے ہوئے بندوں میں شامل ہو جاؤ۔

یہ بات سُن کر حضرت فرمانے لگے کہ اصل جن اور شیطان لاحول پڑھنے سے بھاگ جاتے ہیں لیکن انسانی جن ہرگز نہیں بھاگتے!

شعلہ: فرمایا کہ پہلے بزرگ ذکر جہر یعنی بڑی آواز والا ذکر اتنے زور سے شروع کرتے تھے کہ پہلی ضرب سے ان کی چادر گھٹنوں سے ٹوٹ جاتی تھی۔

شعلہ: ایک بادشاہ نے دوسرا ملک فتح کرنے کے ارادے سے لشکر کشی کی۔ اس بادشاہ نے اپنے جاسوسوں کو بھیجا کہ جا کر خبر لو کہ وہ بادشاہ اور اس کا لشکر کہاں تک پہنچے ہیں؟ اس حملہ کرنے والے بادشاہ نے یہ چالاکی کی تھی کہ اپنے گھوڑوں کے نعل الٹے لگوا دیئے تھے۔ اس لیے ان جاسوسوں نے وہ نشان دیکھے تو سمجھے کہ لشکر ان کے ملک کی طرف نہیں آیا ہے۔ یہ خبر جا کر بادشاہ کو سنائی، تو وہ آرام سے بیٹھ گیا۔ ادھر اچانک وہ بادشاہ لشکر کے ساتھ ان پر آ کر ٹوٹ پڑا۔

اس مرحلے پر حضرت فرمانے لگے کہ خدا کے طالب بھی اس طرح ہیں جو بظاہر ہر آدمی سے ملتے ہیں لیکن ان کا اصل مقصد اور عزم خدا سے ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے ہیں حالانکہ اندر نعل کی طرح آگ

میں جلتے رہتے ہیں۔

شعلہ: ایک دن سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے راستے میں جاتے ہوئے، ایک نوجوان ملا۔ آپ نے اس سے رزق کے متعلق پوچھا۔ نوجوان نے جواب دیا کہ جو دیتا ہے وہ کھاتا ہوں لیکن اگر نہیں ملتا تو خاموش رہتا ہوں۔ بایزید نے کہا کہ ہمارے شہر میں کتے بھی اس طرح کرتے ہیں جس پر نوجوان نے پوچھا کہ آپ سے کیا معاملہ ہے؟ بایزید نے جواب دیا کہ جب وہ کوئی چیز دیتا ہے تو پہلے اسے واپس لوٹاتا ہوں لیکن اگر نہیں دیتا تو چپ رہتا ہوں۔

شعلہ: ایک دن کوئی فقیر اپنے پیر کی زیارت کے لیے گھر سے تیار ہو کر نکلا۔ جب پیر کے پاس حاضر ہوا تو وہ اس وقت مسجد میں بیٹھا تھا۔ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے لیکن اس سارے عرصے کے دوران جب تک پیر بولتا رہا تو یہ مرید مسجد کے تنکے ہاتھ میں اٹھا کر اُنھیں گھماتا رہا، جیسا کہ آرام ہی نہیں آرہا تھا اور کھیل رہا تھا۔ آخر پیر اٹھا اور اس سے کہنے لگا کہ تم ادھر بیٹھو میں آتا ہوں۔ ایسے کہہ کر تھوڑی دیر میں اپنے گھر سے ایسے تنکے لاکر فقیر کو ہاتھوں میں دیئے اور فقیر کو کہنے لگا کہ مسجد کے تنکوں کو الٹ پلٹ کرنا شیطان کی تسبیح ہے، سو اگر تمھیں تنکوں سے کھیل کے سوا آرام نہیں آتا تو پھر ان تنکوں سے بیٹھ کر کھیل۔ یہ سن کر فقیر نے گردن جھکائی اور دوبارہ ایسا کام نہ کیا۔ ۲۸۳

شعلہ: ایک بزرگ سے سوال کیا گیا کہ مجازی عشق کس طرح کیا جائے؟ جواب دیا کہ مجاز کو روٹی کی طرح پکایا جائے، یعنی کہ وہ نہ کچی رہے نہ جل جائے۔ اس کے بعد حضرت نے یہ شعر پڑھا:

بیت

مجازي موهي، ڪڏهن ويندء نکري،

اکڙيون تو هي، مڇڻ وهين وسهي. ۲۸۴

ترجمہ: مجازی (محبوب) تمھیں فریفتہ کر کے جلد چھوڑ جائیں گے، کہیں ان آنکھوں پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ جاتا۔

شعلہ: ایک مرید جب پیر کی زیارت کر کے لوٹا تو دوسروں نے پوچھا کہ پیر کی زیارت سے تمھیں کیا فائدہ ہوا؟ جواب دیا کہ گھر سے باہر پہلا قدم رکھنے سے پہلے خداتعالیٰ نے میرے گناہ بخش دیئے۔ اس کے بعد جو دوسرا قدم میں نے اٹھایا اس کا اجر خداتعالیٰ نے الگ دیا۔ مطلب یہ کہ پیر کی زیارت سے جو فائدے ہیں، اُنھیں بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

شعلہ: کہنے لگے کہ فقیروں کا ایک ایسا گروہ بھی ہے، جو پاؤں سے سفر نہیں کرتے، بلکہ ہوا میں اڑتے ہیں انتہائی ضرورت کے وقت یا کسی کام کاج کے واسطے جب بازار میں آتے ہیں تب بھی اڑ کر وہاں اترتے ہیں۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ بزرگوں نے ہمیشہ کرامات کو ظاہر کرنے سے منع کیا ہے۔ پھر آپ اس طرح ظاہر کیوں کرتے ہو۔ جواب دیا کہ یہ کرامت نہیں ہے۔ ہمارے لیے یہ بات بالکل دوسری اشیا کی طرح معمول کے مطابق ہے۔[۲۸۵]

شعلہ: ایک دن ایک پیر نے اپنے مرید کو نصیحت کی کہ ہمیشہ دریا سے واسطہ رکھو اور اس سے محبت کرو۔ مرید یہ بات نہ سمجھ سکا اور پوچھنے لگا کہ وہ کیسے ہوگا۔ پیر نے کہا کہ ہمیشہ اپنے ساتھ پانی کا کوزہ رکھو اور وہی تمھارے لیے دریا ہے۔

شعلہ: ایک دن کوئی شخص بزرگ کی زیارت کے لیے آیا۔ بزرگ نے پوچھا کہ کیا کرتے ہو؟ وہ شخص کہنے لگا کہ اللہ اور اس کے قرآن سے مشغول ہوں۔ بزرگ نے کہا کہ تمھیں پتہ ہے کہ پڑھنے سے کیا مراد ہے؟ کہا کہ زبان سے پڑھنا، آنکھوں سے حروف کو دیکھنا اور دل میں بٹھانا، ان تینوں چیزوں سے بھی خدا سے نہ مل سکے تو پھر پتہ نہیں کس چیز سے مشغول ہو؟

شعلہ: ایک دن بزرگ نے خدا سے حجت کی کہ مجھے اپنا جلوہ دکھاؤ۔ خدا تعالیٰ نے اسے اپنی پوری مخلوق دکھائی۔ اس کے بعد بزرگ کو آواز آئی کہ مجھے دیکھا؟ بزرگ نے جواب دیا "نہیں"۔ آواز آئی کہ پھر کیا دیکھا؟ بزرگ کو اب بات سمجھ میں آئی اور کہنے لگا کہ ہاں تمھیں دیکھا۔ اس کے بعد وہ بزرگ صاحبِ عرفان ہوا اور اس کی محنت رنگ لائی۔[۲۸۶]

شعلہ: ایک فقیر جنگل میں جانے کو تھا کہ اچانک شیر نے اس پر حملہ کیا۔ فقیر نے بھاگنے کی کوشش نہ کی بلکہ وہاں ہی کھڑا رہا کہ شیر کھا جائے۔ جب دوسرے بزرگ کو یہ بات سنائی گئی تو وہ کہنے لگے کہ اس فقیر نے غلط کیا کہ بھاگا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قہاری صفات کا ظہور شیر میں ہے۔ جہاں قہر کا ظہور ہو وہاں ٹھہرنا نہیں چاہیے اور وہاں سے بھاگ کر پناہ لینی چاہیے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

شعلہ: ایک درویش تنہائی کا عالم پہاڑ کے کسی غار میں گزارتے تھے اور اُن پر خدا تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی تھی۔ ایک دن دوسرا فقیر اپنے بیٹے کو لے کر آپ کی زیارت کے لیے آیا۔ کافی دیر ملاقات کرنے کے بعد جب یہ دونوں باپ بیٹا گھر لوٹے تو فقیر نے اپنے بیٹے کو کہا کہ مجھے وہ فقیر کسی تقصیر کے سبب اَصل درجے

پر نظر نہیں آئے اور کہنے لگا کہ ابھی ایسا کریں کہ جا کر اُنھیں کہیں کہ ایک دن جب اس پہاڑ پر بہت بارش پڑی تو آپ کے دل میں یہ خیال کیونکر آیا کہ اس پہاڑ پر بارش برسنے سے کیا فائدہ؟ بس اسی تقصیر کے سبب اُن کی وہ منزل نہیں رہی۔ بیٹا وہ پیغام لے کر درویش کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے تسلیم کیا کہ واقعی ایسا ہی ہے بلکہ اس کو کہا کہ اب ایسا کرو کہ میری گردن میں رسی ڈال کر اس پورے پہاڑ پر چکر لگاؤ۔ اس لڑکے نے یہ کرنے سے انکار کیا اور آ کر اپنے باپ سے مکمل حقیقت بیان کی۔ باپ نے کہا کہ بے شک جاؤ اور ایسا کرو۔ آخر اس درویش کی گردن میں رسی ڈال کر پہاڑ پر گھمایا گیا اور وہ درویش مسلسل توبہ کرتا رہا۔ اچانک آواز آئی کہ ہم نے تمھارے گناہ معاف کیے، بلکہ تمھارے درجے میں بھی اضافہ کیا۔ ۲۸۷

واللہ اعلم باالصواب.

فصلِ سوم

اولیائے سندھ کی حکایتیں

شعلہ: عزت اور عرفان کے مالک، مخدوم نوح قدس اللہ سرہ نے جب قرآن پاک کی یہ آیتِ کریمہ:

"قال نوح رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا (سورۃ النوح ۷۱:۲۶)

ترجمہ: "نوح نے اپنے خدا سے کہا کہ زمین پر ایک کافر کو بھی نہ چھوڑ" پڑھتے تھے تو کہتے تھے کہ اس آیت میں فقیروں کے لیے یہ اشارہ ہے کہ وہ اس طرح پڑھیں:

قال روح رب لاتذر علی القلب من الوسواس دیارا

یعنی: "روح خدا کو کہتی ہے کہ اے خدا! میرے دل سے انسانی یا شیطانی سارے وسوسے دور کر جو مجھے غافل کرتے ہیں اور دل کو حق کے ذکر سے دور کرتے ہیں۔"

شعلہ: ایک مرتبہ مخدوم آجب لانگاہ رحمتہ اللہ علیہ جو خود رضا کا چشمہ، وفا کا نقطہ، حقائق اور دقائق کے جاننے والے اور خدا کے پسندیدہ تھے، اپنے ایک مرید سے مل کر کسی دوسرے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے اور سہ پہر کے وقت کسی دریا پر آ کر پہنچے، دیکھا کہ کشتی والا نہ تھا۔ مرید کہنے لگا کہ یہاں سے واپس کسی گاؤں میں چلنا چاہیے کیونکہ سردی کی رات ہے، بہت زیادہ سردی پڑے گی، جو ہم سے برداشت نہیں ہو پائے گی، اپنا خیال رکھا جائے تو وہ بہتر ہے۔ ۲۸۸ یہ سن کر مخدوم کہنے لگے کہ: ہم آج رات یہاں ہی ٹھہریں گے اور صبح اٹھ کر کشتی میں سوار ہو کر اس طرف چلیں گے۔ مرید نے جب یہ سنا تو رہنے کے لیے تیار ہو گیا اور وہ وہاں پر سو گئے۔ کہتے ہیں کہ چند لمحے گزرے تو دریا ایک چھوٹی سی نہر جیسا ہو گیا اور آواز آنے لگی کہ اے مخدوم اگر تم قبول کرو تو گزر کر اس طرف جا سکتے ہو لیکن مخدوم نے قبول نہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ دریا مزید تنگ ہو کر ایک قدم جتنا رہ گیا۔ پھر وہی آواز آئی لیکن مخدوم نے ابھی بھی وہ بات قبول نہ کی اور جواب دیا کہ اے دریا! ہمیں تمھاری مدد کی ضرورت نہیں ہے ہمارا توکل خدا کی ذات پر ہے۔

صبح کو جب سورج ابھر کر اوپر آیا تو کشتی والا بھی آ کر حاضر ہوا۔ آپ اس میں سوار ہو کر دوسرے گاؤں پہنچے۔

شعلہ: مخدوم ساھڑ لنجار جو عشق اور معرفت میں اپنی مثال آپ تھا؛ شوق و محبت کا دریا تھا؛ وہ کہتا تھا کہ میں نے اپنے پیر سے سنا جو اپنے مریدوں کو یہ نصیحت کر رہے تھے کہ جس آدمی میں یہ تین صفات دیکھو تو اس کا

پیچھا اطاعت ہرگز نہ چھوڑو، کیونکہ اس میں تمھارا فائدہ ہے۔ پہلی یہ کہ جب تم اس کے پاس بیٹھو تو تم کو اس کے دیکھنے سے خدا یاد آ جائے۔ دوسری یہ کہ جب وہ بات کرے تو تم پر اس کا اثر ہو۔ تیسری یہ کہ اس سے رخصت ہونے کے وقت یا اس کی محبت سے اٹھنا تمھارے لیے دشوار محسوس ہو۔ ۲۸۹ے

شعلہ: ایک بزرگ نے کہا کہ میری بیوی خدا کی محبت میں زیادہ مشغول رہتی تھی، اتنا کہ ایک دن کپڑے رنگنے والے کی بیوی نے ہمارے گھر آ کر کہا کہ تمھاری طرف میرے کچھ پیسے بقایا ہیں۔ یہ سن کر میری بیوی نے کہا کہ ان پیسوں جتنا اناج لے جاؤ۔ اس عورت نے کیا کیا کہ اپنی مرضی کے مطابق جتنے برتن اناج کے اٹھا سکی وہ لے کر چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد پھر واپس آئی اور کہنے لگی کہ ابھی میرے چھ برتن رہتے ہیں۔ بیوی جو محبتِ الٰہی میں مشغول تھی تو اس نے سمجھا کہ کہتی ہے بارہ۔ کہنے لگی کہ بارہ دوسرے بھی لے جاؤ۔ مطلب یہ کہ اس محویت میں ایسا سمجھی کہ بارہ چھ سے کم ہیں۔

شعلہ: زمانے کے قطب مخدوم نوح کا ایک خاص مرید تھا جو خانوٹ میں رہتا تھا۔ اس کو حبس دم پر اتنی پختگی تھی کہ جب خانوٹ سے نکلتا تھا تو آ کر ہالا کنڈی میں دم کھولتا تھا۔ اس طرح جب ہالا کنڈی سے نکلتا تھا تو حبس دم کرتا تھا اور خانوٹ میں کھولتا تھا حالانکہ ان دونوں شہروں کے درمیان آدھا پہر کا فاصلہ تھا۔

شعلہ: ایک دن ٹکرالہ شہر میں ہماری ایک ایسے درویش سے ملاقات ہوئی جو چھ مہینے کے بعد روزہ افطار کرتا تھا۔ اس سے کئی مجلسیں ہوئیں جن میں کئی باتیں ہوئیں۔ ایک دن اپنی بات کرتے ہوئے اس نے بتایا کہ میں حج یعنی کعبے کی زیارت کے لیے تیار ہو کر نکلا۔ راستے میں قافلے سے الگ ہو کر دور رہ گیا۔ بہت پریشان ہوا اور ایسی جگہ پہنچا جسے موت کی وادی کہنا بہتر ہوگا لیکن اچانک ایک درخت کے نیچے ذکر کی ضرب کی آواز سن کر فوراً اس طرف بڑھنے لگا۔ نزدیک جا کر دیکھوں تو کسی آدمی کا سر نظر آیا اور وہ ذکر اس کی زبان پر جاری تھا۔ وہ منظر دیکھ کر میں نے اسے عرض کیا کہ سخت بھوکا ہوں اور راستے سے الگ ہو گیا ہوں۔ خدا کے واسطے میری مدد کرو اور راستہ دکھاؤ۔ جواب دیا کہ تم روانہ ہو لیکن کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد تمھیں ایک قبر نظر آئے گی، وہیں تمھیں گندم اور اس کو پیسنے کے لیے چکی، آٹے کی چھاننی اور مٹھاس سب موجود ملیں گے۔ وہ پکا کر اپنی بھوک مٹانا لیکن اپنی ضرورت سے زیادہ کوئی چیز ہرگز ضائع نہ کرنا۔ اس کے بعد تمھیں از خود راستے کا پتہ چل جائے گا۔ ۲۹۰ے

میں جب وہاں پہنچا تو واقعی سب کچھ نظر آیا جس کے متعلق مجھے اشارہ کیا گیا تھا۔ میں ایسا ہی کر رہا تھا جس طرح مجھے کہا گیا تھا۔ اس کے بعد مجھے راستے کی بھی خبر ہو گئی لیکن اس روٹی کھانے کا اثر مجھ پر اتنا ہوا کہ

اس کے بعد میرے لیے روٹی کھانا یا نہ کھانا دونوں برابر ہو گیا۔

شعلہ: فرمایا کہ ہمارے عزیزوں میں سے ایک سید جو مٹیاری میں رہتا تھا اس نے بات کرنا بند کر کے سکوت اور خاموشی اختیار کی اور کسی سے بھی گفتگو نہیں کرتے تھے۔ آخر جب چلّہ پورا ہوا تو باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس کو پانی پلانے کے لیے کسی دریا کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر گھوڑے کو پانی پلانے کے لیے ہنکار دی۔ ابھی وہاں کھڑا ہی تھا کہ اعمال کے کاتب فرشتے کی آواز سنی جو دوسرے کو کہہ رہا تھا کہ یہ جو آواز نکالی ہے وہ اس کے حساب میں لکھو۔ یہ سن کر خود فرشتے کو مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ کیا اتنی آواز کا حساب بھی لکھو گے۔ اس پر دوسرے فرشتے نے پہلے کو کہا کہ یہ جو اس نے مزید کہا ہے وہ بھی لکھو۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مرنے تک پھر ایک لفظ بھی نہ بولا۔ ۲۹۱

شعلہ: ایک مرتبہ شیخ نوح جو خود ہدایت اور نصیحت کے بالک، عقل اور شرع کے امین اور عاشقِ یگانہ تھے اپنی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ان کا خاص مرید لدھو فقیر کئی لوگوں کے ساتھ آ نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے مخدوم نوح علیہ الرحمۃ کی ظاہر والی آنکھوں میں بغیر سرمے کے حقیقی بینائی دی تھی۔ جب لدھو فقیر کے ساتھ آئی ہوئی جماعت کے لوگوں نے فرداً فرداً آپ سے ہاتھ ملانا شروع کیا تو یہ روش آپ کو پسند نہ آئی۔ فرمایا کہ: اے لدھا فقیر ہم دارالحرب یعنی جنگ کے میدان میں نہیں بیٹھے تھے جو تم پوری جماعت لے آئے ہو۔

شعلہ: عزت اور وحدت کے مالک شیخ بھرکیو رحمتہ اللہ علیہ کی بات ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں باری تعالیٰ کے نور شہود میں مستغرق تھا کہ آواز سنی کہ اے بھرکیا بندہ رہنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر آواز آئی کہ غلام ہونا چاہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ تین مرتبہ یہی آواز آتی رہی اور میں ہر مرتبہ انکار کرتا رہا۔ آخر آواز آئی کہ بندہ بھی نہیں اور غلام بھی ہونا نہیں چاہتے ہو تو پھر کیا چاہتے ہو؟ عرض کی کہ کچھ بھی نہیں ہوں اور کچھ بھی نہیں ہونا چاہتا ہوں۔ جب یہ کہا تو میں نے محسوس کیا کہ قدرت نے اپنا شفقت والا ہاتھ مجھ پر دراز کیا ہے۔ حضرت فرمانے لگے کہ اس کے بعد خدا تعالیٰ کے ہاں شیخ بھرکیو کا عرفان قبول ہوا۔ ۲۹۲

شعلہ: ایک دن مخدوم نوح علیہ الرحمتہ کا مرید جس کا نام قطب تھا سیر سفر پر نکلا ہوا تھا۔ اچانک اسے بوبک شہر میں رات ہو گئی تو طالب علموں نے گھیر لیا۔ پوچھنے لگے کہ کس کے مرید ہو؟ جواب دیا کہ خدا کا مرید ہوں۔ طالب یہ جواب سن کر غصے میں آ گئے اور سوچنے لگے کہ اس کو شہر کے بڑے عالم اور فاضل مخدوم جعفر کے پاس لے جا کر تعزیر دلوائی جائے۔ جب اسے پکڑ کر چلنے لگے تو پھر الٹا یہ کہنے لگے کہ: خدا میرا مرید ہے۔ یہ سن کر طالب مزید ناراض ہونے لگے اور فوری طور پر لا کر مخدوم کے سامنے پیش کیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد مخدوم

نے پوچھا کہ تم نے واقعی ایسا کہا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں۔ مخدوم نے پھر پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ اس سے تم پر شریعت کی حد لازم ہوتی ہے۔ جواب دینے لگا کہ مجھ پر حد لازم نہیں آتی کیونکہ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ معنوی لحاظ سے کہا ہے۔ مخدوم نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب؟ کہنے لگا کہ جب میں نے خود کو خدا کا مرید کہا تو اس کا مطلب تھا کہ خدا کے ارادے اور آرزو کے سوا میرے دل میں دوسری کوئی چیز نہ تھی لیکن جب یہ کہا کہ خدا میرا مرید ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو ارادہ کیا ہے یا کرے گا وہ ضرور ظہور میں آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ شروع میں یا آخر میں ہمارے متعلق ارادہ اس کا ہی ہے۔ ہمیں وہاں کوئی بھی اختیار نہیں ہے۔ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ خود کرتا ہے البتہ میں مخدوم نوح کا مرید ہوں۔ ۲۹۳ے

شعلہ: مخدوم جونا جو بھٹورے پرگنے کے گاؤں دبی کے رہنے والے تھے اور اپنے وقت کے مشائخ میں سے تھے اُن سے منقول ہے کہ مائی نوری اصل میں ملاحوں کے قبیلے میں سے تھی جسے جام تماچی نے اپنی مہارانی بنایا تھا اور اسے محل میں لاکر بسایا تھا۔ ایک مرتبہ وہ سیج پر بیٹھی تھی اور ہر طرف مشک وعنبر چھڑکے ہوئے تھے اور کئی کنیزیں اس کی خدمت میں حاضر تھیں کہ اچانک رونا شروع کردیا۔ سب عورتیں آگئیں اور کہنے لگیں کہ: اپنے باپ کی مچھلی والی ٹوکری یاد آگئی ہے کیا؟ اس کے لیے اتنا رو رہی ہو؟ کہنے لگی کہ نہیں اس لیے نہیں رو رہی ہوں بلکہ سوچتی ہوں کہ اگر مجھے جام تماچی سے محبت ہوتی اور میرا دل اسے چاہتا تو اس جگہ کیسے پہنچتی؟ اب یہ تو اس کی محبت ہے جو مجھے یہاں اٹھا لائی ہے اور اس جگہ پہنچایا ہے!

شعلہ: ایک فقیر نے بڑی محبت کے ساتھ کسی بزرگ سے پوچھا کہ خدا سے وصل کس طرح ہوگا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ مرنے کے بعد۔ فقیر پر اتنا اثر ہوا کہ کونے میں جاکر کمر سے باندھی ہوئی چھری نکال کر خود کو ذبح کردیا۔ ادھر مریدوں نے آکر بزرگ کو سنایا کہ اس فقیر نے خود کو ذبح کردیا ہے۔ بزرگ نے کہا کہ جا تو خدا تک پہنچا اور اپنا مقصد بھی حاصل کیا لیکن ہم نے اسے اس طرح تو کرنے کا نہیں کہا تھا کہ خود کو چھری سے ذبح کرے بلکہ ہمارا مطلب تھا کہ وہ مجاہدے کرے اور زندہ خود کو مار ڈالے یعنی مُردوں کی مثل زندہ رہے۔ ۲۹۴ے

شعلہ: وقت کے مشائخ ہوتی تھی لاکھو کے دو بیٹوں احمد اور محمد جو خود زمانے کے عابد اور عارف تھے اُنھوں نے بہشت کو خواب میں دیکھا۔ وہاں عالی شان اقسام کے محل اور محلات اُن کے دیکھنے میں آئے لیکن ان کے اندر ایسے لوگ بیٹھے ہوئے تھے جن کے ہاتھ کٹے ہوئے تھے۔ اس بات کا سبب معلوم کرنے پر پتہ چلا بلکہ اُنھوں نے خود بتایا کہ ہم ساری رات عبادتیں کرتے تھے لیکن جب مؤذن اذان پوری کرتا تھا تو ہم ہاتھ نہیں

اٹھاتے تھے اور نہ ہی منہ پر پھیرتے تھے۔

شعلہ: ایک دن کوئی مرید پیر کے ساتھ تھا اور وہ دونوں کسی طرف جا رہے تھے، اچانک راستے میں کوئی چور ملا جس نے دیکھتے ہی پیر کے سر پر لاٹھی ماری۔ پیر نے نظر اس چور پر ڈال دی تو وہ کامل ولی ہو گیا۔ مرید کو محسوس ہوا تو پیر کو کہنے لگا کہ میں نے کتنا عرصہ آپ کی خدمت کی اور اتنی مشقت بھی اٹھائی لیکن مجھ پر یہ شفقت والی نظر نہ ہوئی، مگر وہ شخص جس نے آپ کو تکلیف دی، اسے ایک لمحے کے اندر خدا تک پہنچا دیا۔ پیر نے جواب دیا کہ اس نے جو بھی مجھے دینا تھا وہ دیا اور مجھے جو دینا تھا وہ میں نے دیا۔ ۲۹۵

کہتے ہیں کہ وہ پیر حضرت خود تھے۔

شعلہ: ایک مرتبہ سندھ کے حکمران مرزا شاہ حسن اپنے لشکر کے ہمراہ نیرن کوٹ پرگنہ کے شہر اگھم کوٹ سے گزرے۔ ہوتی نامی بزرگ جو وہاں رہتا تھا، اٹھ کر اس کے لشکر کے ساتھ چلنے لگا۔ بادشاہ کو جب یہ خبر سنائی گئی کہ فلاں بزرگ ساتھ چل رہا ہے تو کہنے لگے کہ ضرور زمین کا مالک ہوگا۔ آگے بڑھے تو مجذوب عمر بودلو کی طرف سے گزرے لیکن اس نے بادشاہ کے لیے کسی بھی قسم کی توجہ نہ دی اور نہ ہی خیال کیا کہ کوئی بادشاہ گزر رہا ہے۔ یہ خبر شاہ حسن کو کی گئی کہ اس درویش نے کسی بھی قسم کی کوئی بھی خدمت نہیں کی۔ بادشاہ نے سن کر کہا کہ یقیناً وہ دنیا کے جھنجھٹ سے آزاد ہے۔

شعلہ: ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ عزت و برکت کے مالک، ذاتِ پاک کے برگزیدہ مخدوم نوح رحمتہ اللہ علیہ کو جوق در جوق لوگ ملنے آئے۔ سب کے سب مخدوم صاحب سے دستِ بیعت کر رہے تھے، ان میں ایک چھوٹا لڑکا بھی تھا۔ اس نے جب مخدوم سے ہاتھ ملایا تو خوش مزاجی کرتے ہوئے کہا کہ یہ واقعی لڑکا ہے۔ جب سب نے کہا کہ ہاں تو آپ نے فرمایا کہ چھوٹی عمر میں خدا نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ ۲۹۶

شعلہ: ایک مرتبہ درویش قطب فقیر کو کسی گاؤں میں رات ہو گئی تو گاؤں کے لوگ اُمڈ آئے۔ کہنے لگے کہ آپ جو کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ آپ کا دوست ہے اور بغیر مانگے آپ کو عزت دیتا ہے اور اپنی فضیلت ظاہر نہیں کرتا اس کا مطلب کیا ہے۔

درویش نے جواب دیا کہ کیا تم نے یہ حکایت نہیں سنی؟ ایک دن کوئی بادشاہ اپنے محل میں بیٹھا تھا۔ اس کے گرد کئی حسین و جمیل عورتیں اور کنیزیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں، لیکن اچانک محل کے نیچے ایک بھنگن اپنے سر پر گندگی کی ٹوکری اٹھا کر گزر رہی تھی کہ بادشاہ کی نظر اس پر پڑی۔ دیکھتے ہی اس پر عاشق ہو گیا۔ بس پھر تو دیر ہی نہ کی، اسے بلا کر بہت عزت و مرتبہ دیا اور سب عورتوں اور کنیزوں سے اوپر بٹھایا، بلکہ سب کو کہا کہ اس کی

فرمانبرداری کرو۔ اب سناؤ کہ اس بادشاہ نے اس عورت میں کیا دیکھا کہ اس عورت کو اتنا مرتبہ دیا!

شعلہ: منقول ہے کہ وقت کے برگزیدہ، عارفِ ربانی اور سلطان التارکین میراں سید یوسف بکّھری کے بیٹے سید ابراہیم نے کہا کہ جب میں چھوٹا تھا تو ایک دن میں نے اس کمرے کے دروازے پر دستک دی جس کے اندر اس کا باپ بیٹھا ہوا تھا۔ اندر سے آواز آئی کہ کون ہے؟ جواب میں کہا کہ میں سید ابراہیم۔ یہ الفاظ سن کر سخت غصے میں آ گئے اور کہنے لگے کہ اگر ''سید'' کا لفظ نہ کہتے تو کیا ہو جاتا؟ اور تیرے مرتبے میں کیا کمی ہوتی؟ ایسا کیوں نہ کہا؟ کہ فقیر ابراہیم ہوں یا فقط ابراہیم کہتے۔ حضرت کو اس طرح کی بات بہت پسند ہوتی تھی۔

شعلہ: ایک مرتبہ زمانے کے مرشد، طریقت کے شیخ اور عارفِ یگانہ جرکس ڈنہ کا بیٹا جو ونگہ میں رہتا تھا، اپنے مریدوں کی جماعت کے ساتھ کسی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں جب ایک بڑا بیابان نظر آیا تو ایک مرید نے سوچا کہ میں جلدی میں جا کر دوسرے راستے سے پیر کے سامنے سے آتا ہوں۔ پیر جب اس جگہ پہنچے تو اس نے چھپ کر دیکھنے کی کوشش کی۔ اتفاقاً پیر کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ یہ تو کوئی چور ہے۔ اس کے بعد وہ مرید واقعی راہ سے اتر گیا اور چوری کو اپنا پیشہ بنا دیا۔ گھروں میں گھس کر چوری کرنے لگا۔ آخر ایک دن وہ چور خود اپنے پیر جرکس کے بیٹوں کی بھینس چرا لے گیا جس پر سارے گھر کا دارومدار تھا۔ سب بہت پریشان ہوئے اور چور کا پیچھا کیا۔ پتہ چلا کہ وہ چوری اس مرید نے کی ہے جس سے پیر کو نفرت تھی۔ جب یہ خبر پیر جرکس کو ہوئی تو کہنے لگے کہ وہ مرید کس لیے چور بنا ہے اس کام کو کیوں نہیں چھوڑتا؟ اور یہ بات ہی اس کے لیے بہتر ہے۔ کہتے ہیں کہ اسی لمحے اس مرید نے توبہ کی۔ ادھر وہ پیر اور دوسرے لوگ پیچھا کرتے اس طرف جا رہے تھے تو راستے میں دیکھا کہ وہ شخص خود بھینس واپس لے آ رہا تھا، جب مرشد پر نظر پڑی تو بھینس اُن کے حوالے کی۔ مرشد نے کہا کہ چوری کیوں شروع کی ہے؟ کہنے لگا کہ پہلے بھی آپ نے بددعا کی تھی اور اب بھی آپ نے دعا دی جو قبول ہوئی۔ ۲۹۸

شعلہ: ایک درویش بادو جونیرن کوٹ پرگنہ کے گاؤں ناھیوں میں رہتے تھے اور مخدوم نوح علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ اُنھوں نے اپنے مرشد کی خدمت میں عرض کی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اب یہاں سے کسی اور جگہ چلا جاؤں۔ مخدوم صاحب نے فرمایا کہ اے بادو کہو ''لا الہ الا اللہ'' ابھی پوری طرح یہ الفاظ نہ کہے تھے تو تڑپنے لگا جیسے مچھلی جال میں تڑپتی ہے۔ آخر بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ کہنے لگے کہ اس کو اندر حجرے میں سلا دو پورے تین دن اور تین راتیں حجرے میں بے خبر پڑا تھا اور اسے اس دنیا کی کوئی خبر نہ تھی۔ ۲۹۹

شعلہ: ایک دن کسی سائل نے خدا کے برگزیدہ بندے مخدوم یعقوب پلیجور حمتہ اللہ علیہ، جو ستیار پرگنہ کے نارے نامی گاؤں میں رہتے تھے سے سوال کیا۔ مخدوم نے کہا کہ جاؤ! اور ہمارا غلام جو جنگل میں بھینس چراتا ہے اس سے جا کر ایک بھینس لے لو۔ اس سائل نے ڈھونڈ کر اس غلام کو دیکھا اور اس سے بھینس مانگی۔ غلام نے اس کو سب بھینسوں، میں سے اچھی بھینس جو چھ کاسے دودھ دیتی تھی وہ دے دی۔ شام کو جب غلام واپس گھر لوٹا تو مخدوم نے پوچھا کہ سائل کو بھینس دی۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ سائل کو وہ بھینس دی جو چھ پیالے دودھ دیتی تھی۔ یہ سن کر مخدوم بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ میں نے اسے کوئی بھی بھینس دینے کو کہا تھا لیکن جیسا کہ تم نے اس کو اچھی سے اچھی بھینس دی ہے اس کے بدلے میں تمھیں آزاد کرتا ہوں۔ اس کے بعد اندر آ کر یہ بات اپنی بیوی کو سنائی وہ بھی بہت خوش ہوئی۔

شعلہ: ایک دن پیر نے اپنے دو مریدوں سے کہا کہ ہمارے پاس جو بھینس ہے اس کا دودھ نکال کر آؤ۔ دونوں مرید دو کاسے دودھ کے لے کر واپس آ رہے تھے تو ایک نے دوسرے کو کہا کہ ایک کاسہ دودھ کا میں پیتا ہوں اور ایک کاسہ لے کر پیر کے پاس چلتے ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ مجھ سے یہ کام ہرگز نہیں ہوگا اور یہ کہ پیر صاحب کو یہ پتہ بھی چل جائے گا اور ضرور وہ یہ بات سمجھ جائیں گے۔ وہ کہنے لگا کہ تم بے جا وسوسے نہ کرو کیونکہ میں پیر صاحب کو بتاؤں گا کہ آج صرف ایک کاسہ دودھ کا نکلا۔ آخر دونوں نے ایک کاسہ دودھ کا پیا اور ایک کاسہ لے کر پیر کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ آج صرف ایک کاسہ دودھ کا ہوا ہے۔ جب پیر نے یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ راستے میں تم میں سے کس نے کہا تھا کہ ایک کاسہ پینا چاہیے اور کس نے کہا کہ نہیں پینا چاہیے۔ یہ سن کر وہ دونوں مرید بہت شرمندہ ہوئے۔ اس کے بعد پیر نے اس مرید پر نظر ڈالی جس نے پہلے دودھ پینے کی خواہش ظاہر کی تھی، تو وہ مرید اس نظر کی وجہ سے وقت کا عارف بن گیا۔ پھر جب دوسرے مرید پر نظر ڈالی تو وہ بھی کامل کے مرتبے پر جا پہنچا۔ جب دوسرے مریدوں کو یہ پتہ چلا تو کہنے لگے کہ ہم اتنی مشقت اور محنت کرتے ہیں لیکن ہمیں تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا لیکن یہ جن سے تقصیر ہوئی ہے اُنھیں نوازا گیا۔ پیر کہنے لگے کہ جو شروع سے صدمہ برداشت کر رہے ہیں اُنھیں مزید صدمہ نہ دیا جائے بلکہ ان پر شفقت اور نوازش کی جائے کہتے ہیں کہ وہ پیر حضرت خود تھے۔ ۳۰۰ع

شعلہ: ایک دن درویشوں کے درویش، متقین کے رہنما، پاک اور صاف انسانوں کے رہبر داؤد رحمتہ اللہ علیہ جن کی قبر کولاب کے کنارے ہے جو آپ کے نام سے مشہور ہے اپنے مریدوں کے ساتھ اس تالاب میں نہا رہے تھے اور ایک دوسرے کو پکڑنے والا کھیل کھیل رہے تھے۔ جو پکڑا جا رہا تھا اسے غوطہ کھلا رہے

تھے۔ آخر ایک باری داؤد درویش کی آئی، پھر تو ہر ایک کو پکڑتے گئے اور خوب غوطے کھلاتے رہے۔ ان غوطوں میں وہ اپنے مریدوں کو واصل باللہ کرتے اور الٰہی جمال کے جلوے دکھا رہے تھے۔ ۳۰۱؎

شعلہ: ایک مرتبہ مشقت اور مجاہدے میں مشہور درویش شیخ بھرکیو رحمۃ اللہ علیہ اپنے گاؤں کا تیار میں چلّے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک دوسرے بزرگ بھی اُسی گاؤں میں آ کر چلّے میں مشغول ہوئے۔ یہ درویش چلّے میں نہ کھانے کے برابر طعام استعمال کرتے تھے لیکن شیخ بھرکیو کے لیے ہر روز بیٹھے پراٹھے تیار ہوتے تھے۔ سارے گاؤں میں یہ بات پھیل گئی کہ شیخ بھرکیو چلّے میں بھی اچھے طعام کھاتے ہیں۔ جب کہ وہ درویش بھوک برداشت کرتا ہے آخر جب چلہ پورا ہوا اور شیخ بھرکیو کے پاس مرید آئے تو اُنھوں نے منہ میں انگلی ڈال کر چالیس روٹیاں نکال کر باہر کیں اور کہنے لگے کہ میں نے جو کچھ بھی کھایا تھا وہ سب تمھارے سامنے ہے، تم چاہو تو اٹھا کر کھا سکتے ہو۔

شعلہ: ایک مرتبہ کسی آدمی کی گائے گم ہوگئی، تو بغیر سنت پوری کرنے کے وقت کے درویش جرکس رحمۃ اللہ علیہ جوڈنے کا بیٹا تھا اور ونگے کا رہنے والا تھا اس کے پاس دعا کے لیے آیا۔ درویش نے دعا میں یہ الفاظ کہے، اے خدا اگر تیری درگاہ میں یہ بھی صحیح ہے کہ جو سنت پوری کرنے کے سوا دعا کا طالب ہوتا ہے تو اس کی دُعا بھی پوری ہو تو وہ گائے واپس دلا دے۔ کہتے ہیں کہ وہ دعا مقبول ہوئی اور گائے مل گئی۔ ۳۰۲؎

شعلہ: تجرید کے راستے کے طالب اور توحید کے مسافر مخدوم زماں یعقوب پلیجوؒ جن کا گاؤں نارو، ستیار پرگنہ میں تھا ایک مرتبہ مریدوں کے ساتھ مل کر اپنے کھیت پر آئے جہاں مونگ کی فصل کھڑی تھی۔ مریدوں کو کہنے لگے کہ مونگ پکا کر تیار کرو تو کھائیں۔ مریدوں نے عرض کیا کہ مٹی کا برتن ہے وہ بھی ٹوٹا ہوا جس سے پانی بہہ رہا ہے۔ درویش نے کہا کہ تم پانی سے بھر کر آگ پر رکھو۔ مریدوں نے پانی بھر کر اسے ٹیڑھا کر کے رکھا تا کہ اس سے پانی بہہ نہ جائے۔ درویش کہنے لگے کہ اس کو سیدھا کر کے رکھو تا کہ اس میں زیادہ مونگ پک سکیں کیونکہ ہم بھی زیادہ آدمی ہیں۔ آخر درویش کے کہنے کے مطابق مٹی کی ہنڈیا کو سیدھا کر کے رکھا گیا تو اس سے پانی کا ایک قطرہ بھی باہر نہ نکلا۔ سارے تعجب میں پڑ گئے اور جب مونگ پک کر تیار ہوئے تو سب کھا کر شکم سیر ہوئے اور اپنے گھروں کی طرف لوٹے۔ کافی دنوں کے بعد ایک مرتبہ پھر مخدوم یعقوب پلیجو اپنے مریدوں کے ساتھ کھیت پر آئے اور کھیت میں ہل چلا کر اسے تیار کرنے لگے۔ ابھی اسی جگہ پہلی مرتبہ کدال چلائی تو وہ مٹی کی ہانڈی نکل کر دور جا کر گری۔ مطلب یہ ہے کہ کدال کی ضرب مارنے سے ہانڈی نہ ٹوٹی اور دوسری جگہ جا کر گری۔ درویش نے اس کدال والے کو کہا کہ دوبارہ اس پر کدال مارو لیکن تب بھی

اسے کچھ بھی نہ ہوا۔ اس طرح تیسری مرتبہ بھی ایسا کیا گیا لیکن ہانڈی نہ ٹوٹی اور ضرب مارنے سے دوسری جگہ گرتی رہی۔ آخر تک اُس مٹی کی ہانڈی میں نہ سوراخ ہوا اور نہ ہی وہ ٹوٹی۔ ۳۰۴ع

شعلہ: وقت کے مخدوم اور مشائخ، صاحبِ کرامت، واقفِ اسرارِ الٰہی اور عشق خداوندی میں کامل رکن الدین ابن ونہیو جو سندھ کے بھٹ نامی گاؤں کا رہنے والا تھا اکثر مراقبے میں رہتا تھا۔ دورانِ مراقبہ اگر کسی شخص کی آواز سنتا تھا تو گردن اوپر اٹھا کر ایسی ہیبت ناک آواز نکالتا تھا کہ اس شخص کا وہاں پر ہی دم نکل جاتا۔ ایک دن یہ خبر وقت کے عارف اور مجاہد درویش پلیؒ کے کانوں تک پڑی۔ وہ تیار ہو کر ہوتھی لاکھو کے بیٹے درویش احمد کے پاس آئے اور اس کو ساری حقیقت سنا کر اپنے ساتھ چلنے کے لیے تیار کیا۔ دونوں مل کر روانہ ہوئے اور چلتے ہوئے اس جگہ آ کر پہنچے۔ دیکھا کہ درویش رکن الدین پران دریا کے کنارے املی کے درخت کے نیچے سماع میں مشغول تھے۔ دونوں ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ کسی نے جا کر درویش کو سنایا کہ احمد درویش آیا ہے تو سماع چھوڑ کر احمد کے نزدیک آ کر بڑی خوف ناک آواز نکالی تا کہ وہ بھی دوسروں کی طرح مر جائے لیکن احمد کو وہ آواز سننے سے کچھ بھی نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر سمجھا کہ یہ مجھ سے بڑا بزرگ ہے، تو نزدیک بیٹھ کر پوچھنے لگا کہ اے احمد! خدا تعالیٰ کے کتنے نام ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے کچھ پتہ نہیں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ عرشِ عظیم کے نیچے ایک وسیع و عریض میدان ہے جس کی طول پانچ سو سالوں کا فاصلہ ہے۔ اس میدان میں بے شمار سفید پرندے موجود ہیں جو ہر مرتبہ سانس لیتے وقت اسم اللہ کا نام لیتے ہیں اور ہر مرتبہ خدا کا نیا نام لیتے ہیں یعنی جو پہلی مرتبہ سانس اٹھاتے وقت نام لیا تھا وہ دوسری مرتبہ نہیں لیتے بلکہ نئے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مجھے ان پرندوں کے پیٹھ پر ہاتھ لگانے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ جب درویش رکن الدین نے یہ بات سنی تو اٹھ کر چل دیئے۔ یہ دیکھ کر درویش پلیؒ کہنے لگے کہ رکن الدین، احمد سے درجے میں اوپر نہیں ہے بلکہ وہ تو سانپ کی مثل ہے۔ جس کے ڈسنے سے لوگ مر جاتے ہیں۔ ۳۰۵ع

شعلہ: ایک بزرگ سماع کا دلدادہ تھا۔ ایک دن رین دریا کے کنارے کسی قوال کو سن رہا تھا۔ جب بھی ذاکر کوئی بیت پڑھتے تو اس درویش پر وجد اور حال کا غلبہ پڑ جاتا تھا بلکہ ہوش و حواس کھو بیٹھتا۔ آخر سماع میں اتنا محو ہو گیا کہ دریا کے اندر گر پڑا۔ لوگ نیچے اتر کر پانی میں ڈھونڈنے لگے لیکن ہاتھ نہ آیا۔ پورے تین دن گزرنے کے بعد قرآن خوانی کرائی گئی جس میں فاتحے کے لیے لوگ آ کر جمع ہوئے۔ قوال بہت پریشان تھا اور پورا وقت فکر میں مبتلا گردن جھکا کر گم سم بیٹھا تھا۔ آخر ٹھوڑی سے ہاتھ ہٹا کر دوبارہ بڑے جوش اور ولولے سے دوسرا شعر سنانا شروع کیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو برابر جاری تھے۔ یہ آواز سنتے ہی اچانک وہ

درویش دریا سے نکل کر ظاہر ہوا اور سب لوگوں کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور پھر سماع میں مشغول ہو گیا۔ جب سماع سے فارغ ہوئے تو وصیت کی کہ مجھے مرنے کے بعد ایسی جگہ پر دفن کرنا جہاں درویش آ کر سماع کریں تا کہ ان کے پاؤں کی خاک اُڑ کر میری قبر پر پڑے۔ ۳۰۶ ؎

حضرت نے فرمایا کہ اس درویش کی قبر مخدوم حسن ہریڑی کے میدان میں ہے جہاں مخدوم خود بھی سماع کرتے تھے۔

شعلہ: وقت کے شیخ اور امام، اربابِ ذوق وشوق مخدوم حسن ہریرہ رحمتہ اللہ علیہ دائرے میں رہتے تھے۔ وہ گاؤں ڈک پرگنہ میں واقع تھا۔ وہ کشف کے ذریعے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری میں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اُنھوں س نے دیکھا کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس خوش بو کا تحفہ لے آیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ اٹھا کر حسن کو دیا کہ وہ حاضرینِ مجلس میں تقسیم کرے۔ اس نے اٹھ کر وہ خوش بو سارے حاضرین میں تقسیم کی سِیْن اپنے لیے فقط کاغذ کا وہ ٹکڑا باقی رکھا جس میں وہ لپٹی ہوئی تھی۔ پھر وہ کاغذ اٹھا کر اپنے سر پر رگڑا۔ کہتے ہیں کہ جب تک زندہ رہے تب تک آپ کے سر سے وہ خوش بو ختم نہ ہوئی۔

شعلہ: کسی شخص کو بڑھاپے میں یادِ خدا کا خیال آیا لیکن دل میں خیال آیا کہ اب میں ضعیف ہو چکا ہوں۔ سو خدا کو کس طرح یاد کروں گا؟ اس کے لیے تو قوت اور طاقت چاہیے۔ اتفاقاً اس وقت وہ بزرگ کسی پہاڑی سے گزر رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ مکوڑیوں کی بڑی قطار ہے جو برابر جا رہی تھی۔ یہ سوچ کر دل میں کہنے لگے کہ اگر یہ کمزور مکوڑیاں چل رہی ہیں اور چلنے سے گریز نہیں کرتیں تو شاید مجھے بھی کچھ آگے چلنے سے راہ مل جائے۔ اس خیال سے یادِ خدا میں مشغول ہو گیا اور بزرگی کے بڑے درجے پر فائز ہوا۔

یہ حکایت ماضی کے بزرگوں کے متعلق ہے لیکن ہم نے یہاں لکھی ہے۔

شعلہ: ایک دن کسی واعظ نے اپنی تقریر میں کہا کہ اگر کوئی شخص سات مرتبہ ''الحمد پڑھ'' کر دریا پر پھونک مارے تو دریا سوکھ جائے گا۔ ایک شخص جو بڑی تکلیف کے بعد دریا پار کر کے گدھے پر لکڑیاں لاتا تھا یہ سن کر خوش ہوا گھر پہنچتے ہی گدھا تیار کر کے دریا پر آیا اور جس طرح واعظ نے کہا تھا وہی کیا۔ واقعی دریا خشک ہو گیا اور وہ بغیر تکلیف کے دوسرے پار ہو گیا اور گدھے پر لکڑیاں لاد کر پھر واپس آ گیا۔ اس طرح وہ دریا پار کر کے آتا اور جاتا رہا۔

کافی دنوں کے بعد وہ واعظ بھی دریا کے کنارے پر آیا۔ دیکھا کہ ایک لکڑہارا جو کچھ پڑھتا ہے تو دریا

خشک ہو جاتا ہے۔ واعظ نے اس شخص سے پوچھا کہ کس سبب کی وجہ سے دریا خشک ہو جاتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جس دن سے آپ سے سنا ہے کہ جو بھی شخص سات مرتبہ الحمد پڑھ کر دریا پر پھونک مارے گا تو دریا سوکھ جائے گا تب سے میں اس طرح کرتا آیا ہوں اور آسانی سے دوسری طرف پہنچ پاتا ہوں۔ واعظ نے بھی دل میں کہا کہ کیوں نہ میں بھی اس طرح کروں اور بغیر تکلیف کے پار ہو جاؤں ''الحمد پڑھ'' کر دم کیا اور پانچے اوپر کر کے جیسے ہی نیچے پانی میں اترا تو پانی نے گھیر لیا اور وہ ڈوبنے لگا۔ بہت چلایا لیکن کچھ بھی نہ ہوا اور وہ شخص سارا معاملہ دیکھ رہا تھا۔ حضرت نے اس موقع پر یہ شعر پڑھا۔ ۳۰۹

ويساھ واري لنگھئو اويساھي تار

ملو وجي ڪن ڪر تون ڪنر ڪوڏ نهار

ترجمہ: ''بھروسہ کرنے والے دریا پار کر گئے لیکن جنھیں بھروسہ نہیں وہ گہرے پانی میں پھنس گئے۔ مُلّا کانوں تک پانی میں ڈوبا جاتا ہے تو شوق سے تماشا دیکھو۔''

شعلہ: خدا کا برگزیدہ بندہ درویش صالح ککراڑے والا کہتا تھا کہ اگر خدا تعالیٰ فضل کرے گا تو ہمارا چھٹکارا ہوگا اور اگر عدل کرے گا تو ہم عاجز ہو جائیں گے۔

شعلہ: ایک دن عارفِ ربانی، برگزیدہِ سبحانی، اولیا کی شمع، سچ بولنے والوں کی صبح، خدا کے راستے میں مذبوح حسن سٹھیوؒ، درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔ اچانک درخت پر بیٹھی ہوئی چڑیا نے بیٹ گرادی جو آ کر درویش پر گری۔ فوراً وہ چڑیا بھی آ کر نیچے گری اور مر گئی۔ وہاں پر بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کچھ کہنے لگے کہ چڑیا کو کیا کیا کہ وہ مر گئی؟ درویش نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! مجھے کچھ پتہ نہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ خبر جب دوسرے درویش کو ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ خدایا مجھے ایسے لوگوں سے امن میں رکھ، جن پر اگر کوئی بیٹ جیسی چیز گرتی ہے تو جان دار مر جاتے ہیں۔ ۳۱۰

شعلہ: مخدوم اسماعیل سومرو جو فقیر بھی تھا اور غنی بھی، مجاہدے اور ریاضت کا مالک تھا اور بڑا مال دار آدمی تھا۔ اس کے پاس کتنی ہی بھینسیں تھیں۔ ایک دن اس کی بیٹی نے مخدوم عثمان رحمتہ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے ذہین لوگوں میں سے تھے سے پوچھا کہ ہماری کنیزیں جب لسّی بناتی ہیں تب پاؤں کے دباؤ سے مٹکے کو گھماتی ہیں۔ اس وقت دودھ کے قطرے ان کے پاؤں کو لگ کر مٹکے میں گرتے ہیں۔ وہ پاک ہیں یا نہیں؟ مخدوم نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

چار ئي پلئه چڪ ۾، پڇي پاريھر وٺ،

ان اھڙي احتياط سين، ڦٽ پڇاڻان ڦٽ

ترجمہ: چادر کے چاروں کنارے کیچڑ میں ہیں اور تم کبوتر کی بیٹ کے متعلق پوچھتے ہو۔۳۱۱ ایسے احتیاط سے تو صرف خواری ہی ہوتی ہے۔

اس کے بعد کہا کہ بادشاہوں سے انعام پاتے ہو اور پھر پوچھتے ہو ایسے مسائل؟

شعلہ: ولیوں کے رہنما، پرہیزگاروں میں پرہیزگار، ظاہر اور باطن میں گم مخدوم عربی دیانہ رحمتہ اللہ علیہ ہالکنڈی میں رہتا تھا۔ ایک دن اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ اچانک چھت سے پانی بہتا ہوا آ کر چادر پر گرا۔ دل کا وہم دور کرنے کے لیے فوری طور پر چادر اتار کر خادم کو دی کہ اسے دریا پر جا کر دھوئے۔ خادم بہت پریشان ہوا کہ آدھی رات کو کہاں جاؤں گا؟ بہر حال پیر کا حکم بجالانے کے لیے اٹھا اور چادر اٹھا کر دریا کو روانہ ہوا۔ ابھی شہر چھوڑ کر باہر نکلا تھا کہ دیکھا کہ دوپہر کا وقت اور سخت گرمی ہے اور کافی لوگوں کی آمد ورفت ہے۔ دل میں تعجب کرتا ہوا دریا پر پہنچا اور چادر دھو کر واپس جانے لگا۔ جب پیر کی خدمت میں پہنچا تو دیکھتا ہے کہ وہاں پر وہی رات ہے اور ہر طرف اندھیرا ہے اور کہیں بھی روشنی کا نام ونشان نہیں ہے۔ مخدوم دھلی ہوئی چادر دیکھ کر بہت خوش ہوا اور خادم کو کہنے لگا کہ مجھ سے جو بھی مانگنا ہے مانگو۔ اس نے جواب دیا کہ آپ جو بھی دیں گے وہ قبول ہے۔ مخدوم نے کہا کہ پھر ہفتے کی رات بعد از نماز عشا صلوٰۃ غنا پڑھا کر و جس کی ہر رکعت میں فاتحہ اور آیت الکرسی کے بعد آٹھ مرتبہ ''انا اعطینا'' اور گیارہ مرتبہ ''سورہ اخلاص'' پڑھنا۔ مجھ پر خدا تعالیٰ نے جو کرم نوازی کی ہے اس نفل سے زیادہ اچھی چیز میں نے نہیں دیکھی۔۳۱۲

شعلہ: ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ہمت وسخاوت کے مالک، ذاتِ ازلی وابدی کے دوست، آزاد بندہ شیخ طلحہؒ جن کی قبر ٹھٹھہ شہر کے نزدیک مکلی پر واقع ہے اپنے دور کے عارف اور مشائخ، اور عابدوں کے عابد مرادؒ جس کی تربت بھی مکلی پر ہے، اس کے پاس آئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ پیر کس کو کہا جائے؟ پیر مراد نے ایک کونے میں نیم مردہ بلی پر نظر ڈالی اور اسے کہا کہ اٹھ تو فوراً وہ بلا آواز اٹھ کر چلنے لگی۔ اس کے بعد کہا کہ پیر اس کو کہتے ہیں۔ اب پیر مراد نے خود شیخ طلحہ سے پوچھا کہ شیخیت سے کیا مراد ہے یا شیخ کسے کہا جائے؟ یہ کہتے ہوئے ایک دکان پر بیٹھے ہوئے کافر کو لا کر مسجد کے منبر پر بٹھایا گیا تو وہ وعظ کرنے میں مشغول ہوگیا۔ کہنے لگے کہ شیخی اس کا نام ہے۔۳۱۴

شعلہ: ایک دن کوئی فقیر کسی ملاح کا مہمان ہوا۔ ملاح نے بیوی سے آ کر پوچھا کہ گھر میں کوئی چیز

ہے جو مہمان کو پیش کی جائے۔ عورت نے کہا نہیں کچھ بھی نہیں ہے ماسوائے ایک کشتی کے۔ ملاح کو دل میں بہت خیال آیا اور بیوی کو کہنے لگا کہ دوستوں کے لیے یہ کشتی بھی قربان کرتے ہیں۔

شعلہ: برگزیدہ بزرگ، عارفِ یگانہ، سلطانِ دین و دنیا، شیخ بھرکیو چکیو رحمتہ اللہ علیہ کا تیار کے متعلق کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ خود کو کس حساب سے ولی کہلاتا ہے کیونکہ جب خدا تعالیٰ ولیوں کو ولایت کی خلعتیں پہنا رہے تھے تو اس وقت وہ حاضر نہ تھا، پھر خود کو کیسے ولی سمجھتا ہے؟ جب شیخ بھرکیو نے یہ بات سنی تو کہنے لگا کہ اس لمحے جب خدا تعالیٰ ارواح پر ولایت کی نوازش کر رہے تھے تو سارا کام امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ میں اس وقت حاضر تھا اور وہ خلعتیں جو تم جیسوں کو ملی ہیں وہ میں نے تھامی ہوئی تھیں۔ میں تمھیں دیکھ رہا تھا لیکن تم مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے کیونکہ میں امیر المومنین امام المسلمین سلطان ملت مصطفوی، برہانِ الٰہی اور حجتِ نبوی علی رضی اللہ عنہ کی نورانی شعاع کے نیچے کھڑا تھا۔ ۳۱۹؎

شعلہ: سلطان التارکین، برہان المحققین، قطبِ دین و دولت شمع سنت مخدوم صدو لانگاہؒ جس کی قبر نصر یہ سومرو نامی گاؤں اور بھٹورہ پرگنہ میں ہے۔ ترکِ دنیا کے مقام پر پہنچے ہوئے تھے اور جو بھی چیز ان کے پاس بچ جاتی تھی وہ ہمیشہ دوسروں میں بانٹ دیتے تھے اتنا کہ رات کو مٹکے پانی سے خالی کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ''یوم جدید رزق جدید'' یعنی ''نیا دن نیا رزق۔'' ایک دن کسی آدمی نے بتایا کہ تمھارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے لہٰذا تمھارے بچے کیا کھائیں؟ اگر گھر میں کچھ بچائے رکھو تو بہتر ہے۔ آپ نے ان کو یہ حکایت سنائی۔ ۳۲۰؎

ایک بادشاہ نے دوسرے بادشاہ پر لشکر کشی کی تاکہ اس کا ملک فتح کر سکے۔ اس بادشاہ نے اپنے جاسوس بھیجے تاکہ اس حملے اور لشکر کی خبر رکھیں۔ وہ جاسوس جلد لوٹے اور آ کر بادشاہ کو سنایا کہ واقعی لشکر آ رہا ہے۔ بادشاہ فکر مند ہوا اور جاسوس بلوائے اور اپنے دوسرے لوگوں کو ان جاسوسوں کی جاسوسی کے لیے بھیجا کہ دیکھو اگر وہ خود آرام کی نیند سو رہے ہیں تو پھر جھوٹ بولتے ہیں اور اگر وہ خود بے آرام اور پریشان ہیں تو جاننا کہ سچی خبر دی ہے۔ بادشاہ کے بھیجے ہوئے لوگ گئے اور دیکھا کہ وہ جاسوس بہت مزے کی نیند سوئے ہوئے ہیں اور اُنھیں کسی بھی قسم کی کوئی پریشانی نہیں۔ واپس آ کر انھوں نے بادشاہ کو یہ حقیقت سنائی۔

یہ حکایت بیان کر کے مخدوم صدو لانگاہ کہنے لگے کہ ہم خود جاسوس ہیں۔ علم پڑھا ہے۔ اگر ہم خود آرام سے سوئے ہوں گے اور اس دنیا کو قبول کریں گے تو دوسرے بھی اس طرح عمل کریں گے اس لیے بہتر ہے کہ اس دنیا سے ذرّہ بھی قبول نہ کریں تاکہ دوسروں کے لیے ایسی مثال قائم ہو۔

شعلہ: ایک فقیر نے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ اتنی مخلوق، سخا اور سعادت کے سورج، عشق خدا میں جلے اور پکے ہوئے حضرت شیخ پٹھہ رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے جاتی ہے۔ پتہ نہیں کیوں شیخ نے خود کو ایسی باتوں کے لیے مشہور کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ جلد ہی اس فقیر نے خواب میں شیخ پٹھہ کو دیکھا، جس نے کہا اے فقیر خدا کی قسم! مجھے لوگوں کے آنے اور جانے کی کوئی خبر نہیں۔ میں ہر وقت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہتا ہوں۔ خدا تعالیٰ لوگوں کے کام ان کی نیت اور ارادے کی وجہ سے پورے کرتا ہے اور مجھے لوگوں کی مرادیں مکمل کرنے میں کوئی دخل نہیں۔ ۳۲۱

شعلہ: ایک شخص شیخ بھر کیو رحمتہ اللہ علیہ کا تیار کی خدمت میں آ کر عرض کرنے لگا کہ پتہ نہیں میری بیوی گم ہوگئی ہے یا گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے لیکن جو چھوٹے بچے ہیں وہ بہت رو رہے ہیں۔ خدا کے واسطے دعا کرو کہ مجھے بیوی مل جائے۔ یہ سن کر شیخ نے فوراً اپنے خادم کو حکم دیا کہ جاؤ اور اِس کی عورت کو لے آؤ۔ خادم جلدی میں اٹھا اور دروازے سے باہر پہنچ کر سوچنے لگا کہ کہاں جاؤں؟ شیخ نے کہا آگے جاؤ۔ آخر شیخ کا حکم مان کر آگے بڑھا۔ جیسے آگے بڑھتا گیا تو اچانک زمین دھنسنے لگی۔ ایسے لگ رہا تھا کہ گویا زمین میں اندر جا رہا ہے۔ آخر زمین کے اندر چلا گیا اور وہاں سیڑھی کے ذریعے نیچے پہنچ گیا۔ وہاں دیکھا کہ شاہی خیمے لگے ہوئے ہیں اور قیمتی فرش بچھائے ہوئے ہیں اور نزدیک والے خیمے کے اندر کچھ مرد اور عورتیں جیسے قید میں بند پڑے ہیں بلکہ ان کے ہاتھ اور پاؤں چوروں کی طرح باندھے ہوئے ہیں۔ ۳۲۲

یہ خادم اس بزرگ کے سامنے گیا اور عرض کرنے لگا کہ شیخ نے جس کام کے لیے مجھے یہاں بھیجا ہے وہ کام کر کے دو۔ وہ بزرگ کہنے لگا کہ وہ ہمارا اندرانہ ہے جو اس شخص نے خود دینا تھا لیکن بعد میں اس وعدے سے مکر گیا۔ خادم تے وہ جواب لے کر مکمل روداد آ کر شیخ بھر کیو کو سنائی۔ یہ سن کر شیخ اپنی جگہ سے اٹھے اور اس شخص کو ہاتھ سے لے کر اس بزرگ کی خدمت میں آئے۔ شیخ عرض کرنے لگا کہ اس کی عورت اسے واپس لوٹا دو۔ ایسا دو مرتبہ کہا لیکن بزرگ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ منہ بھی پھیر دیتے تھے۔ آخر شیخ بزرگ کی اجازت کے بغیر اس شخص کو لے کر اس خیمے کی طرف آئے جہاں اس کی عورت قید تھی۔ اس کو کہا کہ اپنی عورت کو پہچان اور اس کو باہر لے آؤ۔ جب شیخ اور وہ شخص اپنی عورت کے ہمراہ باہر نکل کر روانہ ہوئے تو مریدوں نے اپنے بزرگ کو کہا کہ یہ عورت کو بغیر اجازت لے جا رہے ہیں جس پر اس بزرگ نے کہا کہ یہ مجذوب خدا ہے اور اس کی محبت میں غرق ہے۔ اگر وہ سب کو آزاد کرا کے لے جاتا تب بھی میں اسے کچھ نہ کہتا۔ کہتے ہیں کہ وہ برگزیدہ بزرگ حضرت غوث الثقلین برہان المحققین عارف ربانی میراں محی الدین عبدالقادر جیلانی تھا۔ ۳۲۳

شعلہ: ایک مرتبہ کسی شخص نے وقت کے ولی اور بزرگ صابو سومرو جو بھورہ پرگنہ کے گاؤں ہٹڑی کا رہنے والا تھا سے کسی نے پوچھا کہ کچھ اولیا بظاہر آرام کی نیند میں سوئے ہوئے نظر آتے ہیں جب کہ دوسرے نماز روزے اور ورد وظائف میں مشغول رہتے ہیں تم ان دونوں کو کس طرح سمجھتے ہو؟ جواب دیا کہ اس کی مثال اس طرح ہے جب چھوٹے بچے ڈور سے لٹو کو زمین پر پھینکتے ہیں تو وہ ایسے زور سے زمین پر گھومنے لگتا ہے کہ گویا ایک جگہ ٹھہر گیا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ لٹو کھڑا ہے۔ یہ مثال ان سوئے ہوئے بزرگوں کی ہے۔ جب تھوڑی دیر کے بعد وہ لٹو آہستہ پھرنے لگتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ گول پھر رہا ہے یہ مثال عابدوں کی ہے۔

شعلہ: برگزیدہ بزرگ عارفِ یگانہ شیخ ابراہیم جو حظیرۃ القدس میں فائز شیخ ریحان جنگلی کی اولاد تھے اور جس کی رہائش نیرن کوٹ کے قریہ رکن پور میں تھی ایک دن جگر گوشہ نبی کریم، خفی اور جلی میں مشغول بزرگ میراں سید علی شیرازی ٹھٹھوی کے پاس آئے۔ اس وقت اُن کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ جب سید علی شیرازی سے ہاتھ ملایا تو سید علی نے کہا کہ تم بھی ہاتھ میں تسبیح رکھتے ہو۔ جواب دیا کہ جب گھوڑا کمزور اور ضعیف ہو جائے تو پھر چھڑی اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن تازہ دم گھوڑا ابھی چھڑی کے ساتھ اچھا لگتا ہے یہ سن کر سید علی خاموش ہو گئے اور مزید کچھ نہ بولے۔ ۳۲۴

شعلہ: درویش بے خویش صاحبِ عزت و ورع یعقوب پلیجو ستیار پرگنہ کے نارو گاؤں کے رہنے والے کی بابت کہتے ہیں کہ ایک سال تک کمایا نہ کھایا۔ تب بھی جسم بھاری بھرکم تھا۔ ایک دن مرید سے کہا کہ روٹی لے آؤ کھائیں۔ روٹی کھا کر مرید کو کہا کہ آج کے بعد آدھے پاؤ کی روٹی پکایا کرو۔ مرید ایسا کرنے لگا اور کئی دنوں تک یہ معمول رہا۔ ایک دن مرید نے اسی طرح روٹی پیش کی تو کچھ حصہ روٹی کھا کر بچا ہوا حصہ مرید کو دیا تا کہ زنبیل میں محفوظ کر کے رکھ دے۔ کہتے ہیں کہ مرید نے چھ مہینے تک روٹی کا وہ ٹکڑا اسنبھال کر رکھا لیکن ایک دن جب اسے زیادہ بھوک لگی تو خود ہی کھالی۔ اچانک ایک دن درویش نے مرید سے وہ باسی ٹکڑا طلب کیا۔ مرید غریب بہت پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ ایک دن بہت بھوکا تھا تو میں نے وہ کھالیا۔ درویش اسے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ پھر تمہارے اور چور کے درمیان کیا فرق ہے؟ وہ بغیر اجازت لوگوں کی چیزیں لے جاتے ہیں اور تم نے بھی بغیر اجازت روٹی کھالی ہے۔

شعلہ: زمانے کا عارف اور وقت کا مخدوم میراں سید علی شیرازی ایک دن اپنے پیر مرشد قبلہ آچر ٹھٹھوی کے پاؤں دبا رہا تھا۔ اتفاقاً درویش عبدالحلیم مجذوب جو دادو درویش کے گاؤں میں مدفون ہے وہاں سے

گزرے اور سید علی شیرازی کو اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے کہ یہاں اس طرح رہتے ہو اور وہاں دوسری طرح!۳۲۶

درویش آچر ٹھٹھوی یہ سن کر کہنے لگے کہ دوسرے زیادہ میں کم اور یہ کم میں بھی کم ہے۔ درویش عبدالحلیم نے جب یہ جواب سنا تو وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ادھر سید علی نے اپنے مرشد آچر سے پوچھا کہ عبدالحلیم کے کہنے کا پتہ نہیں کیا مطلب تھا اور آپ نے نہ جانے کون سا جواب دیا؟

درویش نے کہا کہ اس کا اشارہ تھا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واسلم کے حضور میں ہر قسم کی خدمت بجا لاتا ہوں لیکن یہاں ایک سید زادے سے خدمت لیتا ہوں۔ اس بات پر میں نے اسے جواب دیا کہ کچھ ایسے لوگ ہیں جو ہمیشہ اپنے لیے دوسروں سے زیادہ نفع کی طلب رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اکثریت میں ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو دوسروں کو خود سے زیادہ نفع دینا پسند کرتے ہیں ایسے لوگ کم ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں کہ دوسروں کے نفع کی خاطر اپنا نقصان کرتے ہیں ایسے لوگ بالکل ہی کم ہیں۔ ۳۲۷

شعلہ: ایک درویش بہرام پور پرگنہ کے ایک چھوٹے گاؤں میں رہتا تھا۔ اس گاؤں کے کھیتوں میں چوہے بہت نقصان کرتے تھے۔ درویش وہاں کے لوگوں کو پتھروں پر ''الحمد'' پڑھ کر دیتے تھے۔ لوگ وہ پتھر جا کر کھیت میں رکھتے تھے تو چوہے مر جاتے تھے۔ آخر اس درویش نے اس جہان سے کوچ کیا تو لوگ آ کر اس کے بیٹے کو عرض کرنے لگے۔ اس نے بھی لوگوں کو پتھروں پر سورۃ ''فاتحہ'' پڑھ کر دی تاکہ جا کر کھیت میں رکھیں لیکن اس مرتبہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ واپس آ کر حقیقت سے آگاہ کیا تو کہنے لگے کہ میرا والد سورۃ ''الحمد'' پڑھ کر دم کرتا تھا میں نے بھی ایسا ہی کیا لیکن میرے باپ کی برکت عیاں تھی اور وہ برکت اس کے ساتھ ختم ہو گئی۔ مجھے اس سے زیادہ کوئی خبر نہیں۔ ۳۲۸

شعلہ: حضرت صاحب نے ذکر کیا کہ ایک مرتبہ میں اور میرن کا تیار مل کر مخدوم نوح رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں ہندستان کا ایک درویش بھی آ ملا۔ چلتے چلتے ہم ایسی جگہ پہنچے کہ ہمارے سامنے دریا بہہ رہا تھا۔ ملاح دریا کے اس پار تھا۔ یہ دیکھ کر میرن کا تیار نے شاہی چوب داروں کی طرح آواز دینی شروع کی۔ اس درویش کو یہ بات پسند نہ آئی اور کہنے لگا کہ میں نے سمجھا کہ تم خدا کے طالب ہو لیکن اب پتہ چلا ہے کہ کسی دوسرے گروہ سے ہو۔ اگر ہمیں اسی جگہ پر تین دن گزر جاتے تو بھی کیا ہوتا لیکن ایک لحہ انتظار کرنے کے بجائے شاہی چوب داروں کی طرح ملاح کو پکارنا شروع کر دیا۔ یہ کہتے ہوئے وہ چلا گیا۔ ۳۲۹

شعلہ: کوئی دو فقیر بڑے شوق ومحبت کے ساتھ خدا کے متعلق خبریں کرتے رہتے تھے اور اپنے مرشد

سے بھی اس سلسلے میں پوچھتے رہتے تھے۔ ان میں سے ایک کے پاس نوکر تھا۔ ایک دن دیکھا کہ وہ فقیر آگے ہے اور پیچھے نوکر اس کا کوزہ اٹھائے ہوئے آرہا ہے۔ پیر کو جب یہ خبر ہوئی تو کہا کہ اس فقیر نے خود کو ضائع کیا کیونکہ وہ طلبِ خدا سے دور ہے۔ جو بھی اپنے پاس خادم نہیں رکھتا بلکہ خود کو خادم سمجھتا ہے وہی خدا سے واصل ہوسکتا ہے۔

شعلہ: ایک مرتبہ سالارِ بزرگان، واقفِ اسرار اور مقبولِ ابرار مخدوم نجیم جو سیوہن کے نزدیک ریل نامی گاؤں میں رہتا تھا۔ زمانے کے عارف اور بزرگ، مخدوم نوح رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ کہنے لگے کہ مخدوم کس کام میں مشغول ہیں؟ کوئی جواب موصول نہیں ہوا پھر آواز بلند کی اور وہی سوال دہرایا۔ مخدوم صاحب نے گردن اوپر اٹھا کر جواب دیا کہ کچھ نہیں اور اسی دم یہ آیت پڑھی۔

"واللہ خلقکم وما تعملون" (۳۷ - ۹۶)

یعنی "اللہ نے تمھیں بھی پیدا کیا ہے اور جو تم کرتے ہو۔" جب یہ آیت سنی تو پھر علیحدہ ہو کر بیٹھ گئے۔

شعلہ: ایک مرتبہ عارف ربانی، فانی فی اللہ باقی باللہ مخدوم نوح رحمتہ اللہ علیہ ٹھٹھہ تشریف فرما ہوئے۔ وہاں کے مولوی لوگ یہ سن کر جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے کہ مخدوم قرآن شریف کی نہ سنی ہوئی یا نئی معانی کرتا ہے۔ یہ سوچ کر تمام کے تمام اس کے پاس آئے اور آکر یہ مسئلہ پیش کیا اور انتظار کرنے لگے کہ کیا کہتا ہے۔ مخدوم صاحب نے قرآن کی ایک آیت پڑھی اور اس کے معانی بتانا شروع کیے تو وہ سب کے سب حیران رہ گئے اور توبہ کی۔ وہاں پر ایک بیٹھے ہوئے مرید نے کہا کہ جب مخدوم صاحب نے قرآن کے معانی بیان کیے تو میں نے تسبیح کے دانے پھرانے شروع کیے۔ ایک معنی پر ایک دانہ پھیر رہا تھا۔ جب آپ نے معانی اس طرح ختم کیے تو میں نے تسبیح کے دانے گنے تو اسی ہوئے۔ ۳۳۰

شعلہ: ایک دن کئی طالب علم وقت کے شیخ عارفِ یگانہ، عاملِ تحقیق و صاحبِ صدق، قاضی قادن در بیلائی کے پاس آئے۔ کہنے لگے ہم نے سنا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ میں خدا کو آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور دوسروں کو بھی دکھا سکتا ہوں۔ اگر یہ سچ ہے تو ہمیں بھی دکھائیں۔ قاضی قادن نے کہا کہ بہتر۔ ان سب کو ایک حجرے میں بٹھا کر خود اندر آئے اور ان سب کے لیے کئی اقسام کے طعام خاص طور پر گوشت کا کافی بندوبست کیا۔ یہ سب کچھ ان کے سامنے حاضر کیا وہ کھا کر خوش ہوئے لیکن ان کے لیے آخر تک پانی نہ لایا گیا۔ گوشت کھانے کے بعد انھوں نے پانی کے لیے بہت کہا لیکن اُنھیں ہر مرتبہ ٹالتا رہا کہ کچھ ٹھہرو۔ ادھر قاضی قادن دروازے بند کر کے چلا گیا۔ یہ سب آخر تک پانی پانی کر کے گھٹنوں میں سر ڈال کر بیٹھ گئے جیسا کہ مراقبہ کر

رہے ہوں اور اسی حالت میں وہ جیسے نیند میں پڑ گئے ہوں۔صبح کو قاضی قادن نے دروازہ کھولا تو وہ سب ان پر غصہ نکالنے لگے اور کہنے لگے کہ ہمیں آپ سے یہ امید نہ تھی۔۳۳۲ے

اس پر قاضی قادن نے کہا کہ تم نے نیند میں کچھ دیکھا۔ایک گروہ نے کہا کہ اُنھوں نے خود کو پانی کے کنویں میں دیکھا۔دوسروں نے کہا کہ ہم نے خود کو دریا میں غوطہ کھاتے ہوئے دیکھا جہاں ہم خوب پانی پی رہے تھے۔یہ سن کر قاضی قادن اُنھیں مخاطب ہوکر کہنے لگے کہ فقط ایک رات تم نے سچائی کے ساتھ تمام باتیں بھول کر پانی کی طلب کی تو تمھیں نیند میں بھی پانی نصیب ہوا اس لیے جو لوگ خدا کو سالہا سال محبت کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور اس کی طلب میں تکالیف اٹھاتے ہیں وہ اسے کیوں کر نہ دیکھ سکیں گے؟ یہ سن کر وہ طالب علم بہت شرمندہ ہوئے اور کچھ بولے بغیر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

شعلہ: قاضی قادن اپنے وقت کا جیّد عالم اور عقل مند و صاحبِ فہم انسان تھا۔اس کا تعلق بکّھر پرگنہ کے درٻیلہ شہر سے تھا۔ایک دن اس نے سنا کہ کوئی ملامتی درویش مسجد کے محراب میں ظاہر ہوکر قبلے کی طرف پاؤں کر کے سو گیا ہے۔سو درہ اٹھا کر وہاں پہنچا تا کہ اسے سبق سکھائے لیکن جب پاؤں کی طرف رک کر درّہ مارنا چاہا تو دیکھا کہ اس جگہ درویش کا سر ہے۔اس طرح دوبارہ کوشش کی تو سر کی جگہ پاؤں نظر آئے۔دوبارہ پاؤں کی طرف گیا تو سر نظر آیا۔اس طرح جب بھی پاؤں کی طرف گیا تو سر نظر آیا۔یہ صورت حال دیکھ کر بہت حیران و پریشان ہوا۔اتنے میں درویش نے قاضی کی طرف دیکھا اور کہا کہ پاؤں جس طرف چاہو اس طرف کر و لیکن اپنا دل سنبھال کر رکھو۔یہ سن کر قاضی نے درّہ نیچے رکھ دیا اور خدا کے طالبوں میں شامل ہو گئے اور اس وقت یہ شعر پڑھا۔

جوڳيءَ جاڳايوس، ستو هئس ننڊ ۾

تهان پوءِ ٿيوس، سندي پريان پيچري ۳۳۴ے

ترجمہ: ”ایک جوگی نے مجھے بیدار کیا ورنہ میں تو نیند میں تھا۔اس کے بعد ہی میں محبوب کے راستے پر چل پڑا ہوں۔“

شعلہ: حضرت نے فرمایا کہ بچپن میں میرا بڑا بھائی سید جلال اور میں ایک برتن میں کھاتے تھے۔اچانک ایک دن وہ برتن گم ہو گیا۔کوئی خبر نہ ہوئی کہ کون لے گیا؟ میرا بھائی اٹھا اور گھر سے باہر ڈھونڈنے لگا تو دیکھا کہ وہ درختوں میں لٹکا ہوا ہے۔ایک مرتبہ اور بھی اس طرح ہوا تب بھی میرا بڑا بھائی ڈھونڈ لایا۔آخر تک یہ خبر نہ ہوئی کہ ہمارا برتن کون اٹھا کے لے جاتا ہے؟ بظاہر اس طرح لگ رہا تھا کہ کوئی جن وغیرہ لے جاتا ہو۔۳۳۵ے

شعلہ: درویش بے خویش، متصرف اسرار ومتوکل ابرار بہاءالدین گودڑیہ کے لیے کہتے ہیں کہ شروع میں وہ ''جون'' میں رہنے والے عارف اور ولی موسیٰ کی خدمت میں رہتے تھے اور اُن سے ذکر کی تلقین حاصل کی تھی، بلکہ اُن کے خاص مریدوں میں بھی شامل تھے اور دوسرے مرید اس وجہ سے بڑی عزت کرتے تھے حتیٰ کہ جب اندر داخل ہوتے تھے تو سب اٹھ کر کھڑے ہوجاتے تھے اور جب رخصت ہوتے تھے تو بڑی تواضع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب بہاءالدین مخدوم نوح علیہ رحمتہ کی مجلس میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سارے مرید ذکر خدا میں مشغول ہیں اور کسی بھی آدمی کی دورانِ آمد ورفت پر کوئی تواضع نہیں کی جارہی تھی۔ یہ دیکھ کر دل میں کہنے لگے کہ اے بہاءالدین! تمھیں اپنی دلی تمنا اور مقصد یہیں حاصل ہوگا۔ اس کے بعد اپنے اصلی پیر ومرشد کو چھوڑ کر مخدوم نوح رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بڑی جفاکشی سے کام کیا۔ یہی سبب تھا کہ بعد میں وہ مخدوم نوح علیہ الرحمتہ کے بڑے خاص دوستوں میں شمار ہونے لگے۔

شعلہ: ایک شخص نے صاحبِ تعظیم وشرف، واقفِ اسرار شیخ بھرکیہ کاتیار کے پاس نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں بھینس دوں گا۔ کچھ عرصے کے بعد اس شخص کا وہ کام واقعی ہوگیا چنانچہ کسی خادم کو بھیجا کہ اس شخص سے بھینس لے آئے۔ وہ خادم اس شخص کے پاس سے بھینس لے آرہا تھا کہ راستے میں دریا عبور کرتے وقت ڈوبنے لگا۔ مرید نے ایسے وقت میں مرشد کو بہت یاد کیا لیکن پانی بہت گہرا تھا لہٰذا ڈوبنے لگا۔ آخر تنگ ہوکر شیخ کی بیٹی کے لیے گالیاں دینے لگا کہ اتنے میں ڈوبنے سے بچ گیا اور مع بھینس ساحل پر آیا۔ بھینس لیے ہوئے مرشد کے پاس پہنچا۔ شیخ بھرکیہ اسے زندہ دیکھ کر کہنے لگے کہ دریا سے زورِ بازو خود کر رہے تھے اور گالیاں ہمیں دے رہے تھے۔ مرید یہ سن کر دل میں شرمندہ ہوا اور توبہ تائب بھی۔ ۳۳۶ے

شعلہ: ایک دن درویش پلی سمیجو سانگرہ دریا کے کنارے مچھلی پکڑنے کے خیال سے جال ہاتھ میں لیے ہوئے بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جال کو اس نے پانی میں پھینکا اور انتظار کرنے لگا کہ کوئی مچھلی پھنسے لیکن کافی دیر بعد کوئی مچھلی نہ پھنسی۔ آخر خدا کو مخاطب ہوکر کہنے لگا کہ دو یا لو۔ ابھی وہیں پر کھڑا تھا کہ ان کے پاؤں سے دریا کا کنارہ آہستہ آہستہ سرکنے لگا۔ خوف کے مارے پیچھے ہٹا اور کہنے لگا کہ عجب ہے کہ دینا دشوار اور لینا آسان لگتا ہے۔ ۳۳۷ے

شعلہ: حظیرہ قدس کا ساکن سلطان روح مخدوم نوح رحمتہ اللہ علیہ ہالکنڈی والے فرماتے تھے کہ فقط پانچ نوالے کھانے چاہئیں، لیکن ان میں سے بھی دو ہم نے خدا واسطے چھوڑ دیئے اور باقی تین کھاتے ہیں۔

شعلہ: حضرت نے فرمایا کہ خدا کے برگزیدہ بندے درویش احمد رونجھے کی ایک دن مجھ سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ میرے فرزندوں کے لیے دعا مانگو کہ خدا اُنھیں رزق میں کشادگی دے۔ میں نے اُنھیں

جواب دیا کہ میں وہ دعا مانگوں گا جو اپنے بیٹوں کے لیے مانگتا ہوں۔ پوچھنے لگے کہ وہ کون سی دعا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ یہ ہے کہ خداوندا! میرے بیٹوں کو ایک وقت کھانے کی قوت دے البتہ اُنھیں اپنی معرفت سے بھرپور حصہ بھی دے۔ درویش احمد کو کہا کہ میرے پاس یہ دُعا ہے اس کے سوا اور نہیں۔

شعلہ: مخدوم ساہڑ لنجار انڑ پور والے کا ایک مرید تھا جو ہمیشہ مرشد کے لیے کوزہ بھر کر رکھتا تھا۔ جب پیرومرشد نے وفات پائی تب بھی اس مرید نے یہ خدمت نہ چھوڑی بلکہ دوسرے لوگوں کے لیے کوزے بھر کر رکھتا تھا حتیٰ کہ وہ مرید خود مرشد ہو گیا لیکن پھر بھی یہ عادت ترک نہ کی۔ حضرت کو یہ بات بہت پسند تھی اور آپ اسے بار بار دہراتے تھے۔

شعلہ: حضرت نے فرمایا کہ ایک دن ہندوستان کے پرگنہ بہار کا ایک درویش جو ٹھٹھہ میں آیا ہوا تھا، میرے ساتھ تھا اور ہم کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ سماع ہو رہا تھا۔ سو ہم وہاں ٹھہر گئے۔ وہ درویش پوچھنے لگا کہ یہ لوگ ''ہمہ ہمہ'' کہہ رہے ہیں اس کا مطلب کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ اس کا مطلب ''ہمہ اوست'' ہے یعنی ''سب کچھ وہ خود ہے۔'' پھر پوچھا کہ ان میں سے کچھ ''اخ'' کہہ رہے ہیں اس کا مطلب کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ ''احد احد'' کہہ رہے ہیں۔ یہ سن کر گلے میں باندھا ہوا تعویذ اور منکے اتار کر پھینک دیئے اور خود بھی سماع کرنے میں مشغول ہو گیا۔ ۳۳۸ے

باب ہفتم

تصرّفات کے بیان میں

زمانے کے قطب، فانی فی اللہ باقی باللہ، یعنی حضرت سید عبدالکریم قدس سرہ کے تصرفات، خوارق عادات، کرامات اور برکات کا بیان پیشِ خدمت ہے۔ اس باب کی شروعات اور اختتام دو فصلوں پر مشتمل ہے، پہلی فصل میں تصرّفات اور دوسری فصل میں خوارقِ عادات اور کرامات ہیں۔ ۳۳۹ے

فصلِ اول

تصرّفات

جاننا چاہیے کہ اس سلسلے میں حضرت صاحب کے مخفی اور عیاں تصرّفات بہت زیادہ ہیں۔ ان کے مریدوں کا شمار نہیں کیا جاسکتا اور ہمیں پتہ نہیں کہ کتنے مرید ہیں جنھیں ظاہر ذکر سے نوازا گیا اور دوسرے وہ کتنے ہیں جن کو باطنی فیض پہنچایا۔

پھر پتہ نہیں کہ کتنے فقرا کو ان کے تصرّف کا حصول ہوا اور کتنے شفقت اور عنایت سے نوازے گئے؟ مطلب یہ کہ عقل کو وہ قوت نہیں کہ قدرت کے ان چھپے ہوئے بھیدوں کو عیاں کر سکے۔ اس طرح فکر کے ذریعے ان کا اظہار اور سمجھانا بھی مشکل ہے۔ اس کی وجہ سے میں نے اختصار سے کام لیا ہے اور صرف چند باتیں جو تصرف کے صاحبان سے سنی ہیں وہ لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

اللھم ثبتنا مع جمیع المؤمنین علیٰ صراط المستقیم.

منقول ہے کہ ایک دن حضرت صاحب ٹھٹھہ شہر میں اپنی خانقاہ پر کھانا کھا رہے تھے۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو بچا ہوا کھانا مریدوں میں بانٹنے کے لیے کہا۔ کہتے ہیں کہ وہاں بیٹھے ہوئے مریدوں نے کھانا نہ کھایا لیکن وہاں آئے ہوئے ایک سوداگر نے وہ تمام کھانا کھالیا۔ کھانے کی دیر تھی کہ سوداگر واصل باللہ ہوگیا اور صفتِ مجذوبی اختیار کر لی بلکہ غیب کی خبریں دینے لگا۔ جب یہ خبر سوداگر کے ضعیف ماں باپ کو ہوئی تو وہ بہت پریشان ہوئے اور تکلیف اٹھا کر حضرت صاحب کی خدمت میں آ پہنچے۔ حضرت صاحب نے اُنھیں لاچار اور مجبور دیکھ کر دعا کی کہ ان کا بیٹا اصلی حالت میں آجائے۔ آخر ایسا ہی ہوا اور وہ سوداگر اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔ ۴۰؎

منقول ہے کہ ایک مرید نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نے تیار ہو کر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے ٹھٹھہ جانے کی تیاری کی۔ جب آپ کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ آپ حجرے کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ مجھے تنہا دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ رخصت ہوتے وقت کہنے لگے کہ جب بھی کوئی شخص اپنے پیر کی حاضری کے لیے آتا ہے تو اس کا آنا کبھی بھی خالی نہیں جاتا۔ یقین کیجیے کہ ہر مرتبہ اگر جو کے دانے کے برابر فائدہ ہو تب بھی وہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ ایک دم سب کچھ مل جائے کیونکہ جو آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا ملتا ہے وہ دیرپا اور مستقل ہے۔ وہ ختم نہیں ہوتا۔ مرید کا کہنا ہے کہ میں جب گاؤں لوٹ آیا تو مجھے واقعی اس بات کی اہمیت کا احساس ہوا اور اس کے بعد میں نے خود پر وہ روش لازم کر دی۔

منقول ہے کہ ایک مخلص نے سنایا کہ ایک دن میں ٹھٹھہ شہر سے تیار ہو کر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضری کے لیے گیا۔ جب ان کے گاؤں پہنچا تو آپ کسی دوسرے گاؤں گئے ہوئے تھے۔ میں نے اس طرف کا رخ کیا۔ یہ شام کا وقت تھا۔ راستے میں ایک دشوار راستے پر آ کر پھنس گیا کہ ہر طرف جنگل ہی جنگل تھا اور راستے میں رات ہو گئی۔ چلتے ہوئے پانی کی ایک بڑی جھیل میں پھنس گیا اور نکلنے کی کوئی تدبیر نظر نہیں آ رہی تھی۔ سوچا کہ اب بچنا مشکل ہے۔ اچانک آواز سنی کہ راستہ اس طرف ہے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ آواز یقیناً حضرت صاحب کی ہے۔ میں نے جب اس طرف چلنا شروع کیا تو واقعی کچھ دیر کے بعد اس مصیبت سے نجات مل گئی۔ کچھ فاصلہ ابھی طے کیا تھا کہ اچانک روشنی کی کرنیں نظر آئیں سو کسی بھی طریقے سے وہاں پہنچا۔ وہاں مجھے بھوک نے بھی تنگ کیا۔ آخر کار آدھی رات کو آ کر حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت آپ کے سامنے دودھ اور چیوڑہ تیار رکھے تھے جو اٹھا کر مجھے دیئے اور فرمانے لگے کہ اتنی مشقت کرنے اور خود کو مصیبت میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے عرض کی کہ آپ درست کہتے ہیں۔ پھر کہنے لگے کہ جب تک مرید خود کو پروانے کی طرح ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار نہیں کرتا تب تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا۔ وہ شب وہاں گذار کر صبح کو روانہ ہوئے تو آپ بھی ٹھٹھہ شہر چلنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ میں بھی ساتھ چلنے لگا۔ راستے میں مسافت کی تھکاوٹ کی وجہ سے کئی مرتبہ میری حالت خراب ہو گئی۔ خستہ حالت دیکھ کر کہنے لگے کہ گھوڑی کی زین کو پکڑ کر چل۔ میں نے جب ایسا کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ کوئی غیبی قوت مجھے سہارا دے رہی تھی اور میں اس کے تصرف میں تھا جس کو بیان کرنا میری قوت سے باہر ہے۔ ۳۴۱

کافی عرصہ گزرنے کے بعد میں نے ایک دن حضرت صاحب سے پوچھا کہ تجلی کسے کہتے ہیں؟ فرمانے لگے کہ زبان سے اس کا بیان مشکل ہے، البتہ دل کو اس کی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد مجھے بڑی راز کی باتیں اور نکتے سنائے جن کا میرے دل پر بہت زیادہ اثر ہوا اور جب میں آپ سے رخصت ہو کر اپنے گاؤں آیا تو میرے دل میں تصرف اور عشق الٰہی کی چنگاری ہر وقت محسوس ہونے لگی۔ ۳۴۲

منقول ہے کہ درویش عبداللطیف بھی ایک مرتبہ حضرت صاحب کی مجلس میں آئے تو ان کے دل پر ذکرِ الٰہی کا غلبہ ہو گیا اور خود کو حضرت کے تصرف میں محسوس کیا۔ آخر اپنی زبان سے کہنے لگے کہ مجھے واقعی بہت زیادہ فائدہ ہوا۔

ایک مخلص نے کہا کہ مرض کی حالت ہوتے ہوئے بھی میں جب حضرت صاحب کی صحبت میں گیا تو کبھی بھی فائدے کے سوا نہ لوٹا بلکہ میں جب خدمت میں گیا تو میں نے خود پر آپ کا تصرف محسوس کیا۔ اس قدر کہ میں خود سے بے خبر ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ عیسو فقیر جو حضرت صاحب کے قریبی ساتھی تھے آپ کے پاس آ کر اپنے بیٹے کی شکایت کرنے لگے کہ وہ اکثر اوباش رہتا ہے کوئی کام وغیرہ نہیں کرتا۔ یہ سن کر آپ کہنے لگے کہ ان کی گائے گم ہوگئی تھی وہ ابھی ملی ہے اب کہیں نہیں جائے گا۔

ایک مرتبہ عیسو فقیر زیادہ بیمار ہوگئے تو آپ تیار ہو کر ان کی عیادت کے لیے نکلے۔ وہاں پہنچ کر کہا کہ ایک رسّی لاؤ جس سے فقیر کو باندھا جائے۔ کہتے ہیں کہ فقیر کو جب رسّی سے باندھا گیا تو وہ واصل باللہ ہو گیا اور اس کے بعد جو بھی آدمی ان کی عیادت کے لیے آ رہا تھا تو اسے کہنے لگے کہ حضرت صاحب کے پاس جاؤ جو تمھیں خدا سے ملا دیں گے۔ ۳۴۴

کہتے ہیں کہ جب عیسو فقیر مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو خود کو اٹھوا کر حضرت کے پاس پہنچے۔ آپ ان کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تمھیں تجرید اور تفرید دونوں حاصل ہوئے ابھی اور تمھیں کیا چاہیے؟

ایک مرتبہ وہی فقیر سر پر لکڑیاں اٹھائے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور جیسے حضرت نے اُس پر نظر شفقت ڈالی تو ان کی حالت غیر ہوگئی اور وہ سب کچھ حاصل ہو گیا جس کی تلاش میں تھا۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت کھانا کھا رہے تھے تو ایک فقیر آ گیا۔ آپ نے جو کچھ بھی بچایا تھا وہ اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس فقیر نے جونہی وہ کھانا کھا کر ختم کیا تو بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور پورے چھ مہینے بے خبر رہا۔ آخر کو کہیں ہوش میں آیا۔

منقول ہے کہ ایک شخص نصر پور کے گرد و نواح میں اپنی مونگ کی فصل میں کام کر رہا تھا اور حضرت اپنے گاؤں میں مقیم تھے۔ حکمِ الٰہی کا تقاضا ہوا کہ اس شخص کو وہاں پر تلقین اور ہدایت کریں۔ آخر ایسا ہی ہوا کہ وہ شخص وہاں پر ہی ذکر و فکر میں مشغول ہو گیا۔ ۳۴۵

ایک مرید سے منقول ہے کہ ابتدائی شباب کے دوران میں اپنے مویشی چرانے لے جایا کرتا تھا۔ میرے ماں باپ خوش حال تھے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی بندہ آیا اور مجھے کہہ رہا تھا کہ ہے کوئی جسے ہم ذکر کی تلقین کریں۔ میں نے کہا کہ میں حاضر ہوں۔ یہ عنایت مجھ پر کی جائے۔ فرمایا کہ دنیا کو ترک کرنا ہوگا اور توبہ کرو گے؟ عرض کی کہ میں تیار ہوں۔ اس کے بعد مجھے ذکر کی تلقین کی اور خود غائب ہو گئے۔ میں جب نیند سے بیدار ہوا تو محسوس کیا کہ واقعی میرا دل اللہ اللہ کہہ رہا تھا۔ فوری طور پر دنیا سے قطع تعلق کیا اور توبہ بھی کی۔ آخر ایک سال بعد جب حضرت کی خدمت میں آنا ہوا تو محسوس کیا کہ ذکر کی یہ تلقین حضرت نے کی تھی۔

ایک مرید سے منقول ہے کہ حضرت کی صحبت سے فیض یاب ہونے سے پہلے میں سید علی شیرازی پیر

مراداور عیسیٰ لنگوٹی کے مزاروں پر کئی مرتبہ چلّہ کشی کر چکا تھا تا کہ قلبی ذکر حاصل ہو۔ میں نے اس طرح کافی وقت گزارا لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی آخر کار ٹھٹھہ شہر لوٹ آیا جہاں ایک جگہ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ذکر میں مشغول تھے۔ پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ حضرت کے مرید ہیں۔ میں نے آپ کے متعلق پوچھا۔ معلوم ہوا کہ حجرے میں ہیں۔ میں حجرے میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر کہا کہ ان دوستوں کے ساتھ جا کر بیٹھ اور ذکر میں مشغول ہو جا۔ یہ الفاظ سن کر اسی وقت میرے قلب میں اللہ اللہ کا ذکر جاری ہو گیا اور اس کے بعد اٹھ کر ان دوستوں کے ہمراہ ذکر میں شامل ہو گیا۔ ۳۴۶

ایک کامل مرید سے منقول ہے کہ میں مسلسل تین راتیں حضرت کی خدمت میں تھا۔ ایک رات صبح صادق کے وقت میرے سر میں چکر آنے لگ گیا اور وہاں سے اٹھ کر دریا کے کنارے وضو کے لیے آ گیا۔ اتنے میں مجھ پر غشی طاری ہوگئی اور دیکھا کہ حضرت مجھے ایک انار اور مٹھائی دے رہے ہیں اور مزید کہہ رہے تھے کہ سترہ دن بعد مولانا محمد عالم کسی کی تعزیت کریں گے۔ میں جب بیدار ہوا تو کچھ دنوں کے بعد مجھے بیٹا عطا ہوا۔ میں نے سمجھا کہ انار سے یہ ہی مراد تھی۔ اس طرح سترہ دن بعد مولانا محمد عالم والی بات بھی درست ثابت ہوئی۔ مٹھائی کا اثر بھی خدائی حکم کے مطابق ظاہر ہوا کہ یہ آپ کے تصرف کی خاص نشانی تھی اور یہ ایسی نوازش تھی کہ مزید راز کا سبب تھی۔

منقول ہے کہ ایک مرید نے سنایا کہ ایک دن حضرت کا ایک خاص مرید مجھے آپ کی خدمت میں لے آیا اور آپ کو عرض کرنے لگا کہ قبلہ! اسے ذکر کی تلقین کریں۔ حضرت اس وقت اللہ اللہ کا ذکر فرما رہے تھے۔ مجھ پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ ذکر ہمیشہ کے لیے میرے دل میں بیٹھ گیا۔

فصلِ دوم

کرامات

حضرت کا مرتبہ کرامات سے بلند ہے۔ کچھ کرامات دوستوں نے بیان کی ہیں چنانچہ ان میں سے کچھ یہاں بیان کی جاتی ہیں۔ اگر چہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت کرامات کو مکروہ سمجھتے تھے اور اُنھیں چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ نے کرامات کو کبھی بھی اچھا نہ سمجھا اس لیے ان کا ظاہر ظہور بیان نہیں کرتے تھے اور یہی سبب ہے کہ کئی کرامات ہیں جن کی خبر نہیں ہے۔ بہر حال یہاں کچھ کرامات جو ٹھٹھہ والوں سے معلوم ہوئیں وہ لکھی جاتی ہیں۔ ۳۴۷

ایک سچے مرید سے منقول ہے کہ جب میں جوان تھا تو ایک دن اپنے استاد کے ساتھ جو مجھے قرآن پڑھاتا تھا، سید علی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ پر آیا۔ وہاں کئی بزرگ سماع میں مشغول تھے۔ جب کچھ دیر گزری تو میرے استاد نے مجھے کہا کہ تم نے اس شخص کو دیکھا جوان سب میں شیر کی طرح ہے دوسرے سب اس کے مطیع ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ مجھے کوئی بھی شیر نظر نہیں آتا۔ اس کے بعد حضرت کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ اِن کی طرف دیکھ۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم کا اوپر والا حصہ واقعی شیر کی طرح نظر آیا اور نچلا حصہ اپنی اصل صورت میں تھا۔ یہ حال دیکھ کر میں سخت حیران ہوا اور تعجب میں پڑ گیا۔ استاد سے پوچھا کہ کیا یہ شخص خود اسی شکل میں آیا ہے۔ جواب دیا کہ ہاں خود اسی شکل کو پسند کرتا ہے۔ یہ سن کر میرے ہوش وحواس اڑ گئے۔ اپنے گاؤں واپس آنے کے بعد کچھ سال اس پریشانی میں گزرے۔ آخر ایک دن جو بھی علم پڑھا تھا اور جو بھی کتابیں رکھی ہوئی تھیں، وہ ساری فروخت کر کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ۳۴۸

حضرت صاحب کے بچپن میں ایک مرتبہ آپ کا بڑا بھائی میاں سید جلال آپ کو اپنے کھیت میں نگہبانی کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد کسی شخص نے دیکھا کہ آپ اس جگہ پر نہیں ہیں۔ یہ حقیقت جا کر میاں جلال کو سنائی گئی جس نے دوسرے شخص کو بھیجا تا کہ جا کر حقیقت سے واقف ہو۔ وہ شخص جب کھیت میں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت صاحب والی جگہ پر ایک باز نگہبانی کر رہا تھا اور خود دور گوشہ نشین ہو کر عبادت کر رہے تھے۔

منقول ہے کہ مرزا غازی ترخان کے دور میں بگھاڑ اور اس کے گردونواح ایک مغل کی جاگیر تھے۔ وہ مغل اپنے قوتِ بازو میں مشہور تھا۔ حضرت کے فرزندوں کا مغلوں کے ساتھ ایسا جھگڑا ہو گیا، کہ مغلوں کے سرداروں کے سر پھٹ گئے اور شدید زخمی ہوئے بلکہ خون بہنے کی وجہ سے مرنے کی حالت کو پہنچے۔ اس وجہ سے

سب سادات کو قید کر کے سزا کے طور پر سخت دھوپ میں بٹھا دیا۔ یہ خبر جب حضرت کو ہوئی تو میاں عماد اور دوسرے بزرگوں کو لے کر منت کے لیے مغلوں کے پاس آئے لیکن مغلوں نے کچھ ماننے سے انکار کر دیا۔ آخر مغلوں نے یہ شرائط رکھیں کہ تم سب تحریری طور پر لکھ کر دو کہ اگر زخمی شخص مر گیا تو تم اس کی ضمانت میں رہو گے۔ یہ بات سن کر وہ بزرگ سوچ میں پڑ گئے لیکن حضرت نے فرمایا کہ اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے، ہم لکھ کر دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ خیر کرے گا۔ اس کے بعد جا کر سادات کو آزادی ملی۔ اس پورے عرصے کے دوران مغلوں میں سے ایک شخص عریاں تلوار لے کر گھوم رہا تھا اور بار بار تلوار حضرت پر وار کی طرح اٹھا رہا تھا لیکن آپ اسے دیکھ کر مسکراتے رہے۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت صاحب گھر پہنچے تو وہ شخص جو شدید زخمی تھا وہ تو بچ گیا البتہ جو تلوار اٹھا کر حضرت پر آ رہا تھا اس کے منہ اور پیٹ سے خون بہنے لگا۔ یہ حالت دیکھ کر اس شخص کی بیوی اور اس کے عزیز و اقارب حضرت کی خدمت میں آئے اور گلے میں کپڑا ڈال کر حضرت کے پاؤں پر گر پڑے کہ ہمیں معافی دیں اور ہمارے لیے دعا کریں۔ آپ فرمانے لگے کہ ہمیں کوئی خبر نہیں ہے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شخص مر گیا اور اس کی بیوی حضرت کے پاس آ کر عرض کرنے لگی کہ مجھے اپنے بیٹے کے حوالے کر دو لیکن آپ نے یہ قبول نہ کیا۔ اب اس شخص کی قبر حضرت کے مقبرے سے باہر احاطے میں ہے۔ ۳۴۹

منقول ہے کہ مرزا جانی بیگ کے وقت میں ان کے ایک عزیز صالح محمد کو جھاں کا علاقہ جاگیر میں ملا ہوا تھا۔ حضرت کی زمین بھی اس علاقے میں تھی۔ اتفاقاً حضرت صاحب کے فرزند سے اس شخص کی گیہوں کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا اور صورتحال لاٹھیاں اٹھانے پر جا پہنچی۔ یہ خبر جب حضرت کو پہنچی تو آپ اس وقت خلوت کے عالم میں اور انتہائی شوق و محبت کے عالم میں تھے لیکن یہ بات سن کر آپ سخت غصّے میں باہر نکل آئے۔ آپ کے غصّے کا یہ عالم تھا کہ باہر نکلتے ہی جیسے آپ کی نظر حجرے سے باہر کھڑے درخت پر پڑی، تو اس کو آگ لگ گئی بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جیسے ہی آپ نے اس درخت کو دیکھا تو اس سے آگ کا ایک شعلہ بلند ہوا اور اس کے بعد درخت جل گیا جو آج تک جلی ہوئی حالت میں موجود ہے۔ ۳۵۰

کہتے ہیں کہ اسی حالت میں اس جگہ جا رہے تھے جہاں آپ کے فرزندوں نے جھگڑا کیا تھا تو راستے میں ایک گھڑ سوار ملا۔ آپ اُس سے گھوڑا لے کر اس پر سوار ہوئے تاکہ وہاں جلد پہنچیں لیکن کچھ فاصلے کے بعد ایک مرید ملا جس نے عرض کی کہ سائیں آپ کے وہاں پہنچنے سے معاملہ زیادہ خراب ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر آپ گھوڑے سے اترے اور غصّے کو پینے کی خاطر زمین پر بیٹھ گئے۔ اس طرح آگے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ادھر جاگیردار نے ٹھٹھ شہر پہنچ کر مرزا جانی کو فریاد کی۔ آپ کو جب یہ خبر ہوئی تو اپنے لوگوں سے کہا کہ

اب ساری فصل کاٹ لو بلکہ دوسرے بہت سے لوگ جنھیں جاگیردار حصہ نہیں دے رہے تھے وہ بھی فصل کی کٹائی کو لگ گئے۔ آخر مرزا جانی کا آدمی ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو مرزا نے طلب کیا ہے۔ آپ ٹھٹھہ شہر میں وارد ہونے سے پہلے سید جلال بن علی شیرازی کے پاس آئے۔ آپ نے اُنھیں بہت زور دے کر کہا کہ ہمارے ساتھ چلو تا کہ معاملہ خیر وخوبی سے رفع دفع ہو جائے لیکن وہ مرزا کے خوف کے سبب نہ چلا۔ آخر خدا کیلیے خدا پر توکل کر کے پیوند لگے ہوئے لباس میں مرزا کے سامنے آ کر پیش ہوئے۔ مرزا نے جاگیردار کو مخاطب ہو کر کہا کہ تم سے کس نے زیادتی کی ہے۔ اس نے حضرت کی طرف اشارہ کیا جس پر مرزا نے کہا کہ کیا اس گودڑی پوش فقیر نے تمھیں تنگ کیا ہے۔ یہ سن کر اس شخص پر ایک ہیبت طاری ہو گئی اور کہنے لگا نہیں اس شخص کے فرزندوں نے مجھے تنگ کیا ہے۔ ۳۵۱ھ

مرزا جانی بیگ کہنے لگا کہ میں اس کے بیٹوں کو بلاتا ہوں لیکن کہتے ہیں کہ آخر تک مرزا کو حضرت کے فرزندوں کو بلانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ آخر کار معاملہ ایسے ہی ختم ہو گیا۔

ایک مرید سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت صاحب گھر سے نکل کر کہیں جارہے تھے، راستے میں جاتے ہوئے میری بھی آپ سے ملاقات ہوئی۔ مجھے یہ خبر بالکل نہ تھی کہ کس طرف جارہے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہوئے کہا کہ تم نے اپنے ساتھ کوزہ کیوں نہیں اٹھایا ہے کیونکہ بظاہر اس کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ بہر حال میں نے محسوس کیا کہ حضرت صاحب راستے میں کانٹوں کا خیال نہیں کر رہے تھے اور تیزی کے ساتھ جارہے تھے اور میں آپ کو پہنچ نہیں سکتا تھا۔ یہ سوچ کر میرے دل میں خیال آیا کہ اگر آپ اڑنے لگیں تو بہتر، کیونکہ ویسے بھی پیر کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اچانک میری طرف دیکھ کر کہنے لگے کہ ہمارے لیے اڑنا آسان بات ہے لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک محنت ومشقت اور تکالیف برداشت کرنا اور زمین پر چلنا زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ تنہائی میں اپنے حجرے میں بیٹھے تھے۔ وہاں صرف ایک مرید موجود تھا۔ کچھ دیر بعد اس مرید نے دیکھا کہ حضرت صاحب دنیا سے کوچ کر گئے ہیں، تو رونا پیٹنا شروع کر دیا کہ سادات کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے ذمہ دار سمجھ کر تکلیف دیں۔ آخر تھوڑی دیر بعد جب آپ اٹھ کر بیٹھے تو مرید حیرت میں پڑ گیا۔ ۳۵۲ھ

منقول ہے کہ عید کا موقع تھا۔ حضرت کے پاؤں میں سخت پھوڑے نکلے ہوئے تھے اور چلنے پھرنے سے قاصر تھے۔ دستور کے مطابق آپ نمازِ عید سومروں کے گاؤں میں پڑھتے تھے۔ وہ جگہ جہاں نماز پڑھتے

تھے آپ کے گاؤں سے کافی دور تھی۔ اگر چہ عید والے دن آپ کو کافی تکلیف تھی لیکن آپ علی الصبح اٹھ کر اس طرف روانہ ہو گئے۔ ایک مرید کا بیان ہے کہ اس دن میں بھی آپ کے ساتھ تھا، اور پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ آپ راستہ بھول کر کسی دوسری طرف جا رہے ہیں۔ یہ محسوس کر کے مجھے حکم دیا کہ اگر میں دوسری طرف جا رہا ہوں تو تم آگے آؤ، آخر میں آگے چلنے لگا۔ چلتے ہوئے آ کر ہم ایک دریا کے کنارے پہنچے جہاں ابھی کافی فاصلے پر سومروں کا گاؤں تھا۔ وہاں ہم تھکاوٹ سے چُور ہو گئے اور بیٹھ گئے۔ ابھی وہاں پر بیٹھے ہی تھے کہ خطیب پیش امام اور دوسرے لوگ وہاں آ کر جمع ہوئے اور نماز عید وہیں پڑھی۔ ہم نے وہ رات وہاں گزاری، کیونکہ آپ نے کہا کہ صبح چلیں گے۔ رات کو جب میں سویا تو، مجھے بخار ہو گیا۔ میں کچھ بھی نہ بولا لیکن پتہ نہیں کیسے حضرت کو خبر ہو گئی، سو اپنی چادر اتار کر مجھے اوڑھنے کے لیے دی۔ آخر صبح کو اٹھ کر ہم اپنے گاؤں روانہ ہوئے۔ ۳۵۳

منقول ہے کہ پنیو ملاح جو جام ہالو کے امراء میں سے تھے حضرت کے بھی عقیدت مند تھے، اُن کا امر راجہ کے بیٹے سے بڑا تکرار ہو گیا اور معاملہ جنگ وجدل تک جا پہنچا تھا۔ پنیو کے پاس لشکر کم اور کمزور تھا اسے یہ خطرہ رہتا تھا کہ پتہ نہیں اس تکرار کا انجام کیا ہو گا لیکن دل ہی دل میں یہ خیال رکھتے تھے کہ اگر حضرت صاحب نے اس تکلیف دہ وقت کے دوران میری دستگیری کی تو سب کچھ بہتر ہو جائیگا۔ آخر کچھ عرصے بعد راجہ امر اپنے لشکر کے ہمراہ حملہ آور ہوا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو پنیہ کے لشکر نے اپنی کمزوری کی وجہ سے میدانِ جنگ سے بھاگنے کا ارادہ کرنا چاہا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ حضرت خود ظاہر ہوئے اور اُنھیں کہہ رہے تھے، کہ ہرگز میدان نہ چھوڑنا یہ الفاظ سن کر پنیو گھوڑے سے نیچے اترا اور آ کر حضرت کے قدموں پر گرا۔ دوسرے لوگوں نے سمجھا کہ پنیو پاگل ہو گیا ہے پتہ نہیں کیا کہتا ہے اور کیا کر رہا ہے۔ یہ الفاظ سن کر پنیو کہنے لگے کہ حضرت میراں سید عبدالکریم خود ہماری مدد کے لیے آئے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس طرح حضرت نے پنیہ کو مقابلے کے لیے ہمت بندھائی اور تیار کیا اور خود غائب ہو گئے۔

حضرت کے گاؤں اور اس میدان کے درمیان کئی دنوں کا فاصلہ ہے جو آپ ایک ساعت اندر طے کر کے وہاں پہنچے تھے۔ اس کے بعد زیادہ دیر نہیں گزری کہ راجہ امر کے بیٹے کے لشکر نے میدان چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا اور پنیہ کا لشکر ان کے پیچھے پڑ گیا۔ اس طرح حضرت صاحب کی برکت سے کمزور اور ناتواں طاقتور پر غالب آ گئے اور فتح سے ہمکنار ہوئے۔ ۳۵۴

ایک دن حضرت صاحب اپنے گاؤں میں تھے اور میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اچانک آپ

کہنے لگے کہ لشکر کہاں ہے اور کہاں ہے ان کا شہزادہ جو اپنے گاؤں سے روانہ ہوئے تھے۔ ایک دن گزرنے کے بعد واقعی شہزادہ نصر پور کے نواح میں پلیجوں کے گاؤں کے قریب سے گزرتا ہوا خدمت میں پہنچا۔ اس وقت حضرت خود آرام فرمارہے تھے۔ سب نے مصلحت کی خاطر طعام پہلے سے ہی تیار کر دیا تھا بلکہ اس مرید کو سمجھا دیا تھا کہ جب حضرت ہمیں اپنے پاس کھانے پر بلائیں تو یہ طعام حاضر کرنا تاکہ حضرت صاحب کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ مرید نے یہ بات قبول کی۔ جب سارے لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ اس مرید کو بلا کر کہنے لگے کہ جاؤ طعام تیار کروا کر آؤ۔ وہ مرید گیا اور کچھ دیر بعد وہ تیار شدہ طعام اٹھوا کر پہنچا۔ آپ نے دیکھ کر کہا کہ یہ بھی اچھا ہے لیکن اپنا پکایا ہوا طعام لے آؤ۔ گویا اس مکمل واقعے کا کسی سے سنے بغیر آپ کو پتہ چل گیا۔

ایک مرتبہ آپ چلنے سے قاصر تھے لیکن آپ کے ایک مرید نے کافی اصرار کیا کہ ان کی بچی تندرست نہیں ہے اس لیے گھر چل کر دعا مانگیں۔ آخر آپ کو چارپائی پر اٹھا کر اس گاؤں میں لے آئے۔ اس شخص نے آپ کو اپنے گھر میں قیام کروایا جس کی بچی سخت علالت میں مبتلا تھی۔ رات کا کچھ حصہ ابھی گزرا تھا کہ آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور مریدوں کو کہا کہ اٹھو، چلیں کیوں کہ یہاں رہنا نہیں ہے، اس مرید نے بڑی منت سماجت کی کہ ٹھہر جائیں لیکن آپ نہ ٹھہرے اور جلد ہی باہر نکل کر چل دیئے۔ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ اس شخص کی بیٹی فوت ہوگئی۔ گویا آپ کو کشف کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا، کہ اس کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ ۳۵۵ھ

کہنے لگے کہ مریدوں کے دل میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کا ہمیں پتہ ہوتا ہے لیکن رضائے الٰہی کی وجہ سے کچھ بھی نہیں بولتے۔

ایک دن میں حضرت کے پاس بیٹھا تھا اور مولی کھا رہا تھا۔ آپ نے مجھ سے مولی مانگی اور کہنے لگے کہ دو تاکہ وحدانیتِ الٰہی کا ذائقہ لیں۔ آپ نے پہلے مولی کے پتے کھانے شروع کر دیئے اور فرمانے لگے کہ اس کے ہر پتے پر سورۃ قل ھو اللہ احد لکھی ہوئی ہے اور اس کے آخری پتے پر لفظ احد ہے۔

ایک مرید نے کہا کہ میں اپنے گاؤں میں تھا جو ٹنڈیاری کے گرد و نواح میں تھا۔ ایک دن کسی عورت نے آ کر مجھے پیسے دیئے اور دعا کی درخواست کی۔ کافی دنوں کے بعد جب میں حضرت صاحب کی رہائش گاہ پر آیا جو کافی فاصلے پر واقع تھی تو مجھ پر ناراضی کا اظہار کیا۔ فرمانے لگے کہ اب نوبت یہاں آن پہنچی ہے کہ پیسے لے کر دعا کرتے ہو۔

ایک مخلص نے کہا کہ میں حضرت کے پاس تھا اور آپ اپنے گاؤں میں تھے۔ اچانک دو مرتبہ نور محمد نور محمد

کہنے لگے۔ وہ فقیر نور محمد ٹھٹھہ کا رہنے والا تھا۔ بہر حال تین دنوں بعد نور محمد خود آ کر خدمت میں حاضر ہوا۔

ایک دن آپ ٹھٹھہ شہر میں مقیم تھے اور میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اچانک خبر ہوئی کہ ایک مغل سردار یار محمود بارن نے جو حضرت کے دوستوں میں سے تھے، کسی جرم کی وجہ سے آپ کے گاؤں پر حملہ آور ہو کر گرفتار کیا ہے۔ حضرت نے مجھے اشارہ کیا اس لیے میں اور آپ کا فرزند مل کر اس گاؤں کی طرف روانہ ہوئے۔ ہم نے اپنے ساتھ ٹھٹھہ کے صدر نشین مولانا محمد کی سفارشی چٹھی بھی لے لی لیکن جب اس مغل کے پاس پہنچے تو دربانوں نے ہمیں اندر جانے ہی نہ دیا بلکہ ہمیں برا بھلا بھی کہا گیا۔ ہم نے خود کو بے حد بے بس محسوس کیا اور دل میں خیال آیا کہ خدا کے برگزیدہ بندوں سے ایسا نہیں ہونا نہیں چاہیے تھا۔ ہم ابھی وہاں پر ہی کھڑے تھے کہ اچانک حضرت صاحب خود سواری پر آئے اور سیدھے مغل کے پاس پہنچ گئے۔ ہم بہت خوش ہوئے اگر چہ حضرت صاحب نے ہماری طرف دیکھا تک نہیں۔ آپ جیسے ہی وہاں پہنچے تو مغل نے اٹھ کر آپ کی تعظیم کی اور محمود اور اس کے لوگوں کو حضرت کے سامنے آزاد کر دیا۔ ہم پر جب نظر پڑی تو کہنے لگے کہ حقیقت میں فقیر کو اس طرح کہنا درست نہیں ہے اور نہ ہی فقیروں کو اس طرح کرنا زیب دیتا ہے۔ یہ جملے آپ نے بار بار دہرائے تب میں سمجھا کہ یہ الفاظ مجھے کہے ہیں کیونکہ کچھ دیر پہلے واقعی ایسے خیالات میرے دل میں آئے تھے۔ بہر حال اس کے بعد اجازت طلب کر کے ہم ٹھٹھہ لوٹ آئے اور آپ اپنے گاؤں روانہ ہو گئے۔٣٥٦

ایک مخلص سے منقول ہے کہ میں نے خواب میں خود کو ایک عالی شان آراستہ عمارت کے اندر دیکھا وہاں حضرت صاحب نبی کریم صلی علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ صلی علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ مجھے بھی کشش ہوئی کہ اندر جاؤں۔ دیکھتا ہوں کہ ایک سیڑھی ہے جس کے پہلے زینے پر میں بیٹھ گیا۔ حضرت صاحب خود اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ فلاں فقیروں کو بلاؤ۔ میں اس خیال سے اٹھا تو دربانوں نے مجھے کہا کہ کچھ دیر ٹھہرو کہ نبی کریم صلی علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کریں۔ اُنھوں نے یہ الفاظ سننے کے بعد آپ کریم صلی علیہ وآلہ وسلم کی طرف مسکراتے ہوئے انداز میں التجا کی۔ یہاں میں خواب سے بیدار ہو گیا۔٣٥٧

ایک مرتبہ میں کسی بڑے مرض میں مبتلا تھا اور خود کو قریب المرگ سمجھ رہا تھا۔ اس حالت میں کچھ مرید بھائی حضرت صاحب کے مقبرے پر زیارت کے لیے گئے۔ وہاں جا کر میرے لیے شفایابی کی دعا مانگی۔ اسی رات مجھے اور بھی زیادہ تکلیف ہوئی اور سب نے سوچا کہ آج میری آخری رات ہے۔ ابھی میری آنکھ لگی تھی

کہ خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا تھا کہ آج رات کوئی بندہ تمھیں ذبح کرنے کے لیے لے جائے گا۔ کچھ دیر بعد واقعی ایک شخص آیا جو مجھے اپنے ساتھ ایک جنگل میں لے آیا اور وہاں ایک لکیر نکال کر اس کے اندر مجھے بٹھا دیا۔ میں مرنے کی پریشانی میں مبتلا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس مصیبت سے مجھے سوا اپنے پیر و مرشد کے کون بچا سکے گا؟ اس خیال کے آتے ہی محسوس کیا کہ حضرت صاحب خود میرے سامنے کھڑے ہیں اور وہ شخص جو مجھے جنگل میں لایا تھا غائب ہو چکا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد جب میں بیدار ہوا تو خود کو تندرست اور بہتر محسوس کیا یوں جیسے مجھے کوئی مرض لاحق ہی نہیں ہوا تھا۔

ایک مخلص نے کہا کہ جب حضرت کو رب تعالیٰ نے اپنے جوار و قرب میں جگہ عطا کی یعنی اس دنیا سے کوچ کیا تو میں بہت رویا اور خود کو سخت غمگین محسوس کیا۔ آخر ایک رات خواب میں دیکھا کہ مجھے کہہ رہے ہیں کہ مجھے مردہ نہ سمجھو۔ فرق یہ ہے کہ پہلے ہم اس جگہ تھے اور اب یہاں ہیں بلکہ جو بھی صدقِ دل کے ساتھ ہماری زیارت کے لیے آئے گا تو اسے بہت فائدہ ہوگا اور اس کی ہر مدعا پوری ہوگی اس لیے کوئی وہم و گمان نہ کریں۔ اس کے بعد میں خواب سے بیدار ہوا اور پھر کبھی بھی ایسا خیال دل میں نہ آیا۔ ص۳۵۸

ایک مرید نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت کے فرزندوں کے کام کے متعلق سستی اختیار کی بلکہ کچھ اور مریدوں نے بھی ایسا رویہ اختیار کیا اتنا کہ میں اپنے حجرے کو باہر سے تالا لگا کر دوسری طرف سے داخل ہو کر اندر آ کر سو گیا کہ کہیں کوئی مرید آ کر مجھے تنگ نہ کرے۔ مجھے وہاں نیند آ گئی اور خواب میں دیکھا کہ حضرت مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ دوسرے تو کاہلی کرتے ہیں لیکن تم بھی ایسا ہی کرتے ہو۔ اتنی دیر میں میں بیدار ہو گیا دیکھا کہ حضرت صاحب کا فرزند حجرے کے دروازے سے باہر کھڑا ہے۔ آخر تالا کھلوا کر باہر نکل آیا اور آپ کے کام میں مصروف ہو گیا۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ حضرت نے خود بتایا کہ ایک دن میں اور میرے بڑے بھائی مل کر سماع کر رہے تھے۔ مخدوم آجب جو اپنے دور کے عارف اور عالم تھے اور ہم سے شفقت والا تعلق تھا۔ اس نے ایک تو ہمیں سماع سے روکا اور کہنے لگے کہ اگر حضرت تنہائی میں سماع کریں تو بہتر کیونکہ دوسرے جو سماع کی خبر نہیں رکھتے اور بلند آواز سماع کرتے ہیں، ان کے حلقے میں حضرت کا سماع کرنا مناسب نہیں لگتا۔ ہم نے مخدوم کی اس بات پر آمنا صدقنا کہی لیکن جب رات گزری اور صبح ہوئی تو مخدوم صاحب ہمارے پاس آ گئے۔ میں باہر نکل کر آپ کے پاس آیا تو آپ نے چادر اتار کر میرے قدموں پر رکھی اور بہت معذرت کے انداز میں کہنے لگے کہ گزشتہ شب میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ایک طرف تشریف لے جا رہے

ہیں۔آپ کے احباب سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ آپ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید عبدالکریم کا سماع سننے کے لیے جا رہے ہیں۔جب بیدار ہوا تو اس خیال سے توبہ تائب ہوا ہوں اور اب بھی اس لیے آیا ہوں کہ اپنی تقصیر کے لیے معافی طلب کروں۔۳۵۹ے

ایک خادم نے کہا کہ ایک مرتبہ میں اور ایک دوسرا مرید کشتی میں سوار ہو کر ڈاڈو گاؤں پہنچے اور جہاں کے گاؤں میں شب گذاری۔صبح وہاں سے اٹھ کر ٹھٹھہ کو رخ کیا اور آکر حضرت کی خدمت میں پہنچے۔جب آپ کے حجرے پر پہنچے تو آپ سوئے ہوئے تھے۔میں آپ کے پاؤں کی طرف بیٹھ گیا۔تھوڑی دیر بعد جب آپ اٹھے تو سلام کہہ کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر خوش آمدید کہا اور کہنے لگے کہ ڈاڈوں میں کشتی کے ذریعے پہنچنے کے بعد جہاں میں رات بسر کر کے یہاں پہنچے ہو،میری حیرانی کی حد نہ رہی اور عرض کیا کہ قبلہ جس طرح فرماتے ہیں بالکل ایسا ہی ہے۔۳۶۰ے

ایک مرتبہ رات کے وقت آپ جنگل کی طرف رخ کر کے روانہ ہوئے۔مدرسے کا ایک مولوی بھی آپ کے پیچھے پتہ لگانے کے لیے گیا کہ دیکھوں کہ حضرت صاحب کہاں جاتے ہیں؟ کچھ فاصلے کے بعد اچانک جنگل میں شیر نکل کر باہر آیا۔اس وقت آپ اس شخص کی نظر سے دور تھے۔شیر کو دیکھ کر اس شخص نے بڑی زور کی چیخ ماری کہ حضرت صاحب اب پہنچو ورنہ میرا کام تمام ہونے والا ہے۔آپ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ کیوں ہمارے پیچھے آئے ہو؟ اور کیوں خود کو اس مصیبت میں بتلا کیا؟

ایک مرید سے منقول ہے کہ اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت صاحب کوئی درجہ یا مرتبہ قبول نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی منع فرماتے ہیں کہ ہرگز قبول نہ کرنا۔اگرچہ میں نے سنا ہے کہ وقت کا عارف شیخ بھرکیوں ہر روز خدا تعالیٰ سے تین ہزار نئے سخن کرتا ہے۔اس طرح وقت کے قطب مخدوم نوح کا قول ہے کہ اگر میں خداوند تعالیٰ سے آنکھ جھپکنے جتنا وقت دُور رہوں تو جل کر مر جاؤں۔میں نے سوچا کہ آخر اُنھوں نے یہ مرتبے کیوں قبول کیے؟ میرے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا اور ہر وقت میرے دماغ میں یہ بات چکر کھانے لگی لیکن کسی سے یہ گفتگو بھی نہ کی۔آخر ایک دن جیسے ہی میں حضرت صاحب کے پاس آیا تو آپ مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تیرے دل میں جو گمان ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حضرات ایک الگ گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم ایک ایسے حلقے سے ہیں جو مرتبہ اور درجہ قبول نہیں کرتے۔یہ سن کر میری مشکل حل ہو گئی۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت صاحب، بہاء الدین گودڑیہ اور کچھ دوسرے دوست مل کر لکرالہ کی طرف تفریح کے لیے گئے۔واپسی پر اُنھیں ایک جگہ رات ہو گئی وہاں ان کو بھوک نے بھی تنگ کیا تو حضرت

خود اسے مٹانے کے لیے نکل پڑے۔ کچھ دیر بعد اُنھیں ایک شخص نے بچھڑا دیا اور کہا کہ یہ شیخ پٹھ کی نذر کیا ہوا ہے۔ عام طور پر یہ رسم ہے کہ وہ چیز اس پیر کی ہوتی ہے جس کی نگہبانی بھی وہ خود کرتا ہے۔ اگر کسی کو دے دیتا ہے تو وہ بھی اس کا ذمہ ہے لیکن اگر کوئی بزرگ یہ چیز مانگتا ہے تو اس کو دے دیتے ہیں۔ بہر حال حضرت نے اس بچھڑے کو حلال کر کے پکا کر اپنے دوستوں کے سامنے رکھ دیا البتہ اس کی کھال اس شخص کو دے دی جس نے یہ نذر کی تھی۔ پھر آپ ٹھٹھ آ گئے۔ رات کو اس شخص نے خواب میں شیخ پٹھ کو دیکھا جو اسے کہہ رہا تھا کہ صبح یہ کھال اٹھا کر حضرت کی خدمت میں حاضر کرو کیونکہ یہ آپ کی مہربانی ہے کہ ہمارا یہ تحفہ قبول کیا۔ جیسے ہی صبح کو یہ شخص بیدار ہوا تو سیدھا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ کھال بھی پیش کی اور ساری حقیقت بھی بیان کی۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ ہم بہت دور نکل گئے۔ جب واپس پہنچے تو آپ نے پوچھا کہاں گئے تھے؟ عرض کی کہ سماع میں گئے تھے۔ فرمایا کہ کیوں گئے تھے؟ گویا کہ یہ بات آپ کو پسند نہ تھی۔ دوسری مرتبہ میں اپنے کچھ دوستوں کے ہمراہ تیار ہو کر آپ کے پاس جانے کے لیے نکلا۔ راستے میں بودن کے گاؤں میں ہمارا ایک دوست تھا جس کے پاس میں ہمیشہ دودھ لسّی یا دہی کھاتا تھا لیکن اس مرتبہ میں وہاں پہنچا تو کوئی چیز نہ مل سکی۔ میرا وہ دوست کہنے لگا کہ آج صبح دودھ کا پیالہ اور دہی کا برتن حضرت صاحب کی خدمت میں بھیجے ہیں۔ میں نے سوچا کہ آج یقیناً حضرت ہمیں یہ دودھ اور لسی پلائیں گے اور پھر کہیں گے کہ سماع کرتے ہو یا نہیں؟ اگر اس سلسلے میں ایک حکم دیا تو پھر میرا یقین پختہ ہو جائے گا۔ بہر حال ایسا ہی ہوا۔ میں جب آپ کی خدمت میں پہنچا تو کھانے کے لیے وہ دہی دی اور سماع کرنے کی اجازت دی اور کہنے لگے کہ تم وجد میں آؤ یا نہیں لیکن شاید دوسروں کے سماع کرنے کی برکت سے تم اپنی منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ اسی وقت آپ کے چہرے سے خوشی نظر آ رہی تھی جس وجہ سے میرا یقین اور بھی پختہ ہو گیا۔ ۳۶۲

ایک مخلص سے منقول ہے کہ ایک دن میں اپنے کسی دوست کے ہمراہ حضرت کی طرف عازمِ سفر تھا۔ راستے میں میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ بڑا سیر و سفر کیا جائے۔ میں نے جب اپنے ساتھی سے یہ بات کی تو اس نے بھی قبول کیا۔ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو ہمیں دیکھ کر کہنے لگے کہ فقیر کے لیے پاؤں کا سفر ہلاکت کا سبب بنتا ہے البتہ اگر اسے دل کی سیر حاصل ہو تو پھر پاؤں لمبے کر کے سو جائے یوں اس کو زمین و آسمان کی سیر حاصل ہو جائے گی۔ اس کے بعد میں نے ظاہری سیر و سفر ترک کر دیا۔ ۳۶۳

ایک مخلص نے بیان کیا کہ میں نے تفسیر حسینی کا مطالعہ کیا تو جب بہشت والی آیات پر پہنچا تو میرے دل میں بہشت کا خیال بیٹھ گیا۔ جب رات ہوئی تو خواب میں حضرت صاحب کو دیکھا جو کہہ رہے تھے کہ

آیات پڑھنے سے جنت کے خیالات میں گم ہو گئے ہو۔ میں پریشان ہو گیا۔ اتنے میں آپ مجھے ہاتھ سے پکڑ کر بہشت کے دروازے پر لے آئے اور دکھا کر کہنے لگے کہ دیکھ! یہ ہے بہشت جس کے لیے تمھیں اتنی کشش تھی۔ کہنے لگے کہ ذکر خدا کا کرنا چاہیے اور اس کی طلب کرنی چاہیے۔ جب میں بیدار ہوا تو میرے دل سے بہشت کی تمنا ختم ہو چکی تھی۔

مخدوم نوح رحمتہ اللہ علیہ کا بیٹا اپنے والد کی رحلت کے چار سال بعد حضرت کی خدمت میں آیا۔ وہ کہتا ہے کہ جب میری نظر حضرت کے چہرہ مبارک پر پڑی تو مجھے محسوس ہوا کہ آپ کا جسم، شکل اور اعضا سارے بالکل مخدوم نوح کی طرح ہیں جتنی دیر میں ان کے پاس بیٹھا رہا تو مجھے مخدوم صاحب اور ان کی شکل میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا، البتہ جب میں نے آپ سے رخصت چاہی تو مجھے اپنی اصل شکل میں نظر آئے۔ ۳۶۴ے

منقول ہے کہ ایک شخص جنگل میں بھینس چروانے کے لیے گیا تھا کہ اچانک اس پر جذبۂ الٰہی وارد ہو گیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ ہوا لگنے سے اس پر ریت آ گئی تو دوسری طرف ہوا لگنے سے وہ ریت اتر رہی تھی۔ ایک دن حضرت صاحب اس گرد ونواح میں خربوزے کے کھیت سے گزرے تو کھیت کے مالک نے کچھ خربوزے لا کر آپ کی خدمت میں پیش کیے تا کہ آپ تناول فرمائیں۔ وہاں پر وہ درویش بھی بیٹھے تھے۔ آپ اپنے ہاتھوں سے خربوزہ کاٹ کر ان کو دے رہے تھے تا کہ وہ کھائے لیکن اس نے آخر تک نہ کھایا۔ کسی بہانے سے اسے ٹالتا رہا۔ اٹھنے کے وقت آپ ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارے ہاتھ سے نہیں کھاتے ہو۔ باقی ہمارے بعد تو اس کے چھلکے بھی کھا جاؤ گے۔ کہتے ہیں کہ حضرت کے جانے کے بعد اس شخص کو اتنی بھوک لگی کہ واقعی سارے چھلکے بھی کھا گیا بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک زندہ رہا جتنے بھی طعام کھاتا تھا شکم سیر نہ ہوتا تھا اور نہ ہی اس کی بھوک ختم ہوتی تھی۔

ایک مرید نے بیان کیا کہ ایک دن میں حضرت کی خدمت میں بیٹھا تھا تو آپ شفقت والے انداز میں مجھے بتانے لگے کہ خدا کے ملک میں زمین کا ایک ایسا ٹکڑا بھی ہے جس کی وسعت میں اسّی سال کا فاصلہ ہے۔ یہ زمین بالکل ہموار ہے اور کانٹوں سے پاک ہے بلکہ اس میں کھڑی ہوئی فصل کے سٹے ایسے ہیں کہ اگر آدمی فقط ایک کھائے تو اس کا پیٹ بھر جائے۔ میں نے عرض کی کہ سائیں یہ سرزمین دھرتی پر ہے؟ کہنے لگے کہ نہیں۔ عرض کی کہ پھر آسمان پر ہے۔ جواب دیا کہ نہیں بلکہ یہ سرزمین ایسی جگہ ہے جہاں سورج اور چاند کی روشنی نہیں پہنچتی البتہ وہاں پر رحمت کی بارشیں پڑتی ہیں اور فرشتے اس میں بیج ڈالتے ہیں اور پھر اس کے پھل نصیب والوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ ۳۶۵ے

ایک خادم نے کہا کہ ایک دن مجھے دل میں وہم ہوا کہ حضرت کے پاس جو کچھ لایا جاتا ہے وہ کھا جاتے ہیں اچھے اور خراب کی تمیز نہیں کرتے۔ رات کو میں نے دیکھا کہ خواب میں مجھے کہہ رہے ہیں کہ ہر وقت جب بھی کوئی طعام ہمارے سامنے لایا جاتا ہے ہم نیک اور بد کی تمیز ضرور کرتے ہیں۔ میں جب بیدار ہوا تو اپنے وہم پر شرمندہ و پریشان ہوا۔

منقول ہے کہ ایک مرید کسی بزرگ کی زیارت کے لیے گھر سے نکلا۔ کچھ دنوں بعد اس کا باپ اسے ڈھونڈھتا ہوا حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچا اور کہنے لگا کہ میرا بیٹا میرے حوالے کریں تا کہ میں واپس لوٹ جاؤں۔ حضرت نے کہا کہ نمازِ ظہر تک صبر کرو کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ تمھاری وجہ سے یہاں آ کر پہنچے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔ اتنے میں باہر سے کسی نے اونچی آواز سے چیخ کر کہا کہ فلاں آ گیا۔ یہ آواز سن کر حضرت بہت خوش ہوئے۔ آخر وہ مرید حاضر ہوا اور قدم بوسی کا شرف حاصل کر کے اپنے باپ کے ساتھ ٹھٹھہ روانہ ہوا۔

ایک مرید نے بیان کیا کہ حضرت کی رحلت کے بعد ہم کشتی میں سوار ہو کر ٹھٹھ کی طرف آ رہے تھے کہ راستے میں مخالف ہوا سے الجھ گئے۔ لہروں کے زور کی وجہ سے کشتی اوپر نیچے ہو رہی تھی اور ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔ ہم ذہنی طور پر ڈوبنے کے لیے تیار تھے لیکن اچانک حکمِ الٰہی سے ہوا درست چلنے لگی اور ہم کنارے پر آ کر پہنچے۔ وہاں اتر کر رات بسر کرنے کے لیے نیچے سو گئے۔ ہمارے درمیان صالح نامی ایک مرید تھا جس نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خود اس جگہ پر پہنچے ہیں اور ہمارے اوپر کھڑے ہیں۔ صالح نے حضرت سے عرض کی کہ قبلہ یہاں کیسے آنا ہوا؟ کہنے لگے کہ مرید پریشانی اور تکلیف میں مبتلا تھے ان کی خبر گیری کے واسطے یہاں آیا ہوں۔ صالح جیسے ہی نیند سے بیدار ہوا تو سب کو یہ بات سنائی اور دوبارہ سو گیا۔ دوبارہ بھی نیند میں دیکھا کہ حضرت صاحب وہی بات کہہ رہے تھے۔ ادھر پھر جب صالح نیند سے بیدار ہوا تو مریدوں کو وہی بات سنائی۔ مطلب یہ کہ ایسا کئی مرتبہ ہوا اور صالح وہی بات دُہرا رہا تھا۔ ۳۶۶ؔ

منقول ہے کہ ایک دن کچھ لوگ آپ کے پاس فریاد لے کر آئے کہ ہماری گائے فلاں طاقت ور آدمی زبردستی لے گیا ہے آپ ہمارے لیے اس طاقت ور آدمی کے پاس منت کے لیے چلیں تا کہ ہماری گائے لوٹا دے۔ آپ اٹھ کر ان کے ساتھ چلنے لگے جہاں وہ زور آور شخص رہتا تھا۔ جب اس شخص نے سنا کہ حضرت صاحب روانہ ہو چکے ہیں تو خود صبح صادق اٹھ کر ان لوگوں کے کھیتوں میں گئے جہاں ان کے گیہوں پڑے تھے۔ اس کی نیت تھی کہ گیہوں کو جلا دے۔ جب یہ خبر حضرت کو سنائی گئی تو آپ خاموش ہو کر وہاں پر بیٹھ گئے۔ ادھر

اس شخص نے پہلے گیہوں جلا کر جیسے ہی دوسری طرف بڑھا اس کے گھوڑے نے سرکشی کی اور وہ زمین پر گر پڑا اور اس کے اعضا کو چوٹیں لگیں۔ آخر اسے جب ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ حضرت کی کرامت کی وجہ سے تھا۔ آخر خود کو چادر میں لپیٹ کر حضرت کے پاس حاضر ہوا اور اپنی پشیمانی کا اظہار کیا۔ اس کے علاوہ فوری طور پر دیگچہ پکوا کر مریدوں خادموں کو کھلایا اور سب روکے ہوئے مویشی لوٹا دیئے۔ حضرت وہ رات ان کے پاس مہمان رہے اور دوسرے دن واپس لوٹے۔ ۳۶۷ے

ایک مرید نے بیان کیا کہ میں جب ٹھٹھہ سے حضرت کی زیارت کے لیے آتا تھا تو راستے میں گرگ اور خنزیر کا بہت خوف ہوتا تھا اور یہ بھی کہ کہیں سانپ اور بلائیں وغیرہ ڈس نہ لیں۔ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت کہہ رہے ہیں کہ جو بھی ہماری زیارت کے لیے آئے گا اسے یہ بلائیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی اور نہ ہی ان سے ڈرنا چاہیے۔ اس مرید نے کہا کہ اس کے بعد میں جب بھی آپ کی حاضری کے لیے جاتا تھا تو خنزیر گرگ اور سانپ وغیرہ راستے کے چاروں طرف دیکھتا تھا لیکن مجھے کوئی بھی خوف خطرہ نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی ان جانوروں نے مجھے کبھی کوئی نقصان پہنچایا۔

منقول ہے کہ پیر لاکھو جو بگھاڑ میں مدفون ہے وہاں لوگ ایک دوسرے کو یقین دلانے کے لیے قسم دیتے تھے۔ اگر قسم اٹھانے والا آدمی سچا ہوتا تھا تو اسے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا لیکن اگر جھوٹا ہوتا تو وہیں پر اس کا خون بہتا تھا۔ یہ خبر جب حضرت کو ہوئی تو پیر لاکھو کی قبر پر آئے اور وہاں آ کر کہنے لگے کہ اے لاکھا! لوگ زندہ ہوتے ہوئے بھی اپنے نفس کو ختم کر دیتے ہیں لیکن تم مرنے کے بعد بھی اُنھیں نہیں چھوڑتے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایسا ہونا بند ہو گیا بلکہ اگر کسی نے اس کی قبر سے بھی کوئی گستاخی کی تو اسے کچھ بھی نہ ہوتا۔ ۳۶۸ے

کہتے ہیں کہ جب خریف کی فصلیں تیار ہو جاتی تھیں تو کچھ لوگ ان زمینوں سے سٹے چرا کر پیٹ بھرا کرتے تھے۔ اُنھوں نے کیا کیا کہ ان لوگوں کو پکڑ کر شیخ بھرکیہ کے صحن کی اُنھیں خاک پلائی تاکہ اس کے بعد چوری نہ کریں۔ آخر یہ لوگ جب بالکل مجبور ہو گئے تو حضرت کے پاس آ کر عرض کرنے لگے کہ ابھی بھوک سے بے حال ہیں۔ شیخ بھرکیہ کی خاک کھائی ہے لیکن ساری عمر ایسے گزری ہے اب کیا کریں؟ آپ نے کہا کہ جا کر وہی طریقہ اختیار کرو۔ تمھیں شیخ بھرکیہ کی خاک تمھارا کچھ بھی نہیں کر سکے گی۔ کہتے ہیں اس کے بعد وہ اس دھندے سے لگ گئے اور خاک کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

منقول ہے کہ سید ابراہیم جو پردیسی پیر کے حوالے سے مشہور ہے اُس کی قبر حضرت کی پسگر دائی میں ہے اس کے چاروں طرف درختوں کا گھنا جنگل تھا۔ کہتے ہیں کہ اگر کوئی اونٹ یا بکری ان درختوں میں منہ ڈالتا

تھا تو وہاں پر ہی تڑپتے تڑپتے سانس دے دیتا تھا۔ حضرت کو جب یہ خبر ہوئی تو آپ ان کی قبر پر آ کر کہنے لگے کہ اے لوگوں کے پیر! انسان زندہ اپنے نفس کو مار ڈالتے ہیں تم مرنے کے بعد زندہ کو مارتے ہو۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اگر چہ لوگ درخت کاٹ کر لے جاتے تھے لیکن اُنھیں کچھ نہ ہوتا تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کہیں جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ ایک نامراد مرید بھی تھا جس کی اصلیت زہر آلود کانٹے کی طرح تھی۔ آپ جب جنگل میں کافی فاصلہ چلے تو وہ مرید شدید بھوک لگنے سے بے حال ہو گیا اور کمر سے باندھا ہوا خنجر نکال کر حضرت پر تان کر کہنے لگا جو کچھ بھی کرو لیکن میرے لیے کھانا دستیاب کیا جائے۔ آپ مسکراتے ہوئے اُس کی طرف دیکھتے رہے اور کہنے لگے کہ یہاں پر کھانا کیسے آئے گا؟ اس پر وہ منحوس کہنے لگا کہ اگر کھانا میسر نہ ہوا تو میں تمھاری ران کا ٹکڑا کاٹ کر کھاؤں گا۔ کہنے لگے کہ یہ بھی تمھارا ہے۔ آپ مسکراتے رہے اور اسے کچھ بھی نہ کہا۔ آخر بڑے ردوکد کے بعد اسے کہا کہ کچھ دیر صبر کرو۔ تب وہ شخص تھوڑی دیر کے لیے آپ سے دور ہو گیا اور آپ نیچے لیٹ گئے۔ اتنے میں ایک شخص ظاہر ہوا جو کھانے کا بڑا برتن بھر کر لایا اور اس شخص نے پیٹ بھر کر وہ کھایا اور اس کے بعد آپ اپنے راستے پر روانہ ہوئے۔ ۳۶۹

ایک دن میاں جلال مخدوم نوح علیہ الرحمتہ کے بیٹے نے حضرت سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ مخدوم نوح کی زیارت کے لیے نہیں بلکہ بہاء الدین گوڈریہ سے ملاقات کے لیے وہاں جاتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ ہاں۔ تم نے درست سنا ہے کیونکہ مجھے بہاء الدین سے مخدوم نوح کا ظہور ہوتا نظر آتا ہے جو کسی اور میں نظر نہیں آتا۔

ایک ذہین مرید سے منقول ہے کہ میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ میں مر چکا ہوں اور میرے رشتہ دار مجھے دفن کرنے کے لیے قبرستان لائے ہیں۔ جیسے ہی لحد کھود کر تیار کی دیکھا کہ یہ سانپوں بلاؤں اور بچھوؤں سے بھری ہوئی ہے۔ جب مجھے قبر میں اتارنے کے لیے نزدیک لایا گیا تو بہت دل شکستہ ہوا کہ ان بلاؤں سے کس طرح بچ سکوں گا؟ ابھی اس پریشانی میں تھا کہ دور سے ایک سوار کو آتے ہوئے دیکھا۔ یقین ہوا کہ یہ حضرت صاحب ہیں۔ آپ جب وہاں پہنچے تو میری پریشانی کو دیکھ کر میرے عزیز واقارب کو کہنے لگے کہ اس کھودی ہوئی لحد کو مٹی سے بھر دو اور اس کی لحد دوسری جگہ پر کھودی جائے۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ تیری قبر اس جگہ پر ہوگی اور تم پریشان نہ ہونا۔ یہ الفاظ سن کر میری پریشانی ختم ہو گئی اور میں خوشی کے عالم میں بیدار ہو گیا۔ ۳۷۰

منقول ہے کہ ایک دن کسی مرید نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ قبلہ سنا ہے کہ وقت کا ایک بادشاہ جس کا نام سلیم تھا اس نے کہا کہ اگر مجھے کوئی اصل فقیر نظر آئے تو خود کو اُن کی خدمت کے لیے وقف کردوں گا اور بیٹھ کر اللہ اللہ کروں گا۔ یہ سن کر آپ نے کہا کہ اگر واقعی اس کے دل میں خدا کی طلب ہے تو یہاں اتنے فقیر ہیں کہ وہ جہاں ہے اسے وہاں پر فیض پہنچا سکتے ہیں۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ کسی کام کی وجہ سے میں بہت پریشان تھا اور کوئی حل نظر نہیں آرہا تھا۔ یاردوست بھی مجھ سے بے زار تھے۔ خود کو بالکل تنہا محسوس کررہا تھا۔ آخر جمعے کے دن جب میں خطبہ سن رہا تھا تو دل میں خیال آیا کہ اگر ایسے وقت میں حضرت صاحب میری مدد فرمائیں تو بہت بہتر ہے۔ ابھی ان خیالوں میں گم تھا کہ میری آنکھ بند ہوگئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے ایک سیاہ وحشت ناک بلا ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لیے خوفزدہ ہوگیا لیکن ہمت کرکے خود آگے بڑھ کر اس بلا کو اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ حضرت صاحب مجھے کہنے لگے کہ اب کسی بھی قسم کا خوف نہ کرنا۔ جب آنکھ کھلی تو حضرت کو نہ دیکھا۔ بہرحال میں نماز ادا کرکے گھر لوٹ آیا۔ اس کے بعد جلد ہی میری یہ مشکل حل ہوگئی اور یہ تکلیف اور دکھ خوشی میں تبدیل ہوگئے۔ ۱۷۳

منقول ہے کہ ایک دن کوئی فقیر تیار ہوکر حضرت کی خدمت میں آنے کے لیے روانہ ہوئے لیکن اُن کے پاس ایسی کوئی چیز نہ تھی جو ساتھ لے کر آتے اور خدمت میں پیش کرتے جبکہ دوسروں کے پاس کچھ نہ کچھ موجود تھا۔ دل ہی دل میں محسوس کرنے لگے کہ کیا منہ دکھاؤں گا؟ بہرحال جب یہ فقیر خدمت میں پہنچے تو حضرت نے اُنھیں دیکھ کر کہا کہ اگر فقیر کے پاس ایسی کوئی چیز نہ ہو جو اپنے پیر کے پاس لائے تو اور کچھ نہ سہی، کم سے کم لکڑیوں کا گٹھا لے آئے کیونکہ فقیروں کا یہی شیوہ ہے۔

منقول ہے کہ حضرت نے اپنے کھیتوں کے پروانے مہر لگوانے کے لیے اپنے کسی قاصد کے ذریعے ٹھٹھہ کے حاکم مصطفیٰ خان کے ہاں بھیجے۔ وہ قاصد بیان کرتا ہے کہ جب وہ پروانے تیار ہوکر مہر لگے ہوئے ملے تو میں فوری طور پر حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچانے کے لیے روانہ ہوا۔ میں اتنا خوش تھا کہ راستے کی بھی خبر نہ پڑ رہی تھی۔ آخر ایک ایسی جگہ پھنس گیا جہاں کئی بچھو اور سانپ تھے جنھوں نے مجھے ڈس لیا۔ میں نے خود کو بڑی مصیبت میں پایا۔ فقط یہ فکر لاحق تھی کہ کسی طرح بھی یہ سندیں اور پروانے حضرت صاحب کے پاس پہنچ جائیں۔ راستے میں جو بھی لوگ ملے اُنھوں نے میری حالت دیکھ کر کہا کہ جلد تیرا خاتمہ ہونے والا ہے۔ میں اُنھیں کہنے لگا کہ مجھے مرنے کا خوف نہیں ہے مجھے صرف یہ فکر ہے کہ یہ کاغذات کسی بھی طرح حضرت کو مل جائیں تو مجھے اطمینان ہوگا۔ میری یہ حالت دیکھ کر ان لوگوں کو رحم آیا اور اُنھوں نے مجھے گھوڑی

دی تا کہ میں حضرت کے پاس پہنچ سکوں۔ بہرحال ایسی صورت حال میں جب میں حضرت کے گاؤں پہنچا تو آپ وہاں موجود نہ تھے بلکہ دوسرے کسی گاؤں میں گئے ہوئے تھے۔ گھوڑی کو وہاں چھوڑ کر پھر پیادہ سفر شروع کیا کہ یہ کاغذات پہنچاؤں وہاں میرے جسم سے پھر خون بہنے لگا اور ابھی یقین ہو چلا تھا کہ قریب المرگ ہوں۔ ۳۷۲

اسی حالت میں مجھ پر جب آپ کی نظر پڑی تو بہت ہمدردی کی اور معلوم کرنے لگے کہ راستے میں کیسی تکالیف برداشت کیں۔ عرض کیا کہ راستے میں بلاؤں نے ڈس لیا تھا۔ یہ سن کر آپ نے اپنا دستِ مبارک میرے زخموں پر گھمایا تو اس کی برکت سے وہ ٹھیک ہوگئے اور اس زہر کا اثر بھی ختم ہوگیا۔ اس کے بعد آپ اپنے گاؤں آئے تو میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ ابھی کچھ فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ مجھے بھوک نے بے ہوش کردیا اور چلنے سے معذور ہوکر گر پڑا۔ بہرحال دل کا درد دل میں ہی پی رہا تھا اور حضرت کو بھی نہیں بتا رہا تھا۔ اس طرح جیسے تیسے آگے چلتا رہا لیکن مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ حضرت صاحب اپنی باطنی روشنی کی وجہ سے میرے حال سے واقف ہیں۔ ایسی حالت میں جب ہم ایک جنگل سے گزر رہے تھے تو ایک عورت اچانک ظاہر ہوئی جس نے حضرت کو پہچان کر بڑی منت سماجت کر کے کہنے لگی کہ آج رات میرے ہاں قیام فرمائیں اور میرے مہمان بنیں اور مجھے شرف بخشیں۔ آپ نے یہ بات قبول نہ کی لیکن تھوڑی دیر میں وہ عورت دو روٹیاں اور کچھ سالن اپنے دوپٹے کے آنچل سے ڈھانپ کر لائی۔ یہ دیکھ کر مجھے بلا کر کہنے لگے کہ اسے کھا کر شکم سیر ہو جاؤ کہ جس سے آگے چلنے کے لیے قوت آئے۔ میں نے یہ روٹیاں لے کر کھائیں تو جسم میں جان آ گئی اور میں خود کو صحت مند محسوس کرنے لگا اور پھر ہم منزل پر پہنچے۔ ۳۷۳

کوئی بندہ حضرت کی وفات کے بعد مرید ہوا لیکن خود کو کہنے لگا کہ کاش آپ کی زندگی میں بیعت کر کے مرید ہوتا تو کتنا بہتر ہوتا۔ اس خیال میں گم تھا کہ اُس کو نیند آ گئی اور خواب میں حضرت کو دیکھا۔ آپ اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے کہنے لگے کہ اگر زندگی میں تمھیں یہ موقع نہ مل سکا تو اب اس کا فائدہ لو لیکن وہم نہ کرو کیونکہ تم ہم سے مل چکے۔

ایک مرید سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ حضرت قبلہ کو چھوڑ کر دوسری طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں۔ دل میں خیال آیا کہ آپ کو بتاؤں لیکن خاموش رہنا بہتر سمجھا اور ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ جب فارغ ہوئے تو کہنے لگے کہ میں کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا تھا تم نے کیوں نہیں کہا؟

ایسے کہتے ہوئے فرمایا:

فاینما تولو فثم وجه الله.

پھر تم جس طرف منہ کرتے ہو اس طرف خدا کی ذات ہے۔ (سورۃ البقرہ ۲:۱۱۵)

ایک دن آپ کئی لوگوں کو زنجیروں میں بندھے ہوئے قید میں بند دیکھ آئے تھے۔ جب اپنے حجرے میں داخل ہوئے تو بار بار دکھ اور ہمدردی کا اظہار کر رہے تھے۔ جب آپ کے سامنے طعام لایا گیا تو تب بھی کہنے لگے کہ ہم تو مزے سے طعام کھا رہے ہیں لیکن ہمارے بھائی قید و بند میں گرفتار ہیں۔ کہتے ہیں کہ کچھ دیر بعد ان سب لوگوں کو آزاد کر دیا گیا۔

منقول ہے کہ کوئی مرید شہر میں رہتا تھا اور وہ کثیر العیال تھا۔ ہمیشہ اس پریشانی میں مبتلا تھا کہ شہر میں رہائش اختیار کی جائے یا دیہات میں جا کر خدا کو یاد کیا جائے۔ ایک رات حضرت صاحب کو خواب میں دیکھا جو کہ فرما رہے تھے کہ تم بھلے شہر میں ہی رہو اور دیہات کا رخ نہ کرو۔ خدا تعالیٰ تو شہر میں بھی مل سکتا ہے، جب بیدار ہوئے تو پریشانی کی بجائے دل میں قرار و سکون محسوس کیا۔۳۷۴

ایک مرتبہ حضرت مسجد میں نہ گئے اور اپنے کچھ مریدوں سے مل کر نماز پڑھی اور آپ نے خود امامت فرمائی۔ ایک مرید جو مسجد میں جماعت ادا کرنے گیا تھا وہ جب واپس آیا تو دل میں خیال کیا کہ تعجب ہے کہ حضرت نے سنت جماعت کو چھوڑ کر یہاں نماز پڑھی ہے۔ آپ نے اس مرید کو مخاطب ہو کر کہا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنت ہے لیکن تنہائی میں خدا کو یاد کرنا فرض ہے۔

ایک مرتبہ میں ٹھٹھہ سے تیار ہو کر حضرت کے گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔ جب وہاں پہنچا تو خبر ملی کہ آپ کسی اور طرف گئے ہوئے ہیں۔ مجبوراً واپس لوٹا اور ''پناہ'' نہر کے کنارے گم صم کھڑا ہو گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اچانک ایک طرف سے ننگے سر ایک سوار کو آتے ہوئے دیکھا۔ یقین ہوا کہ حضرت صاحب خود ہیں لیکن اس وقت آپ جمالِ الٰہی کے ساگر میں اتنے مستغرق تھے کہ آپ کو اپنے وجود کا بھی پتہ نہ تھا کہ ننگے سر ہیں۔ جیسے ہی مجھ پر نظر پڑی تو یہ مصرعہ پڑھا:

هي گھا تونن وڻاءِ مون ڏورانئين لکئا

ترجمہ: میں نے دور سے بھانپ لیا کہ یہ نڈر اور بہادروں کی اولاد ہے۔

اس کے بعد اپنے گاؤں کا رخ کیا اور مجھے کہا کہ فلاں جگہ کسی شخص نے میری ضیافت کی تھی۔ اس نے بہت منت سماجت کی کہ آج میرے یہاں منزل کریں لیکن میں نے اس لیے قبول نہیں کی تاکہ گاؤں پہنچ

سکوں۔ میں اس وقت بہت بھوکا تھا اور ایک روٹی جو حضرت نے اپنے پاس گٹھڑی میں باندھی ہوئی تھی مجھے کھانے کے لیے نکال کردی۔ ۳۷۵

منقول ہے کہ ایک مرید جو نفل نمازیں ادا کرنے والا اور تہجد گزار تھا حضرت کے پاس آیا اور دل میں خیال کیا کہ اگر حضرت نے کہا تو نفل ادا کروں گا ورنہ ایسے ہی بیٹھا رہوں گا۔ وہی مرید جب آپ کے پاس آیا تو آپ نے اسے کہا کہ ایک شخص تھا جو نفلیں بہت کم پڑھتا تھا۔ اس کوئی اور لوگوں نے کہا کہ نفل کیوں نہیں پڑھتے۔ جواب دیا کہ میں اپنے کھیت کے کام میں مصروف رہتا ہوں۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اس سے نماز ادا نہیں ہوتی یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا کہ میں کھیت کی حقیقت سے واقف ہوں اور میں نے دیکھا ہے کہ اگر فصل گھنی ہوتی ہے تو وہاں سٹے کمزور ہوتے ہیں لیکن جہاں فصل کمزور ہوتی ہے وہاں سٹے مضبوط ہوتے ہیں۔ یہ سن کر اس مرید نے نفلیں پڑھنے پر زور کم کر دیا۔

حضرت کے مرید کو کسی نے طعنہ دیا کہ آپ کہتے ہیں کہ ہمارے مریدوں اور خیر خواہوں کو تنگ رزق کا منہ کبھی نہ دیکھنا پڑے گا۔ پھر تم اتنے افلاس اور تنگ دستی میں کیوں ہو؟ یہ سن کر مرید بہت دل شکستہ ہوا اور پریشانی میں پڑ گیا۔ آخر خواب میں دیکھا کہ حضرت اسے فرما رہے ہیں کہ دل گیر نہ ہو اور خدا کی دی ہوئی تقسیم پر خوش رہنا چاہیے۔ وہ جو بھی کرتا ہے اس پر استقامت رکھو۔

ایک مرتبہ رات کو حضرت آرام فرما رہے تھے کہ آپ کے مہمان آگئے اُنھوں نے خادم سے بکری کا گوشت کھانے کی فرمائش کی لیکن آپ کے پاس کوئی بکرا نہیں تھا۔ آپ ابھی لیٹے ہوئے تھے کہ خادم نے آ کر بتایا کہ فقیروں نے گوشت کھانے کی فرمائش کی ہے۔ گردن اوپر اٹھا کر ان سے کہا کہ ٹھیک ہے گوشت کا بندوبست کرو اور اسے پکا کر کھلاؤ۔ آپ پھر کروٹ لیتے ہوئے سو گئے۔ ابھی تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک شخص جس کی بیٹی کو زچگی کے درد ہوئے تھے پانی پر دم کرانے کے لیے حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میرے یہاں ایک بکری ہے جو شیخ پٹھہ کی نذر کی ہے وہ ابھی آپ کی نذر کرتا ہوں۔ آپ کہنے لگے کہ جب تیری مراد پوری ہو تو دے دیجیے گا۔ ادھر اس شخص کے اپنے گھر پہنچنے کی دیر تھی اور جیسے ہی پانی پلایا تو مشکل حل ہوگئی اور فوراً بکری لا کر خدمت میں پیش کی جسے فقیروں نے ذبح کیا اور پکا کر مہمانوں کو کھلایا۔ ۳۷۶

ایک مرتبہ کوئی آدمی آپ کے پاس آ کر مہمان ہوا۔ سوچنے لگے کہ طالبِ خدا بننے کے ارادے سے آیا ہے۔ آپ شکر بجالائے لیکن کافی دیر بعد وہ شخص دنیاوی مقاصد حاصل کرنے کی نیت سے دعا کروا کر روانہ ہوا۔ اس بات کو آپ نے پسند نہیں کیا اور اسی وجہ سے اس شخص کی کوئی تواضع بھی نہیں کی۔ اتفاق سے کچھ

عرصے بعد وہ آدمی حضرت صاحب کے مرید سے کہیں ملے تو اس مرید نے اسے کہا کہ حضرت تمہیں یاد کرتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ آدمی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی گفتگو کے بعد دنیا ترک کر کے سچا طالبِ خدا بن گیا۔

ایک دن حضرت صاحب ککرالہ گاؤں میں کسی کے گھر مہمان ہوئے اور وہاں پر کچھ کھایا۔ لوگوں کو جب یہ خبر ہوئی تو کہنے لگے کہ حضرت کو کیا ہو گیا ہے کہ چوروں کے گھر جاتے ہیں اور ان کا کھانا کھاتے ہیں جب آپ کو یہ خبر ہوئی تو آپ نے یہ شعر پڑھا: ۳۷۷

خرقان خوش ڪري، اچي ويناسون

جائين ڏني حسن ڪي، تائين ڏيندين تون،

ترجمہ: خرقان والوں کو خوش دیکھ کر ہم بھی آ بیٹھے ہیں جہاں سے حسن خرقانی کو دیا وہاں سے ہمیں بھی دو۔

واللہ اعلم بالصواب خاتمۃ الکتاب۔

ضمیمہ

تاریخِ وفات اور کچھ ارشادات

حضرت سید عبدالکریم سندھی رحمتہ علیہ اللہ زمانے کا قطب اور عارفِ وقت تھا۔ حضرت عبدالکریم اولیاء کے پیشوا، ولایت حقیقت کے سلطان اور اصحابِ شوق کے شیخ تھے۔ آپ نے اپنی اولاد کے حق میں جو کچھ بھی فرمایا وہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ جاننا چاہیے آپ کے اہل وعیال واولاد کا مرتبہ ومقام بلند وبالا تھا اور جس کا مکمل بیان کرنا مشکل ہے لیکن برکت وفضیلت کے لحاظ سے کچھ ارشادات اور سخن جو آپ خود فرماتے تھے وہ یہاں بیان کیے جاتے ہیں۔ اس کی دو فصلیں ہیں، پہلی فصل میں حضرت کی وفات کا ذکر اور دوسری میں وہ گفتے وسخن ہیں جو آپ نے اپنی اولاد کے متعلق فرمائے ہیں۔ ۳۷۸

فصلِ اوّل:

تاریخِ وفات

آپ کی رحلت کا وقت مغرب، دن اتوار اور تاریخ ۷ ذوالقعد سنہ ۱۰۳۲ھ تھی۔ وفات کے وقت اپنے گھر پر تھے۔ پہلے آپ کو کون سا مرض لاحق ہوا اس بات کے متعلق اب تک کوئی پتہ نہیں چل سکا ہے البتہ ایک مخلص نے کہا کہ میں نے آپ سے سنا تھا کہ آپ نے فرمایا کہ میرے وجود سے چوبیس برس سے چار پانچ امراض کبھی بھی ختم نہیں ہوئے ہیں۔ حضرت کا مقبرہ مبارک جنت ثانی، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے مرتبے کو اعلیٰ علیین طاب ثراہ کے مقام تک پہنچائے اپنے گاؤں سید پور میں ہے۔ وہ گاؤں کا تیاروں کے گاؤں کے نزدیک اور بہرام پور پرگنہ میں واقع ہے جو سندھ کا ایک پرگنہ ہے اور وہ ایک دریا کے کنارے پر ہے۔ اب ہر ماہ کی پیر کو آپ کے فردوس مثال بہشتِ ثانی روضہ مبارک پر کئی اولیا، بزرگ، مرید، خادم اور مخلوق آ کر جمع ہوتی ہے۔ وہاں عام سماع ہوتا ہے اور بڑا مجمع لگا ہوتا ہے۔ دُور دُور سے کئی لوگ امرا اور مساکین زیارت اور برکت حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ کچھ کامل بزرگوں کا کہنا ہے کہ جو آدمی یقینِ کامل سے آ کر حضرت کی زیارت کرے گا اسے اتنا ہی فائدہ ہوگا جتنا آپ کی زندگی میں ہوتا تھا۔

فصلِ دوم:

یہ سخن وارشادات جو آپ نے اپنی اولاد کے متعلق کہے اور ان کے نام اور تفاصیل جو آپ کی اولاد میں شامل ہیں ان میں پہلا خداوند تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ اور الٰہی عنایات سے نوازا ہوا حضرت کے فیض سے بھرا ہوا حضرت سید لال شاہ تھے لیکن اُنھوں نے جب دھرتی پر قدم رکھا اور آپ کی پیشانی مبارک پر ولایت کے آثار نمودار ہونے لگے بلکہ وہ ابھی بچپن میں ہی تھے تو وفات پا گئے اور جا کر واصل باللہ ہوئے۔ حضرت صاحب نے ان کی وفات پر یہ الفاظ کہے کہ:

''اے میرے جگر کے ٹکڑے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہمارے سلام عرض کرنا''۔۳۷۹

ایک دن آپ کچھ مریدوں کے ساتھ کسی طرف جا رہے تھے۔ اتفاقاً آپ کا گزر اس مقام سے ہوا جہاں آپ کا بیٹا مدفون تھا۔ آپ نے کسی کو بتائے بغیر اس طرف کا رخ کیا اور مریدوں نے اپنا راستہ لیا۔ جب کافی دیر ہوئی اور آپ کے مرید تھوڑے فاصلے سے آگے نکل گئے تو وہ وہاں ٹھہر کر آپ کی راہ تکنے لگے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو مریدوں نے عرض کیا کہ قبلہ کس طرف نکل گئے تھے؟ جواب دیا کہ قبرستان میں گیا تھا۔ وہاں اپنے بیٹے کو دیکھا جو دوسرے بچوں سے کھیل رہا تھا۔ میں خود وہ کھیل دیکھنے میں مشغول ہو گیا اور میں اسے کھیلتے ہوئے دیکھ رہا تھا لیکن وہ مجھے نہ دیکھ سکا۔

دوسرے فرزند جو اسرارِ طریقت سے واقف، انوار شریعت پر عامل، جذبہٗ ربوبیت سے سرشار، عبودیت کے ادب یافتہ اور درگاہِ خداوندی کے مقام پر فائز تھے؛ وہ حضرت سید عبدالرحیم علیہ رحمتہ تھے۔ آپ دین کے بڑے بزرگوں میں سے تھے اور ان کی کرامات اور فضائل اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ قلم لکھنے سے قاصر ہے۔ وہ سماع کو بہت پسند فرماتے تھے اور اکثر خود سماع میں مشغول رہتے تھے۔۳۸۰

حضرت مخدوم نوح علیہ رحمتہ کے بیٹے حضرت ابراہیم جو مالک الملک کے پسندیدہ بندوں میں سے تھے کہا کرتے تھے کہ جب سید عبدالرحیم نے مخفی جہاں سے اس دنیا میں قدم رکھا تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا کہ حضرت صاحب کی زندگی میں ہی آپ کا ثانی پیدا ہو گیا ہے لیکن وہ بھی حضرت کی زندگی میں ہی اس دنیا سے کوچ کر کے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

تیسرے فرزند جو سخا اور حیا کے مالک، جمال اور جلال کے آئینہ دار، شرف والے حضرت سید جلالؒ تھے۔ وہ بے حد حسین تھے اور عبادت بھی زیادہ کرتے تھے۔ زبان کو کیا طاقت جو اُن کی تعریف کرے اور قلم

کو کیا قوت جو حقِ نگارش ادا کر سکے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب وہ ہالا کنڈی سے روانہ ہو کر کسی طرف جا رہے تھے تو چوروں نے راستے میں شہید کر دیا۔ یہ واقعہ بھی حضرت کی زندگی میں ہوا۔۳۸۱

چوتھے فرزند جو متقیوں اور زاہدوں کے پیشوا تھے حضرت سید بر... تھے۔ وہ عبادت میں یگانہ اور قوت سے بھرپور تھے۔ ایک مرتبہ وہ دریا کے کنارے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے مجھے یہاں سے کوئی ہلا کر دریا میں گرائے۔ کہتے ہیں کہ کئی لوگ جمع ہوئے لیکن آپ کو اپنی جگہ سے جہاں کھڑے تھے وہاں سے ہٹا نہ سکے۔ ظاہر ہے کہ جسے خداوند تعالیٰ خود ایسی قوت دے اور اس کی خود مدد کرے اور وہ خود عبادتِ الٰہی کا بھی حق ادا کرتا ہو اسے کون ہٹا سکتا ہے؟ یا اس کی برابری کر سکتا ہے زبان آپ کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے اور قلم کا مرکب معذور ہے۔ اِن کی وفات بھی حضرت کی زندگی میں ہوئی۔

پانچویں فرزند راہ طریقت پر چلنے والے اور راہِ حق سے واقف، مجذوبِ وحدت، مصروف اور مشہور سید اللہ مجذوب تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت راستے سے جا رہے تھے کہ اُنھیں ایک مجذوب مل گیا۔ اس نے آپ سے ایک درہم مانگا اور آپ سے کہنے لگا کہ ایک درہم کے عوض بیٹا دیتا ہوں۔ حضرت نے کہا کہ میں نے اسے درہم دیا۔ جب گھر پہنچا تو بتایا گیا کہ بیٹا ہوا ہے۔ نزدیک جا کر دیکھا تو بالکل اسی دیوانے شخص کے مشابہ نظر آیا۔۳۸۲

جب بڑا ہوا تو اس میں عادات بھی ایسی ہی ظاہر ہونے لگیں۔ مطلب یہ کہ اس پر اس دیوانے کا مکمل اثر نظر آنے لگا۔ اس کے متعلق حضرت صاحب کہا کرتے تھے کہ بے شک اُنھیں ایمان کی کامل صفائی نصیب ہوئی ہے اگرچہ مشکلات بھی کافی دیکھیں لیکن سیر و سفر بھی خوب کیے۔ اس رسالے کی تصنیف کے دوران زندہ تھے اور مصنف نے اُنھیں دیکھا تھا۔

حضرت کے چھٹے فرزند جو صاحب ہدایت و ولایت تھے اور اکابر و ابرار کے پسندیدہ تھے۔ رحمان و رحیم اُن پر مہربان تھے۔ راہِ یقین والوں کے پیشوا اور اہلِ دین کے مقتدا اور خدا اور رسول کے پیارے سید دین محمد تھے۔ خدا اس کی زندگی طویل کرے۔ حضرت کی زندگی میں ہی عزت و شوکت کے مالک بن گئے۔ بڑے مال دار تھے اور سب بھائیوں میں غنی تھے۔ عمدہ کپڑے پہنتے تھے اور گھوڑے پر سواری کرتے تھے۔ حضرت اُنھیں بہت پیار کرتے تھے اور شفقت فرماتے تھے۔

حضرت صاحب، سکرات کے وقت جب آپ عشقِ الٰہی کے نشے میں مدہوش تھے تو اچانک سر اٹھا کر ہلکی آواز میں دین محمد کا نام لینے لگے۔ مرید اور خادم موجود تھے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ دین محمد یہاں نہیں

کہیں باہر ہیں۔ یہ جواب سن کر آپ پھر غش کے زیرِ اثر ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد میاں دین محمد حاضر ہوئے اور باادب کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر بعد جب آپ ہوش میں آئے تو دین محمد، دین محمد پکارنے لگے۔ مریدوں نے جواب دیا کہ دین محمد حاضر ہیں آپ خوش ہوئے اور شفقت بھری نظر سے آپ کو دیکھا۔ اس کے بعد اپنی جان، جان آفرین کے حوالے کر دی۔ اتنے میں سب لوگ رونے لگے لیکن دین محمد کو جو کچھ ملنا تھا ملا۔ وہ باادب وہیں کھڑے رہے۔ ۳۸۳

جب حضرت صاحب کو دفن کر کے واپس لوٹے تو مرید اور خادم لوگ پہلے تو الجھ پڑے کہ حضرت صاحب کی جگہ کون لے گا؟ ابھی اس فکر میں تھے کہ دیکھا میاں دین محمد جن کا سر منڈا ہوا ہے اور پیوند لگا ہوا سیاہ لباس پہنا ہوا ہے وہ جب کاندھوں پر ''کفنی'' رکھ کر اور سیاہ چادر اوڑھ کر لوگوں کے مجمعے میں بیٹھے تو الٰہی نشے میں مدہوش نظر آ رہے تھے۔ لوگوں نے سوچا کہ دنیا کی تمام باتیں ترک کر چکے ہیں چنانچہ مریدوں اور خادموں سب نے حضرت صاحب کو قائم مقام تسلیم کیا اور ان کی تعظیم و تکریم کرنے لگے۔

حضرت صاحب کہتے تھے کہ دین محمد کو خدا تعالیٰ نے غصے سے خالی پیدا کیا ہے بلکہ کہیں اگر جنگ و جدل ہو تو وہاں دین محمد کو لے جاؤ تو ان شاء اللہ امن و امان ہو جائے گا۔ یہ رسالہ آپ کی زندگی میں تکمیل کو پہنچا اور یہ فقیر آپ کی زیارت سے مشرف بھی ہوا۔

حضرت کا ساتواں فرزند خادم الفقرا غربا کی پناہ گاہ اور نسیمِ وصال کا ہمدم اور حریمِ جلال کا محرم سید سادات میراں سید حسین تھا جس کے متعلق حضرت صاحب سکرات کے دوران فرمایا تھا کہ جب کوئی ہمارے دوستوں میں سے کسی مشکل میں پھنس جائے تو سید حسین کے پاس جا کر اپنی مشکل بیان کرے۔ پھر جب وہ دعا مانگے تو تم آمین کہنا۔ ان شاء اللہ آپ کا مقصد پورا ہو جائے گا کیونکہ اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ ۳۸۴

منقول ہے کہ آپ سید حسین کے متعلق کہتے تھے کہ وہ خادم الفقرا ہے لیکن ہم نے امیر المومنین امام حسین رضی اللہ عنہ کی محبت میں اس کا نام حسین رکھا ہے۔

آٹھواں فرزند آپ کی نظرِ شفقت کا پالا پوسا اور صاحبِ کمال سید عبدالقدوس تھا۔ وہ بچپن میں حضرت صاحب کی زندگی میں ہی وفات پا گیا تھا۔ حضرت کہتے تھے کہ ایک دن میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ مجھے ایسا فرزند عطا کر! جس سے میں آپ کی رموزات کے متعلق اور وہ مجھ سے آپ کی باتیں معلوم کرے۔ اس کے بعد سید عبدالقدوس پیدا ہوئے۔ جب وہ بڑے ہونے لگے تو واقعی اُن میں وہ صفات ظاہر ہونے لگیں اتنا کہ بچپن میں لڑکوں کو جمع کر کے کھیلنے کے بجائے اُنھیں اپنے گرد بٹھا کے ذکر کرواتے تھے۔

نویں، دسویں اور گیارھویں نمبر پر بیٹیاں تھیں جو اپنی جگہ بی بی مریم اور بی بی رابعہ ثانی تھیں۔ حضرت کی ان پر خاص نظرِ شفقت تھی۔ اس فقیر کی زبان، ان پردہ دار ہستیوں کی تعریف سے عاجز اور قلم ان عصمت والی عورتوں کے وصف بیان کرنے سے قاصر ہے۔ بہر حال حضرت صاحب نے اپنی زندگی میں اولاد کے متعلق جو کچھ بھی فرمایا وہ بے شک اس کا نمونہ نظر آتے ہیں اور حضرت صاحب کی اولاد کی اولاد زیادہ ہے۔ اُن کے متعلق اگر لکھا جائے گا تو یہ کتاب بہت طویل ہو جائے گی اس لیے ہم نے صرف آپ کے فرزندوں کا ذکر کیا ہے۔[۳۸۵]

واللہ اعلم بالصواب

الراقم خادم الفقرا

احقر العباد

ضیاء الدین بن گل محمد

مورخہ ۲۹ ماہ صیام ۱۴۲۸ ھجری[386]

حواشی وحوالہ جات

صفحہ۴۳۔ لا احصی .... نفسک۔

مشہور کتب مسند احمد بن حنبل اور صحیح مسلم کے مطابق یہ حدیث ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ صحیح حدیث میں 'انت' لفظ 'کما' سے پہلے آیا ہوا ہے۔ ''لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک'' یعنی میں تمھاری ثنا نہیں کرسکتا، جیسے تم اپنی ثنا کو جانتے ہو۔ لگتا ہے یہاں کاتب کی غلطی سے انت لفظ اپنی جگہ پر نہیں آیا ہے۔ مولانا جامی اپنی مشہور کتاب لوائح کا آغاز بھی اس حدیث سے کرتے ہیں لیکن اس میں کچھ زیادہ الفاظ آئے ہوئے ہیں اس کے علاوہ یہ حدیث مولانا رومیؒ کی مثنوی اور فخرالدین عراقی کی ''لمعات'' میں بھی ملتی ہے۔ گلزارِ ابرار کے مصنف نے بھی اس حدیث کا حوالہ دیا ہے۔

[فہرست تفسیر کشف الاسرار ۳۵۴، لمعات ۳۹۹، لوائح جامی از تسبیحی: گلزارِ ابرار ۱۳]

ص ۴۳۔ سبحان خالقی که صفاتش زکبریا ...... الخ

یہ اشعار فارسی کے عظیم صوفی شاعر فریدالدین عطار (540 _ 627ھ) کے افتتاحیہ قصیدے سے لیے گئے ہیں۔ مقدمے میں اس طرف اشارہ کیا گیا کہ سندھ ہند کے متصوفانہ افکار پر عطار کی شاعری اور اس کی نثری تصنیف تذکرۃ الاولیا کے واضح اثرات نظر آتے ہیں۔

[دیوانِ عطار بدیع الزمان فروزانفر ص ۴۱]

ص ۴۴۔ فمنھم ظالم.... بالخیرات (۲۸: ۱۲۲)

عوارف المعارف والے نے اس آیت کی تشریح میں چار قسم کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ایک بزرگ کے مطابق اس آیت میں ظاہر سے مراد زاہد، مقتصد سے مراد عارف اور سابق سے مراد عاشقِ الٰہی ہے۔ دوسرے قول کے مطابق، ظالم وہ ہے جو مصیبت کے دوران گھبراتا۔ ہے مقتصد یا معتدل وہ ہے جو دورانِ مصیبت صبر کرتا ہے اور سابق یعنی سبقت والا وہ ہے جو مصیبت کو لذت سمجھتا ہے۔ تیسرے قول کے مطابق ظالم وہ ہے جو غفلت سے لیکن عادت کی وجہ سے عبادت کرے۔ مقتصد وہ ہے جو خوف و لالچ میں کسی سبب عبادت کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو ہیبت اور احسان سے خدا کی عبادت کرتا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ ظالم وہ ہے جو خدا کا ذکر محض زبان سے کرتا ہے، مقتصد جو خدا کا ذکر قلب یا دل میں کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو خدا کو کبھی بھی نہیں بھولتا۔

['عوارف المعارف' صفحہ ۱۰۹، فصوص الحکم ۱۰۳]

صفحہ ۴۹، مخدوم نوح (۹۱۱/ ۱۵۰۵-۹۹۸/ ۱۵۸۹ء)

مخدوم نوح کا احوال سب سے پہلے سندھ کے اولین تذکرے حدیقۃ الاولیا میں ملتا ہے جو مصنف نے ۱۰۱۶ھ ۱۶۰۷ء میں تصنیف کیا۔ ایک جگہ آپ کے اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود مخدوم سے ملے تھے۔ مخدوم نوح کی قرآن فہمی کا ذکر تمام تذکروں میں موجود ہے۔ آپ سے منسوب قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کچھ برس پہلے سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شایع ہو چکا ہے۔ جس کے مقدمے میں بیان کیا گیا ہے کہ مخدوم نوح کی سوانح اور کچھ ارشادات 'رسالہ فتیحہ' کتاب میں آپ کے پوتے نے سنہ 1019 ہجری میں مرتب کیے۔ اس کے بعد 'دلیل الذاکرین' جو ۱۱۰۶ہجری/ ۱۶۹۰ء میں حاجی پنوھر نے مرتب کیا اس میں بھی مخدوم نوح کی سوانح اور بزرگوں کا ذکر موجود ہے۔ اس کے علاوہ مخدوم نوح کا ذکر گلزارِ ابرار، تحفۃ الکرام اور معیارِ سالکانِ طریقت میں بھی ملتا ہے۔ سندھی ادبی بورڈ کی شایع کردہ ''المکتوب الحبیب'' اور حل الجواہر قلمی میں بھی آپ کا مختصر احوال موجود ہے۔ حال ہی میں قاضی شوکت علی نے مخدوم نوح کے چنیدہ ملفوظات سوانح کے ساتھ مرتب کر کے شایع کیے ہیں۔ کچھ ملفوظات دلیل العارفین اور اس کتاب میں مشترکہ ہیں جن کی مناسب جگہوں پر نشاندہی کی جائے گی۔

[حدیقۃ الاولیا ۱۳۱، ۱۳۹، تحفۃ الکرام ۳۸۳، ۳۸۸]

صفحہ ۴۹ سید میراں یوسف بکھری

'تحفۃ الکرام' کے مطابق وہ بکھر سے ھجرت کر کے ٹھٹھہ میں آ کر سکونت پذیر ہوئے۔ میراں محمد جونپوری جو مہدی طریقے کا بانی تھا ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ 'تحفۃ الکرام' کے مصنف نے بھی تقریباً وہی احوال 'بیان العارفین' سے لیا ہے البتہ مزید ان کی اولاد کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ 'معیار سالکان طریقت' میں بھی میر علی شیر نے وہ ہی احوال درج کیے ہیں۔ جہاں مشاہیر اور صوفیا کا احوال ہر صدی کے حوالے سے الگ دیا گیا ہے۔

[تحفۃ الکرام صفحہ ۵۰۴]

صفحہ ۵۰۔ شیخ پٹھو (وفات ۶۸۰ ہجری/ ۱۲۸۲ء)

'حدیقۃ الاولیا' کے مصنف نے کمال عقیدت سے شیخ پٹھو کا سارا احوال منظوم کیا ہے اور یہ مشہور روایت بیان کی ہے، جس کے مطابق قلندر شہباز عثمان مروندی، شیخ زکریا ملتانی اور شیخ صدرالدین تینوں ایک ساتھ ٹھٹھہ میں شیخ پٹھہ کے پاس آئے۔ اس کے بعد شیخ پٹھو شیخ زکریا کے مرید اور خلیفہ بنے۔ 'تحفۃ الکرام' کا مصنف تقریباً وہی بیان 'معیار سالکان طریقت' میں لایا ہے۔ تاریخ کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ سومرہ اور سمہ بادشاہوں کے ادوار میں عوام الناس کی شیخ پٹھہ کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ سنہ ۷۵۲ ہجری ۱۳۵۱ء میں سلطان محمد تغلق نے سندھ پر چڑھائی کی لیکن اچانک ٹھٹھہ سے باہر بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان فیروز شاہ ۷۶۶ ہجری ۱۳۶۵ء میں دوبارہ سندھ پر حملہ آور ہوا۔

بڑے مقابلے کے بعد رسد کی کمی اور گھوڑوں میں بیماری کی وجہ سے سلطان واپس گجرات کو لوٹا تو سندھ کی عوام نے اسے پیر پٹھہ کی کرامت قرار دیا جس سے یہ تاریخی کہاوت مشہور ہے:

بابرکت پیر پٹور هک مئو هک تئو

یعنی پیر پٹھو کی کرامت کی وجہ سے ایک مرگیا اور دوسرا بھاگ گیا۔

[سندھی زبان وادب کی تاریخ ڈاکٹر بلوچ چوتھا ایڈیشن صفحہ ۱۸۰،۱۸۹]

صفحہ۵۱، مخدوم آدم سمیجہ۔

میر علی شیر قانع نے 'تحفۃ الکرام' میں 'بیان العارفین' والی عبارت نقل کی ہے جو آگے آئے گی۔

['تحفۃ الکرام' صفحہ۱۲۲]

صفحہ۵۱، حاجی شورو

میر علی شیر قانع لکھتا ہے کہ وہ 'جون' پرگنہ کا رہنے والا اور مخدوم نوح، مخدوم اسماعیل جا گو، سید رکن الدین اور سید عبدالکریم کی صحبت سے فیضیاب ہوئے تھے۔'تحفۃ الکرام' والے نے ان کو شورو اور اسماعیل جا گو کو 'جاکی' لکھا ہے۔

['تحفۃ الکرام' صفحہ۴۰۹]

صفحہ-۵۲، صابو سومرو

['تحفۃ الکرام' ص۴۲۹]

صفحہ۵۲، بہاء الدین گودڑیہ

یہ مخدوم نوح کا مشہور و معروف مرید اور معتقد خاص تھا۔ وہ عالم فاضل تھا۔ مخدوم نوح سے منسوب قرآن شریف کا فارسی ترجمہ ان کا کتابت کیا ہوا ہے۔ وہ پہلے درویش موسیٰ جون والے کے مرید تھے۔ وہ ٹھٹہ میں رہتے تھے۔ شاہ کریم سے ان کا گہرا تعلق تھا۔

صفحہ۵۲، سید ابراہیم سید یوسف اور سید محمد جعفر

سید ابراہیم، میران یوسف کے لائق فرزند تھے۔'تحفۃ الکرام' میں ان کا احوال ملتا ہے۔ سید ابراہیم کے بیٹے محمد جعفر ہوئے جو شاہ کریم سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔

['تحفۃ الکرام' صفحہ۵۰۴،۵۰۶]

صفحہ۵۲، میاں ابراہیم ولد مخدوم نوح

مخدوم نوح کے بیٹے جس کی شادی میرن کا تیار کی بیٹی سے ہوئی۔

['ملفوظات مخدوم نوح قاضی شوکت صفحہ ۵۶]

صفحہ ۵۲، مخدوم ضیاء الدین

ان کا ذکر 'تاریخِ معصومی' میں بھی موجود ہے۔

['تاریخِ معصومی' ص ۱۱۱]

صفحہ ۱۲- مہران نہڑیو

['تحفۃ الکرام' صفحہ ۴۲۴]

صفحہ- ۵۲

میاں عبدالعزیز ڈاڈوں والے، ڈاڈون کا گاؤں بلڑی سے نزدیک تعلقہ ٹنڈو محمد خان میں آج بھی موجود ہے۔

صفحہ ۵۲، میاں عیسیٰ

['تحفۃ الکرام' صفحہ ۴۲۴]

صفحہ- ۵۳، احمد رونجھو

['تحفۃ الکرام' صفحہ ۴۲۴]

صفحہ ۵۳، میاں عبدالرشید

['تحفۃ الکرام' صفحہ ۴۲۴]

صفحہ ۵۳، ابوبکر بایزید

['تحفۃ الکرام' صفحہ ۴۵۵]

صفحہ ۵۵، فوت الانفاس قتل الانبیاء بغیر حق

بہت تلاش کے باوجود اس مقولے کی اصلیت یا ماخذ کے متعلق کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ اگر چہ سب صوفیوں کے ہاں سانس یا دم کی اہمیت خاص طور پر خدا کی یاد کے حوالے سے مسلم ہے، تاہم اس مقولے میں جس شدت سے اس کی اہمیت بیان کی ہوئی ہے وہ پورے صوفی ادب میں بے نظیر ہے۔ دراصل قرآن پاک کی سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۱۲ میں بنی اسرائیل کے لیے یہ ذکر ہوا ہے کہ وہ اپنے انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے جو ان کی سخت نافرمانی کی نشاندہی کرتی ہے: ویقتلون الانبیاء بغیر حق. مکتوباتِ گیسودراز میں ایک عبارت اس طرح ملتی ہے۔'من فات وقتہ فقد فات ربہ'، یعنی جس نے وقت گنوایا اس نے اپنے رب کو گنوایا۔

['مکتوباتِ گیسودراز' فارسی ص ۱۴۳]

ص- ۵۵، میاں عبداللہ

['تحفۃ الکرام' ص ۳۴۶]

صفحہ ۵۶، میاں عبدالقدوس شاہ کریم کے بہت قریب تھا۔

[تحفۃ - الکرام ۴۲۴۔]

صفحہ ۵۸، حال، ماضی اور مستقبل۔

شاہ لطیف کا اس سلسلے میں نہایت ہی پُر اثر اور معنی خیز شعر ہے کہ:

ڪنين ماضي من ۾، ڪنين استقبال

حاصل جني حال، آئون نه جيئندي ان ري.

ترجمہ: کچھ ماضی سے لو لگائے بیٹھے ہیں اور کچھ مستقبل کی فکر میں گم ہیں لیکن جو صاحبِ حال ہیں میرا گزارہ ان کے بغیر نہیں۔

[سر رام ڪلي]

صفحہ ۶۰، ذکر جلی الذکر بلا فکر کالشجر بلا ثمر

ذکر کی یہ ترکیب سلسلۂ قادریہ کے مطابق ہے خاص طور پر ذکر اور ضرب والا طریقہ قادریوں کا ہے۔ لا الٰہ کہے تو معنی خدا کے سوا دوسرے ہر وجود کی نفی کرے، ذکر جلی کے بعد ذکر خفی ہے اور فکر سے مراد مراقبہ ہے، جس میں اسمِ ذات کا ذکر کرے۔

[القول الجمیل فی بیان سواء السبیل شاہ ولی اللہ۔ صفحہ ۶۰ اور ۶۴]

صفحہ ۶۰، سماع مخفی ذکر ہے۔

شیخ ابو طالب مکی کہتا ہے کہ سماع ذکر کی صورت ہے بشرطیکہ اس سے خدا کی طرف رجوع ہو۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ منزل پر پہنچے ہوئے عارف کے لیے سماع سننا درست ہے لیکن مبتدی یا ابتدائی طالب کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے۔ سماع کے متعلق صوفیوں کے کئی قول ملتے ہیں۔

[قوت القلوب اردو جلد دوم، ۲۲۴]

صفحہ ۶۰، ذکر و فکر

اس سلسلے میں رومیؒ کہتے ہیں کہ:

این قدر گفتیم باقی فکر کن

فکر گر جامد بود رو ذکر کن

ذکر آرد فکر را در اہتزاز

ذکر را خورشید این افسردہ راز

ص-۶۲ ان اللہ لا ینظر الا صورکم.... ونیاتکم.

فہرست تفسیر 'کشف الاسرار' میں یہ حدیث بتائی گئی ہے۔

تذکرۂ عطار میں بی بی رابعہ بصریؒ کے ذکر میں بھی "ان اللہ لاینظر الا صورکم" تک حدیث بیان کی ہوئی ہے۔

['کشف الاسرار' صفحہ ۳۲۶، 'تذکرۃ الاولیا' تہران صفحہ ۲۷]

ص-۶۲، ان اللہ وتر وَیحب الوتر.

یہ حدیثِ قدسی صحیح بخاری اور مسلم کے علاوہ صحیفۂ ہمام بن منبہ میں بھی ملتی ہے۔

[صحیفہ ھمام بن منبہ - ڈاکٹر حمید اللہ ص-۹۱]

صفحہ۶۲۔من احب شی اکثر ذکرہ.

صاحبِ 'کشف اسرار' کی مطابق یہ مشہور حدیث ہے

['کشف الاسرار' صفحہ ۳۶۷]

صفحہ۶۵۔ فارغ المشغول، مشغول الفارغ

سیر الاولیا کا فاضل مصنف جمالی دہلوی نظام الدین اولیا کے حوالے سے لکھتا ہے کہ آپ نے کہا کہ فارغ مشغول وہ ہے جو بظاہر یادِ الٰہی میں مشغول ہو لیکن اندرونی طور پر کچھ اور باتوں میں مشغول ہو، لیکن مشغول فارغ وہ ہے جو ظاہراً مخلوق کی تکالیف برداشت کرے لیکن اندر سے یادِ الٰہی میں مشغول ہو۔ جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ میں فارغ المشغول ہوں اور محمد رویم مشغول فارغ یعنی میں دنیاوی تعلقات ترک کر کے یادِ حق میں مشغول ہوں لیکن وہ دنیاوی تعلق کے باوجود حق کے ساتھ مشغول ہے۔

[مرۃ الاسرار صفحہ ۳۶۰، سیر الالیاء امیر خورد صفحہ ۶۸۵]

ص-۶۴ احمد رونجھو

['تحفۃ الکرام' ص ۴۲۹]

صفحہ ۶۶۔چار اصول

'عوارف المعارف' کے مطابق روحانیت کی بنیاد یہ چار باتیں ہیں:

کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، کم ملنا جلنا۔

['عوارف المعارف' صفحہ ۲۵۳، 'فوائد الفوائد' صفحہ ۴۷]

صفحہ۶۶،انما حرم الوصول

یہ قول 'عوارف المعارف' میں موجود ہے۔ ('عوارف المعارف' صفحہ۶۶)

صفحہ ۶۶ – من عرف نفسه فقد عرف ربه.

صوفیوں کے ہاں مقبول اور مشہور حدیث ہے اور تصوف کی ساری بنیادی کتب میں موجود ہے جن میں ابوبکر کلاباذی کی کتاب التعرف، ابونصر سراج کی 'کتاب اللمع'، علی ہجویری کی 'کشف المحجوب'، امام غزالی کی احیاء علوم الدین، سیدنا شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف اور مثنوی مولانا روم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں لیکن سب سے زیادہ اور بار بار اس حدیث کو کئی حوالے سے ابنِ عربی اپنی کتاب 'فصوص الحکم' میں لائے ہیں۔ بہر حال ان سے زیادہ الفاظ کے ساتھ اس کا سراغ نہیں مل سکا۔

['فصوص الحکم' اردو صفحہ ۹۸]

صفحہ۶۶ سیاہ لباس

صوفیوں کے ہاں خرقہ پوشی یا مخصوص لباس شروع سے ہی اہمیت کا حامل رہا ہے، 'عوارف المعارف' میں ایک حدیث کے حوالے سے یہ ذکر ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں سیاہ لباس پیش کیا گیا تو آپ نے وہ ام خالد کو پہننے کے لیے دے دیا اور اُنھیں دو مرتبہ کہا کہ اسے اتنا پہنو کہ وہ پرانا اور پھٹا ہوا محسوس ہو۔ ایک مرتبہ جب آپ کی نظر اس پرانے لباس پر پڑی تو آپ نے اسے پسند فرمایا۔ 'عوارف المعارف' میں ہے کہ اہل تصوف نے رنگین لباس کو اسی لیے پسند کیا ہے کہ وہ یادِ خدا میں اتنے مشغول ہوتے ہیں کہ دوسرے کاموں کے لیے اُنھیں فرصت نہیں ہوتی۔ شیخ ضیاء الدین سہروردی ''آداب المریدین'' میں فرماتے ہیں کہ صوفی پیوند کیا ہوا لباس کئی اسباب کی وجہ سے پہنتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کم خرچ ہوتا ہے، کم پھٹتا ہے اور کئی دن چلتا ہے۔ اس کے سوا اس سے سادگی عیاں ہوتی ہے اور تکلیف میں صبر کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس طرح گرمی اور سردی میں دونوں موسموں کے لیے موزوں رہتا ہے۔ چوروں کو اس کے چرانے کی خواہش نہیں ہوتی اور بڑائی اور غرور کو پیدا ہونے نہیں دیتا۔ شاہ کریم کے متعلق جیسے 'بیان العارفین' سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گودڑی پوش تھے اور مریدوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ گودڑی اپنے طور پر ایک مکمل اوڑھنی ہے جو سیاہ رنگ کی ہوتی ہے۔ سید علی میر شاہ جو خاندانی طور پر شاہ کریم کے مرید ہیں ان کے ہاں اس قسم کی گودڑی کو دیکھنے کا موقع ملا ہے۔

['آداب المریدین' صفحہ ۲۲؛ 'عوارف المعارف' صفحہ ۱۴۲]

صفحہ ۳۳۔ سید جلال شیرازی

سید علی شیرازی (۹۵۷ ہجری ۸۷۷ ہجری) پیر مراد کے بڑے بھائی تھے۔ سید جلال علی کے فرزند تھے اور اپنے باپ کی

وفات کے بعد اپنے چچا پیر مراد (۸۹۳ ہجری ۱۴۷۸ء) کے دوسرے خلیفہ ہوئے۔ اسی برس ۹۰۳ ہجری ۱۴۹۷ء میں وفات پائی۔ سید جلال نے اپنے بیٹے کا نام سید علی ثانی رکھا جو بڑے عالم اور فاضل تھے۔ 'آداب المریدین' ان کی تصنیف ہے جو ۹۵۴ ہجری میں مکمل کی۔ آپ نے ۹۸۱ ہجری میں وفات پائی۔ ان کے بیٹے جلال ثانی بڑے مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ مرزا باقی ترکھان کے بیٹے مرزا صالح نے اپنی بیٹی کا رشتہ اس بزرگ کو دیا تھا۔ اندازہ ہے کہ شاہ کریم کی ملاقات شاہ جلال ثانی سے ہوئی تھی۔

[تحفۃ الکرام صفحہ ۶۸ ع]

صفحہ ۷۲،، ماترکت.... النساء.

فہرست تفسیر 'کشف الاسرار' میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے۔

[صفحہ ۳۶۲]

صفحہ ۷۴، العلم نقطة كثرتها فی الجهل.

'جواہر العشاق' میں اوپر دیا ہوا قول اس طرح آیا ہے. جس کا مطلب ہے کہ علم ایک نکتہ ہے اور اس کی کثرت جہل ہے۔

['جواہر العشاق' اردو صفحہ ۱۸۰]

صفحہ ۷۶، قاضی قادن [وفات ۹۵۸ ہجری ۱۵۵۱ء]

قاضی قادن کا ذکر سب سے پہلے میر معصوم نے 'تاریخِ معصومی' میں کیا ہے. جس کے مطابق وہ ایک بڑے عالم و فاضل اور مدبر شخص تھے اور سید محمد جونپوری کے مریدوں کے سلسلے میں داخل تھے۔ ۹۲۶ھ میں جب شاہ بیگ ارغون نے ٹھٹھہ شہر پر قبضہ کیا تو قاضی قادن کی وہاں پر ان سے ملاقات ہوئی۔ جنگ کی وجہ سے ٹھٹھہ شہر میں قتل و غارت عام تھا۔ قاضی قادن کی کوششوں سے امن و امان قائم ہوا اور آخر میں قاضی قادن نے شاہ بیگ کا اعتماد حاصل کر لیا سنہ ۹۲۷ ہجری میں شاہ بیگ نے اسے سکھر کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ شاہ بیگ کی وفات کے بعد شاہ حسن کا بھی اس پر بھروسہ رہا لیکن ۹۴۷ ہجری میں قاضی القضاۃ کا عہدہ چھوڑ کر حج پر روانہ ہوئے اور وہاں پر ہی وفات پا گئے۔ یہ عجیب بات ہے کہ میر معصوم جو خود بکھر کا رہنے والا تھا اور فارسی کا شاعر تھا اس نے قاضی قادن کی سندھی شاعری کے متعلق کوئی بھی اشارہ نہیں کیا ہے۔ بہر حال یہ گلزارِ ابرار کا مصنف محمد غوثی مانڈوی تھا جس نے (۱۰۲۲ ہجری ۱۶۱۳ء) میں لکھی ہوئی اپنی کتاب میں قاضی قادن کے وحدت الوجودی اور صوفی شاعر ہونے کے متعلق لکھا۔ جس طرح مقدمے میں یہ بات عرض کی گئی ہے کہ غوثی نے احمد آباد برھان پور میں رہنے والے سندھی بزرگ شیخ عیسیٰ جند اللہ پاتائی ثم برہانپوری سے تعلیم حاصل کی اور پھر اس کا بڑا معتقد بن گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی قادن کے چاروں سندھی بیت جن کا ترجمہ اس کتاب میں آپ نے دیا وہاں کے سندھی بزرگوں سے سنا ہوگا۔ گلزارِ ابرار کے بعد بیان العارفین دوسری کتاب ہے

جس میں قاضی قادن کے سات ابیات ملتے ہیں، جو شاہ کریم نے اپنے مریدوں کے سامنے پڑھے۔ ۱۹۷۸ء میں بھارت کے صوبے مشرقی پنجاب میں پرانی دیوناگری رسم الخط میں لکھے ہوئے قاضی قادن کے مزید اشعار ملے جن پر ڈاکٹر بلوچ کی مزید تحقیق سے اس بات کی تصدیق ہوئی کہ وہ اعلیٰ پائے کا صوفی شاعر تھا۔

[قاضی قادن کا رسالہ صفحہ ۱۶،۲۲، تحفۃ الکرام صفحہ ۳۶۳، تاریخ معصومی، سندھی ۲۴]

صفحہ ۴۱ 'کشف الاسرار'

کشف الاسرار نامی کئی کتابوں کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا رومی نے اپنی مثنوی کو بھی 'کشف الاسرار' کہا ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہاں پر اس سے مراد فارسی کے عظیم صوفی شاعر فرید الدین عطار کی تصنیف تذکرۃ الاولیا ہے جو نثر میں ہے۔ فرید الدین عطار نے 'تذکرۃ الاولیا' کے دیباچے میں 'کشف الاسرار' کا نام لیا ہے۔

['تذکرۃ الالیاء' فارسی، دکتر استعلامی، صفحہ سیزدہ،]

صفحہ ۴۶۵، الجوع طعام اللہ فی الارض۔

اس قول کے متعلق مثنوی رومی میں کئی اشعار موجود ہیں بالکل اسی معنی کے مندرجہ ذیل اشعار ہیں:

جوع رزق جان، خاصان خداست

کہ زبوں ھمچو تو گیج گداست

ترجمہ: بھوک خدا کے خاص بندوں کا رزق ہے۔ یہ تجھ جیسے بے وقوف فقیر کے قابو میں کس طرح آئے گی؟

رسالہ غوث الاعظم کی شرح 'جواہر العشاق' میں سید حسینی گیسو دراز نے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فقیروں کا طعام یا قوتِ جمالِ الٰہی دیکھنا یا ان کا اپنا خدا سے کلام کرنے میں ہے۔

['جواہر العشاق' صفحہ ۵۳ جلد ۵، شعر ۲۸۴۵]

صفحہ ۴۹، تجرید اور تفرید

صوفیوں کی عام اصطلاحیں ہیں جن پر مقدمے میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ عطار کے پندنامہ میں مندرجہ ذیل اشعار ملتے ہیں۔

ترک دعویٰ ہست تجرید اے پسر	ہر ایک قسم کے دعوےٰ سے دور رہنا تجرید ہے اے بیٹا۔
فہم کن معنیٰ تفرید اے پسر	اس طرح تفرید کے معانی سمجھنا اے بیٹا۔
اصلِ تجریدت وداع شہوت است	اصل میں تجرید شہوت کو چھوڑنے کا نام ہے۔
بلکہ کلی انقطاع شہوت است	بلکہ شہوت سے مکمل طور پر گریز کرنا تجرید ہے۔
گر تو برداری ز غیرش اے اعتمید	جب تم ہر غیر پر اعتماد کرنا چھوڑ دو گے۔
آنگہ از تجرید گردی با امید	تب تم تجرید کو حاصل کرنے کی امید رکھ سکتے ہو۔

اعتمادت چوں ہمہ برحق بود	جب تمھارا مکمل بھروسہ ذاتِ حق پر ہوگا۔
آن دمت تفرید جاں مطلق بود	تب تمھیں تفرید کی مکمل ریت خبر ہوگی۔
گر ز دنیا دست شوئی بہرِ حق	جب تم خدا واسطے دنیا سے تعلق توڑ دوگے۔
وانگہ از تفرید گویندت سبق	تب تمھیں تفرید کا پہلا سبق حاصل ہوگا۔
گر بیابی از سعادت این مقام	جب خوش قسمتی سے تمھیں یہ مقام حاصل ہو۔
صاحبِ تجرید باشی والسلام	تو صاحبِ تجرید ہوگا۔ اللہ حافظ۔

['پند نامہ' عطار ۴۴-۴۵]

صفحہ ۵۱۔ فصوص اور لمعات:

ان دونوں کتابوں کے متعلق مقدمے میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

رونقی وجود کن کہ یابی

سری کہ نیابی در فصوص و لمعات

جامی کی رباعی کی یہ دو آخری سطریں ہیں۔ مقدمے میں مکمل رباعی دی ہوئی ہے۔ مولانا جامی نے عراقی کی کتاب لمعات کی جو شرح اشعہ اللمعات کے نام سے کی ہے۔ اس کا اختتام اوپر دی ہوئی رباعی پر ہوتا ہے۔

['اشعۃ اللمعات' ص ۲۱۴]

صفحہ ۵۵، من مدحک فقد ذبحک.

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ مثنوی رومی میں یہ شعر ملتا ہے:

'مدح' باشد در حقیقت ھمچو قتل'

ترجمہ: تعریف کرنا درحقیقت قتل کے برابر ہے۔

[احادیثِ قصص مثنوی صفحہ ۸۵]

صفحہ ۵۵۔ کن فی الدنیا .... اصحاب القبور.

[حدیث بحوالہ کشف الاسرار صفحہ ۳۵۲]

صفحہ ۵۸ نجاالمخففون وھلک المثقلون.

یہ قول مالک بن دینار کی طرف منسوب ہے۔ اس نے یہ الفاظ تب کہے جب ایک مرتبہ بصرہ میں آگ لگی اور لوگوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔

['تذکرۃ الاولیا' صفحہ ۵۴]

صفحہ ۹۰ الفقر فخری

صوفیوں کے ہاں مشہور حدیث ہے۔ عطار نے تذکرہ میں ایک مرتبہ اور مولانا رومی نے مثنوی میں کئی مرتبہ ذکر کیا ہے۔ سلسلۂ قادریہ کے صوفیوں کے ہاں فقر کی بڑی اہمیت ہے۔ غوثِ اعظم کے الہامات میں فقر کی عظمت بہت زیادہ ہے۔ ایک جگہ پر ہے کہ اے غوثِ اعظم اپنے دوستوں کو بتا کہ فقیر میرے ہاں ہیں میں فقیروں کے پاس ہوں۔

[رسالہ غوث الاعظم' جواہر العشاق' ۱۲۹]

صفحہ ۹۱۔ ہماں مردی تمام است در تمامی

اس شعر کے متعلق مقدمے میں وضاحت کی گئی ہے۔

صفحہ ۹۳

دریا دلیم دیدہ ما معدن در است
گر دست ن تہی ست ولی چشم من پر است

ڈاکٹر بلوچ کا خیال ہے کہ غالباً یہ شاہ کریم کا اپنا فارسی شعر ہے لیکن ہماری تحقیق کے مطابق یہ مغل شہنشاہ ہمایوں کا شعر ہے:

گردست میں تھیست ولی چشم من پراست
دریاء دل من است کہ آں پرز گوہر است

سید صباح الدین عبدالرحمان رقمطراز ہیں کہ اُنھوں نے ہمایوں بادشاہ کا دیوان پٹنہ کالج کے فارسی کے ایک استاد کے پاس دیکھا تھا۔ ہمایوں کی کئی رباعیات بھی ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ شعر مخزن الغرائب میں سندیلوی نے بھی دیا ہے۔

[بزمِ تیموریہ، ص ۵۵ مخزن الغرائب ص ۳۴۷ سندھی زبان وادب جي تاریخ ڈاکٹر بلوچ صفحہ ۳۱۴]

صفحہ ۹۳۔ طالب کی کوئی انتہا نہیں

اسی مفہوم میں شاہ لطیف کا مندرجہ ذیل بیت نہایت ہی معنی خیز ہے:

نکا ابتدا عبد جي نکا انتها
جن سجاتو پرین سي وڃڻ کي ويا

ترجمہ: 'عبد' یعنی بندے کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ جنھوں نے اپنے محبوب کو پہچان لیا ان کے لیے کوئی سرحد نہیں۔

[شاھ جو رسالہ سرکلیان ۲۱]

تذکرۃ الاولیا میں ہے کہ ذوالنون مصری کی راہ جاتے ہوئے ایک عورت سے ملاقات ہوئی جس نے سوال پوچھا کہ محبت کی انتہا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ محبت کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ محبوب کی انتہا نہیں ہے۔

['تذکرۃ الاولیا' ۱۳۶]

صفحہ۹۵۔ترک دنیا

صوفی ادب میں اس موضوع پر بہت زیادہ مواد موجود ہے۔فارسی میں ایک شعر کے ذریعے درج بالا تصور کی وضاحت کی جاسکتی ہے۔

سر برہنہ نیستم دارم کلاہ چار ترک

ترک دنیا، ترک عقبیٰ، ترک مولیٰ، ترک ترک

ترجمہ: یعنی دنیا اور آخرت کو نفسانی خواہشات سمجھ کر ترک کیا ہے۔ترک مولیٰ سے مراد رضائے مولا از ہمہ اولی ہے۔ البتہ ترک ترک کا مطلب حرس وہوس کو ترک کرنا ہے۔

[فقر نامہ' اردو لاہور صفحہ۳]

صفحہ۹۶۔الموت جسر............الی الحبیب

یہ حدیث یحیٰی بن معاذ کے حوالے سے تذکرۃ الاولیا میں آئی ہے اور رومی کے ہاں بھی مثنوی میں ملتی ہے۔

جب شاہ عبداللطیف کے والد شاہ حبیب کا انتقال ہوا تو شاہ لطیف کے معتقد مولانا محمد صادق نقشبندی نے اس حدیث کے ساتھ یوصل الحبیب للقاء الحبیب کے الفاظ ملا کر شاہ حبیب کی وفات کا سنہ ۱۱۴۴ھ نکالا۔

یہ حدیث معین الدین چشتی اجمیریؒ کے ملفوظات دلیل العارفین میں بھی ملتی ہے۔

['شاہ جو رسالو ڈاکٹر بلوچ' ۳۲، 'تذکرۃ الاولیا' ۳۶۴' دلیل العارفین'، اردو لاہور صفحہ ۱۲۵]

ص-۹۷، من زار حی ولم یرزقه شیئا فکانما زار میتا

یہ حدیث ہے۔

ص-۹۷،الانسان عبید الاحسان

یہ مقولہ ہے۔

صفحہ ۹۷ تارک الورد ملعون وصاحب الورد ملعون

سیر الاولیا میں بھی یہ قول آیا ہے جس کے مطابق کسی شخص نے حضرت نظام الدین اولیا سے اس کا مطلب پوچھا تو آپ نے اس کی تشریح دی۔

['سیر الاولیا' صفحہ ۶۷۹،'فوائد الفوائد'، صفحہ ۲۲۰]

ص ۹۷ ، اقتلوا الموذیات قبل الایذاء

صفحہ۹۹، کلما خطر ببالک والله بخلاف ذالک.

شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن شہریار گازرونی وفات ۴۲۶ھ کی طرف یہ قول منسوب ہے جو دراصل رسول کریم ﷺ نے

خواب میں آپ سے توحید کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مکمل قول اس طرح ہے: التوحید کل ببالک او خطر فی خیالک فاللہ سبحانہ بخلاف ذالک التوحید ان تنزہ عن الشرک والتعطیل. یعنی جو کچھ بھی تمھارے خیال میں آئے خدا کی ذات اس سے مختلف ہے۔ توحید یہ ہے کہ خدا کو شرک اور وہم سے پاک سمجھنا۔

[تحفۃ الابرار صفحہ ۳]

صفحہ ۱۰۴، الدنیا جیفۃ وطالبھا کلاب.

صوفیوں کے ہاں بہت مشہور حدیث ہے۔ 'مثنوئ رومی' میں اس پر کئی اشعار موجود ہیں۔ شاہ لطیف نے ابھی اپنے اشعار میں اسے تضمین کے طور پر استعمال کیا ہے۔

[احادیثِ مثنوی ۵۸۰]

صفحہ ۱۰۴، سر منڈوانا

چشتی بزرگوں کے ہاں سر منڈوانا بیعت میں لازمی ہے۔ نظام الدین اولیا کے متعلق مذکور ہے کہ، جب وہ اپنے مرشد فریدالدین گنج شکرؒ کے پاس پہنچے تو بدرالدین اسحاق نے آپ کو اپنا سر کو منڈوانے کا حکم دیا۔

[سیر الاولیا ۲۱۵]

صفحہ ۱۰۵، ورد وظائف

صوفیوں کے ہاں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ سب سے پہلے ابو طالب مکی کے قوت القلوب میں ملتے ہیں جہاں نہایت تفصیل سے بیان کیے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں بھی کافی تفصیل کے ساتھ دیئے ہیں۔ وظائف میں اکثر طور پر زندگی کے ہر قسم کے معمولات کے لیے دعائیں شامل ہیں جن میں طہارت سے لے کر ہر قسم کی نمازوں اور شب بیداری کے اعمال بھی آ جاتے ہیں۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی طرف بھی اس سلسلے میں ایک علاحدہ رسالہ 'الاوراد' منسوب ہے۔ سیر الاولیا میں فریدالدین گنج شکر اور نظام الدین اولیا کے ورد وظائف نہایت تفصیل سے موجود ہیں۔ ان میں بہت کم باہم ایک جیسے ہیں ورنہ زیادہ طور پر وہ مختلف ہیں۔

صفحہ ۱۱۰، فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون.

یہ آیت عوارف المعارف میں صوفیوں کے روزانہ معمولات کے تحت مذکور ہے۔ قرآن و حدیث کی دعاؤں پر مشتمل کتاب 'حصن حصین' جو امام محمد الجزری، کی مرتب کی ہوئی ہے اس میں بھی یہ دعا موجود ہے۔ نظام الدین اولیا بھی یہ

آیت دن میں خاص طور پر صبح کے وقت پڑھتے تھے۔

[’عوارف المعارف‘ ۳۹۶ سیر الاولیا ۵۸۰]

صفحہ ۱۱۴، شیخ شبلی، وفات ۳۳۴ ہجری ۹۴۲

آپ جنید بغدادی کے شاگرد تھے۔ تذکرۃ الاولیا میں ان کی طرف بہت زیادہ حکایتیں منسوب ہیں اور یہ واقعہ بھی وہاں سے لیا ہوا ہے۔ تذکرے میں یہ حکایت بھی ہے کہ جب آپ کا آخری وقت قریب آیا ہوا تو کہنے والوں نے کہا کہ لا الہ الا اللہ پڑھو تو جواب دینے لگے کہ جب غیر ہے ہی نہیں تو کس بات کی نفی کروں۔

[’تذکرۃ الاولیا‘ فارسی صفحہ ۶۲۱، ۶۳۷]

صفحہ ۱۱۵، فقیر کس طرح خدا کو یاد کرے

تذکرے میں شبلی کے حوالے سے درج ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ فقیر کون ہے، تو فرماتے لگے کہ فقیر وہ ہے جو خدا کے سوا کسی دوسری چیز سے خوش نہ ہو۔

[’تذکرۃ الاولیا‘ فارسی ۶۳۳]

صفحہ ۱۱۷، مخدوم ساہڑ، وفات [۹۸۰ ہجری ۱۵۵۰ء]

مخدوم ساہڑ لنجار کے متعلق ’تحفۃ الکرام‘ میں لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ عبادات میں مشغول رہتے تھے اور دن رات کا کوئی بھی لمحہ یادِ خدا سے غافل نہیں رہتے تھے۔ آپ انڑ پور میں مدفون ہیں۔

[حدیقۃ الاولیا صفحہ ۱۲۱، تحفۃ الکرام صفحہ ۳۹۱]

صفحہ ۱۱۷، مخدوم بلال ٹلٹی والے وفات [۹۲۹ ہجری ۱۵۲۲ء]

سمہ دور کے مشہور صوفی بزرگ ’سیر العارفین‘ کے مصنف جمالی نے جب آپ سے ملاقات کی تو آپ کے پاس ’عوارف المعارف‘ رکھا ہوا تھا۔ کچھ عرصے سے مخدوم بلال کو شہید کے طور پر پیش کیا گیا ہے لیکن اس کی کوئی بھی تاریخی روایت نہیں ملتی ہے۔

[’حدیقۃ الاولیا‘ صفحہ ۷۹-۸۱ ’تحفۃ الکرام‘ صفحہ ۳۵۹

مخدوم نوح کے معاصر، محبوب علی چنہ ۱۳]

صفحہ ۱۱۹، میراں محمد جونپوری [۸۴۷ ہجری ۱۴۴۳ء/ ۹۱۰ ہجری ۱۵۰۴ء]

آپ بنارس کے شہر جونپور میں پیدا ہوئے تھے۔ شیخ دانیال چشتی کے مرید اور خلیفہ تھے لیکن بزرگی میں اتنے مشہور ہوئے کہ مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ گجرات کے راستے بکھر سندھ میں داخل ہوئے۔ سندھ کے حکمران جام نندہ اور

عالمِ وقت نے خاص طور پر مخدوم بلال نے ان کی مخالفت کی تاہم سندھ کے کئی بزرگ آپ کے حلقۂ اثر میں داخل ہو گئے جن میں خاص طور پر کلہوڑہ کے جد امجد آدم کلہوڑہ، قاضی قادن اور میران یوسف بکھری جنھوں نے بعد میں ٹھٹھہ میں سکونت اختیار کی، شامل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کریم کو مہدوی طریقے کے بزرگوں کے لیے احترام تھا جن کے ایک سوال کے جواب میں وضاحت بھی کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب نامعلوم شخص ابراہیم بہاری جس سے آپ کی کسی گاؤں کی مسجد میں اچانک ملاقات ہوئی، اُنھیں اپنا مرشد سمجھ کر خدمت کی اور اس نے جب آپ سے مشہور ومعروف بزرگوں کے متعلق معلوم کیا تو آپ نے یوسف رضوی بکھری کا نام لیا۔ اس طرح قاضی قادن اپنے دور میں مہدوی نسبت سے مشہور تھے۔ میر معصوم نے آپ کا حوالہ دیتے ہوئے یہ وضاحت کی۔

[قاضی قادن جو رسالہ، صفحہ ۲۳، 'تاریخ معصومی' ۲۴۰، 'گلزار ابرار' صفحہ ۲۷]

صفحہ ۱۲۳، شیخ عبدالقادر جیلانی [۴۷۱ھ/ ۱۰۷۸ء ۵۶۱ھ/ ۱۲۲۷ء]

سب سے اولین اور مقبول ترین سلسلۂ قادریہ آپ کی طرف منسوب ہے۔ خاص طور پر برصغیر میں اسے سب سے زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ آپ کی مشہور تصنیفات میں فتح الربانی 'غنیۃ الطالبین' اور 'فتوح الغیب' شمار کی جاتی ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو پیرانِ پیر اور غوث اعظم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ اس لیے کہ سہروردی سلسلے کے سرخیل شہاب الدین سہروردی جنھوں نے اپنے چچا شیخ ابو نجیب سہروردی سے فیض حاصل کیا تھا وہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بھی فیض یافتہ تھے بلکہ مستند روایت ہے کہ جب شیخ شہاب الدین سہروردی ابھی نوجوان تھے تو آپ کے چچا اُنھیں شیخ عبدالقادر جیلانی کے پاس لائے، جنھوں نے ان پر نظرِ شفقت کی۔ دنیائے اسلام کے بڑے مفکر صوفی شیخ اکبر ابن عربی نے 'فتوحات مکیہ' میں شیخ عبدالقادر جیلانی کی حیثیت سب ولیوں پر تسلیم کی ہے۔ اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ آپ کے ''قطب'' ہونے کا بھی اقرار کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ غوثِ اعظم کی 'اویسی نسبت' بھی مسلّم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قادری خود کو اویسی کہلاتے ہیں۔ جیسے شاہ کریم خود کو 'اویسی' کہلانا پسند کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق ہندستان میں چشتیہ سلسلے کے بانی خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرشد خواجہ عثمان ہارونی بغداد میں شیخ عبدالقادر جیلانی کی صحبت میں رہے تھے۔

['فصوص الحکم' صفحہ ۲۷ اور ۴۳، 'ہشت بہشت' صفحہ ۶۳، لمعات اردو۔ صفحہ ۱۶۸]

صفحہ ۱۲۴، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی [۵۷۸ھ/ ۱۱۸۲ء - ۶۶۱ھ/ ۱۲۲۲ء]

شیخ بہاء الدین نے شیخ عمر بن محمد شہاب الدین سے براہِ راست فیض حاصل کیا جن کی صحبت میں وہ صرف سترہ دن رہے لیکن شیخ نے آپ کی روحانی اہلیت دیکھ کر اپنا خلیفہ بنایا اور واپس ملتان جانے کی ہدایت فرمائی بلکہ واپسی پر

اُنھیں نوح بکھری سے ملاقات کرنے کا بھی کہا جس کا ذکر مقدمے میں بھی ہو چکا ہے۔ روایت ہے کہ غوث بہاء الدین کا ملتان اور سندھ پر اتنا اثر تھا یعنی اتنے مرید تھے کہ شیخ فرید گنج شکرؒ اس حصے کو شیخ بہاء الدین کا علاقہ کہتے تھے۔ آگے چل کر شیخ بہاؤ الدین کی اولاد سے کئی بزرگ سندھ کے مختلف شہروں میں آ باد ہوئے اور جن میں سے کئی بزرگوں کے نام ''تحفۃ الکرام'' میں دیئے گئے ہیں۔ 'حدیقۃ الاولیا' جو سندھ کے صوفی بزرگوں کے متعلق پہلا تذکرہ ہے جو ۱۰۱۶ ہجری میں لکھا گیا۔ اس کے مصنف عبدالقادر نے سب سے پہلے بہاء الدین زکریا ملتانی کا احوال دیا ہے۔

['حدیقۃ الاولیا' صفحہ ۱۷، ۲۱، سندھی زبانء
ادب جي تاريخ، ڈاکٹر بلوچ، صفحہ ۱۲۷]

صفحہ ۱۲۵، فقر کا حرفی اشتقاق

فقر قادری صوفیوں کے ہاں نہایت اعلیٰ مقام ہے۔ لفظ 'فقر' کے حروف پر مشتمل شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف منسوب مندرجہ ذیل اشعار نہایت معانی خیز ہیں۔

فاءَ الفقیر فناءَ فی ذاتہ
وفراغہ عن نعتہ وصفاتہ
والقاف قوۃ قلبہ لحبیبہ
وقیامہ اللہ فی مرضاتہ
والیاء یرجو ربہ ویخافہ
ویقوم بالتقوی بحق تقاتہ
والراء رقتہ قلبہ وصفاتہ
ورجوعہ اللہ عن شھواتہ

[سندھ کے اکابرین قادریہ کی علمی ودینی خدمات صفحہ ۱۹۸]

صفحہ ۱۲۶، العارف لاینظر غیرہ ولا یسمع غیرہ ولا یتفکر غیرہ

اسی سلسلے میں ایک دوسرا قول اس طرح ہے: مارایت شیٔا الا وقد رایت اللہ فیہ۔

یعنی: میں نے اور کوئی چیز نہیں دیکھی مگر میں نے اس کے اندر اللہ کو دیکھا۔ یہ قول محمد بن واسع کا ہے۔

['کشف المحجوب' صفحہ ۲۳۹]

شیخ بھرکیہ ۱۲۶، [وفات ۹۹۸ ہجری/۱۵۹۰ء]

آپ کا احوال اور کرامات 'حدیقۃ الاولیا' اور 'تحفۃ الکرام' میں موجود ہیں بلکہ 'تحفۃ الکرام' والے مصنف نے

'بیان العارفین' کے حوالے سے اضافہ بھی کیا ہے جو آگے آئے گا۔

['حدیقۃ الاولیا' صفحہ ۱۷۵، 'تحفۃ الکرام' صفحہ ۴۰۴، ۴۰۶]

صفحہ ۱۲۷، من یقول اللہ لا یعرف اللہ ومن یعرف اللہ لا یقول اللہ.

اسی مفہوم میں صوفیوں کے ہاں ایک اور قول بھی مشہور ہے جو حضرت جنید بغدادیؒ سے منسوب ہے۔

من عرف الله كل لسانه.

یعنی: جس نے خدا کو پہنچانا اس کی زبان خاموش ہو جاتی ہے۔

['کشف المحجوب' فارسی صفحہ ۵۱۵]

صفحہ ۱۳۰، شیخ جھنڈو پاتنی

میر علی شیر قانع کی تحریر کے مطابق آپ میران محمد جونپوری کے فیض یافتہ تھے۔ اس نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ کس طرح میران مہدی ان پر مہربان ہوئے۔ آپ کی درگاہ مکلی میں نہایت مشہور زیارت گاہ ہے۔

['تحفۃ الکرام' صفحہ ۴۶۰]

صفحہ ۱۳۴، جاموٹ جعفر سمہ

صفحہ ۱۳۴، ملا ہارون 'تحفۃ الکرام' صفحہ ۴۰۲]

صفحہ ۱۳۸، الجاہ جیفتہ طالبھا کلاب

صفحہ ۱۴۰، سید لوڈیہ 'تحفۃ الکرم'

صفحہ ۱۴۱، شیخ جیو

میر علی شیر قانع نے مکلی کے بزرگان میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ شیخ جیو، شیخ نعمت اللہ کا فرزند تھا جو بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے تھے۔ وہ سمہ دور میں سندھ میں آئے اور یہاں سکونت اختیار کی۔ آپ کے مزار پر مخلوق کی پُر ہجوم رجوعات رہتی تھیں اسی وجہ سے آپ کو «شيخ جيو مڪلي جو ڏيئو» یعنی شیخ جیو مکلی کے چراغ، کہتے تھے۔

['تحفۃ الکرام' صفحہ ۶۱۰]

صفحہ ۱۵۶، عالمی چیست برزخی جامع

مقدمے میں وضاحت کی گئی ہے کہ یہ اصل میں مولانا جامی کا شعر ہے جو 'مثنوی سلسلۃ الذہب' سے لیا گیا ہے۔ صحیح شعر میں عالمی کے بجائے 'آدمی' ہے یعنی:

آدمی چیست برزخی جامع

اسی مثنوی میں اس نظریے کی مزید وضاحت میں مندرجہ ذیل مصرے بھی آئے ہیں۔

گشت آدم جلائی این مرات
شد عیاں ذات او بجملہ صفات
مظہری گشت کلی و جامع
سرِّ ذات و صفات او لامع

ترجمہ: آدم اس کی بار بار چمک ہے۔اس میں وہ ذات تمام صفات سے عیاں ہوئی ہے۔آدم اس ذات کا تمام اور مکمل مظہر ہے۔آدم سے ان کی ذات اور صفات کا راز عیاں ہوتا ہے۔

انسان کے متعلق یہ نظریہ اصل میں ابن عربی نے اپنی مشہور کتاب 'فصوص الحکم' میں دیا ہے جہاں وہ انسان کو خلق اور حق کا برزخ کہتا ہے اور کہتا ہے کہ انسان کے وجود سے یہ عالم مکمل ہوا اسی لیے انسان اس جہاں میں انگوٹھی کا نگینہ یعنی فص ہے۔کتاب کے اندر مکمل ستائیس فصوص ہیں جو حضرت آدم سے لے کر حضرت محمدﷺ تک ہیں۔ہر ایک فص ایک نبی کے حوالے سے ہے جس کے مطابق وہ انسان کے متعلق خدا کی حکمت کی وضاحت کرتا ہے۔

[مثنوی 'سلسلۃ الذہب' ہفت اورنگ جامی: صفحہ ۶۸ ،'فصوص الحکم'، صفحہ ۶۰ اور ۲۵۷]

صفحہ ۱۵۶، ہمہ اوست

ہمہ اوست کی عام فہم تشریح مولانا جامی نے مندرجہ ذیل رباعی میں کی ہے۔

ہمسایہ و ہم نشین و ہمرہ ہمہ اوست
در دلق گدا و اطلس و شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہان خانہ جمع
باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

یعنی: نزدیک رہنے والا ساتھ بیٹھنے والا، ساتھ چلنے والا سب کچھ وہ ہے۔گدا کی گودڑی میں اور شاہی لباس میں سب وہ ہی ہے۔'فرق' کی مجلس ہو یا 'جمع' درون خانہ خدا کی قسم سب وہ ہے۔دوبارہ خدا کی قسم، سب وہ ہے۔

['لوائح'، مولانا جامی بکوشش محمد حسین تسبیحی، صفحہ ۴۳]

صفحہ ۱۵۶، آم کی گٹھلی کی مثال

مثنوی رومی میں وہی تشریح اس شعر میں آئی ہوئی ہے۔

پس بمعنی آن شجر از میوہ زاد
گر بصورت از شجر بودش ولاد

[دفتر چہارم-۵۲۴]

صفحہ ۱۵۶

آن پادشاہ اعظم دربستہ بود محکم
پوشیدہ دلق آدم ناگاہ بر سر آمد

یہ شعر لمعات عراقی میں ۲۴ لمعہ کے تحت درج ہے۔اس کے متعلق مقدمے میں مزید وضاحت کی گئی ہے۔

[لمعات عراقی بکوشش سعید نفیسی، ۱۳۳۶،]

صفحہ ۱۵۸، روا باشد (انا الحق) از درختی

یہ شعر 'گلشنِ راز' سے لیا ہوا ہے جس کے متعلق مقدمے میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

صفحہ ۱۵۶، خدا ذات کی وجہ سے احد ہے اور صفات کی وجہ سے واحد

مقدمے میں اس قول کی طرف اشارہ ہو چکا ہے تاہم یہ ایک بڑی اور پیچیدہ بحث ہے۔ جس پر ابن عربی نے فصوص الحکم میں ایک سے زیادہ جگہوں پر روشنی ڈالی ہے۔ خدا ذات کی وجہ سے کس طرح احد ہے اس پر حکمت احدیت بکلمہ ہود یہ میں بحث کیا ہوا ہے۔ایک شعر میں کہتا ہے کہ:

وما خلق تراہ العین' الاعینہ حق.

یعنی: جتنی بھی مخلوق آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے ان سب کا عین حق تعالیٰ ہے۔

اس سلسلے میں پانی کی مثال دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ جس طرح پانی حقیقت کے لحاظ سے ایک ہے لیکن مختلف جگہوں اور حالتوں کی وجہ سے اس کے ذائقے میں فرق آجاتا ہے۔ کہیں میٹھا تو کہیں کڑوا لیکن ہے وہی پانی جس کی ماہیت ایک ہے۔ خدا صفات کی وجہ سے واحد ہے، اس پر فص حقیہ بکلمہ اسحاقیہ میں بحث کی ہوئی ہے۔ایک شعر میں کہتے ہیں کہ:

والواحد الرحمان فی کل مؤطن. من الصور مایخفیٰ وما ھو ظاھر.

یعنی وہ واحد رحمان رحیم ہر ہر جگہ پر ہے۔ کچھ صورتوں میں وہ مخفی ہے تو کچھ میں عیاں۔

فان قلت ھذاالحق قد قلت صادقاً. وان قلت امرا خرانت عابر.

یعنی پھر اگر تم اسے حق کہو تو بے شک تم سچے ہو لیکن اگر تم کہو کہ یہ بات ہی اور ہے تو گویا تم اپنی تعبیر پیش کرتے ہو۔

['فصوص الحکم' صفحہ ۱۲۰ اور ۱۴۴]

صفحہ ۱۵۸، مختلف رنگ کی بوتلوں میں پانی ڈالا جائے تو.........

یہ تشبیہ بھی اصل میں ابنِ عربی نے 'فصوص الحکم' میں دی ہے جہاں سے بعد میں عراقی نے لمعات میں، جامی نے 'اشعۃ اللمعات' اور دوسری جگہوں پر اسے نقل کیا ہے۔اصل عبارت: لون الماءِ لون انائہ پانی کا رنگ برتن کا رنگ ہے۔

[لمعات صفحہ ۳۸۳، 'فصوص الحکم' صفحہ ۲۹۰]

صفحہ ۱۵۸، خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے ارادہ کیا...... آئینہ کہ جیسے خود کو اس میں دیکھوں

یہ نظریہ ابن عربی نے پہلی فص یعنی فصِ آدم میں نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں فارسی کے نامور شعراء نے بھی اس خیال کو کسی نہ کسی طرح بیان کیا ہے۔

[فصوص الحکم، ص ۴۰]

صفحہ ۱۵۹، الآن کما کان یعنی وہ اس طرح ہے جس طرح تھا

یہ حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے جو اکثر طور پر صحیح بخاری کی حدیث 'کان اللہ ولم یکن معه شيئا'، یعنی اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز نہ تھی کی شرح کے طور پر آتا ہے۔ یہ تشریح ابن عربی نے فتوحات مکیہ کی پہلی جلد میں کی ہے لیکن وہاں "وھو الآن علیٰ ماعلیه کان" یعنی خدا تعالیٰ اب بھی ان صفات سے موصوف ہے جن سے پہلے تھا کے الفاظ لاتا ہے۔ وہ کان اللہ سے مراد صفاتِ الٰہی لیتا ہے اور نہ ذاتِ الٰہی اس طرح 'الآن' سے مراد ہے کہ وہ ذات ہر لحاظ سے کامل مکمل ہے۔ ناقابلِ تغیر ہے۔ وہ کسی بھی لحاظ سے ناقص نہیں کیونکہ ناقص کم یا زیادہ ہوسکتا ہے۔

مولانا رومیؒ نے اس حدیث کی نہایت خوب صورت تشریح اس طرح کی ہے:

در اثر افزوں شد در ذات نی
ذات را افزونی و آفات نی
حق را ایجاد جہاں افزوں نشد
آنچہ اول آن نبود اکنوں نشد

ترجمہ: اس نے اپنے اثرات بڑھادیئے اور نہ ذات کو۔ اس کی ذات کو نہ بڑھاوا ہے نہ کمی۔ جہاں کو وجود میں لانے سے حق میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔ وہ جس طرح پہلے نہ تھا اب بھی دوسری طرح نہیں (اس طرح ہے جس طرح پہلے تھا)۔

[دفتر چہارم: ۱۶۶۵-۱۶۶۶]

گیارھویں صدی ہجری اور سترھویں صدی عیسوی میں سندھ کے صوفی شاعر شاہ لطف اللہ قادری نے اس قول کی تشریح مندرجہ ذیل انداز میں کی ہے۔

سيئي وهيا واهڙ، اُڏمئو مهراڻ
ذات مڙوني هيڪڙو، نڪو ات چوڻ نه چاڻ
الآن ڪما ڪان، ونو وچان ئي ہاڻ
جي ہروڙين ہاڻ، ته ہرين ري ڪين ہسين

ابن عربی 'فصوص الحکم' یا فتوحاتِ مکیہ میں 'ذات کی احدیت' کے متعلق اس حدیث سے بار بار دلیل لاتا ہے۔ اس طرح جامی بھی لوائح میں اس سے استدلال کرتا ہے۔

['لوائح'، صفحہ ۳۷، 'فصوص الحکم'، صفحہ ۱۵۰ جو 'مثنوی معنوی' صفحہ ۵۶۰، 'فتوحات مکیہ' صفحہ ۱۵۲، ۸۱ شاہ لطف اللہ قادری جو رسالہ مرتب ڈاکٹر بلوچ صفحہ ۵۸]۔

صفحہ ۱۶۰، لا فاعل فی الوجود الا اللہ.

موجودات کے اندر ذاتِ خدا کے سوا اور کوئی فاعل نہیں۔

فتوح الغیب کے مقالہ الثالث میں اس طرح کے الفاظ ملتے ہیں۔

ان لا فاعل فی الحقیقة الا اللہ ولا محرک ولا مسکن الا اللہ. یعنی موجودات میں ماسوائے اللہ کے کوئی حقیقی متصرف یا فاعل نہیں۔ اس کے سوا کوئی نہیں حرکت دینے والا اور نہ کوئی سکون دینے والا ہے'۔

بہر حال صوفیوں کے ہاں اسی طرز پر دوسرے بھی کئی اقوال ملتے ہیں۔ مثلاً لا موجود الا هو، لا مقصود الا اللہ، لا متصرف فی الوجود الا اللہ وغیرہ۔ ابنِ عربی کی فتوحات میں یہ عبارت لکھتا ہے۔

فسبحان من لا فاعل سواه، ولا موجود نفسه الا اياه.

یعنی پاک ہے وہ ذات جس کے سوا کوئی فاعل نہیں ہے اور کوئی اپنے طور پر موجود نہیں، ماسوائے اس ذات کے جو وہ خود ہے۔

ابن عربی اپنے اس خیال کی تائید میں فوری طور پر قرآن کی یہ آیت "والله خلقكم وما تعملون"، یعنی اللہ تمھارا پیدا کرنے والا ہے اور تمھارے اعمال کا حوالہ دیتا ہے۔ سندھ کے عالم اور عارف شاعر شاہ لطف اللہ قادری مندرجہ ذیل دو اشعار میں ان اقوال کو تضمین کے طور پر لائے ہیں۔

اندر اوطاقون اوءِ سير سبحان جي پٺار
سي پسي پروردگار کيءِ منا مني وٺار
لافاعل في الوجود الا+ءِ نکنجان نکنج ٿنار
وادي تنهن وٺار جا نسورو ٿي ناهه جيءِ

○

حقائين حق ٿنار حقان ٿئن حق
عقل وباج ان سڻءِ جني ذات مطلق

لاموجود شيءُ غيرا+ر اي ساري پڙهيائون سبق

سي واري وحدت ورق، اُوءِ نسورو ئي ناهه ٿنا.

[شاہ لطف اللہ قادری جو کلام مرتب ڈاکٹر بلوچ ۷اور۹]

صفحہ۱۵۹

کنت کنزاً مخفیًا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق.

معنیٰ: میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ پھر میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو اس لیے مخلوق کو پیدا کیا۔

[احادیث و قصصِ مثنوی ص۱۲۰، فصوص الحکم، اردو، صفحہ۲۶۳]

رومی گنج مخفی کہہ کر اس کی تشریح اس طرح کرتا ہے:

گنج مخفی بُد ز پُری جوش کرد

خاک را سلطان اطلس پوش کرد

[دفترِ اول ۲۸۶۳]

ترجمہ: وہ چھپا ہوا خزانہ تھا جو فراوانی کی وجہ سے جوش میں آ گیا اور مٹی (انسان) کو شرف دے کر شاہی لباس پہنایا۔

بیان العارفین کے مرتب نے اوپر والی حدیث کے بعد شاہ کریم کا جو شعر دیا ہے اس میں بھی 'سلطان' کا لفظ ہے۔

پاڻهي پاڻ سلطان، پاڻهي ڏي سنيهڙا

پاڻ ڪر پاڻ لهي، پاڻ سجائي پاڻ

مولانا جامی نے بھی 'اشعۃ اللمعات' میں 'سلطان عشق' کے الفاظ استعمال کیے ہیں جس کے متعلق مزید معلومات دیتے ہوئے کہتا ہے کہ: سلطان عشق بعد از تنزل وی بمرتبہ معشوقی و عاشقی خواست یعنی سلطان عشق نے تنزل کے بعد معشوق اور عاشق کا مرتبہ مانگ کر لے لیا۔

['اشعۃ اللمعات': حامد ربانی، صفحہ۴۳]

صفحہ۱۶۰، عالم نبود ولی حق بود- بعد از ظہور حق عالم شد

علمِ عروض کے مطابق یہ شعر نہیں لگتا البتہ لائحہ ۲۳ کی عبارت کا اختصار معلوم ہوتا ہے جہاں اصل عبارت اس طرح ہے۔ پس عالم ظاہر حق است وحق باطن عالم۔ عالم پیش از ظہور عین حق بود، وحق بعد از ظہور عین عالم بلکہ فی الحقیقت یک حقیقت است۔ یعنی عالم بظاہر حق ہے اور حق بباطن عالم ہے، عالم اپنے ظہور سے پہلے عین حق تھا اور حق ظہور کے بعد عین عالم بلکہ حقیقت کے لحاظ سے حقیقت ایک ہے۔ مولانا جامی اسی لائحہ ۲۳ میں اپنے اس خیال کی تائید میں قرآن شریف کی آیت "ھوالاول والآخر والظاھر والباطن" کا حوالہ دیتے ہیں۔

[لوائح جامی از تسبیحی: صفحہ۵۰]

صفحہ ۱۶۰۔ انا احمد بلا میم

یہ صوفیا کا قول ہے۔ احد اور احمد کے متعلق گلشنِ راز میں محمود شبستری کے مندرجہ ذیل اشعار ملتے ہیں۔

احد در میم احمد گشتہ ظاہر
درین دور آمد اول عین آخر

ز احمد تا احد یک میم فرق است
جہانی اندران یک میم غرق است

ترجمہ: ذاتِ احد نے میم کے اندر اپنا ظہور کیا ہے، اسی چکر میں اول آخر عین ہوا۔

احد اور احمد کے درمیان فقط میم کا فرق ہے۔ یہ مکمل جہان اس ایک میم میں غرق ہے۔

مجموعی طور پر یہ صوفیوں کا نہایت محبوب موضوع رہا ہے۔ شاہ کریم کے بعد سترھویں صدی میں سندھ کے عارف صوفی شاعر شاہ لطف اللہ قادری احد اور احمد کے اسرار کے متعلق اس طرح اظہار کرتا ہے۔

سوئي احمد، محمد، سوئي احد، ا+
سوئي واحد، وجود جو، سوئي سريرساھ

انا احمد بلاميمي، ايءُ ڳجهي پروڙج ڳاھ
جن روح اپني راھ، سي پسن ڪين پرين ري.

شاہ لطیف کا بھی مشہور بیت ہے:

احد احمد پاڻ ٻه، وچان ميم فرق
آھي مستغرق عالم انھيءَ ڳالھ ٻه

[سرڪلياڻ]

[شاھه لطف ا+ قادري جو ڪلام صفحه ۲۹, گلشن راز صفحه۲]

ص ۱۶۰

زخندہ کہ من بعکس خوبان جہان

اس کی وضاحت مقدمے میں ہو چکی ہے۔

صفحہ ۱۶۰، الحقیقة ساری فی الاکوان

ابن عربی مندرجہ ذیل اشعار میں اسی نظریے کی وضاحت کرتے ہیں:

حقیقة ظهرت فی الکون، قدرتها
فاظهرت هذه الاکوان والحجبا،
ما فی الستر بالاکوان من عجب،
بل کونها عینها مما فوی عجبًا

یعنی: وہی حقیقت ہے جس کی قدرت ہر چیز میں ظاہر ہے۔ اس ذات نے تمام موجودات اور سب حجابوں کو عیاں کیا ہے۔ موجودات کا پردے میں ہونے پر کوئی تعجب نہیں البتہ اس کا موجودات کا عین ہونا نہایت عجیب ہے۔

فص زکریا میں اس طرح الفاظ ملتے ہیں۔

فرحمة الله فی الاکوان ساریة. یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت موجودات میں جاری وساری ہے۔

مولانا جامی لوائح ۲۴ میں اپنی ایک رباعی کا اختتام اس طرح کرتے ہیں۔

سریست حقیقة الحقایق ساری

ترجمہ: وہ بھید ہے، حقیقت الحقائق جو جاری وساری ہے۔

اس قول کی ایک تشریح یہ بھی کی جاتی ہے کہ عالم موجود ہی نہ ہوتا اگر حق عالم میں جاری وساری نہ ہوتا کیونکہ یہ عالم موجود بالحق ہے یعنی عالم کا وجود حق کے ساتھ ہے۔

[تحقیق الامم فی شرح فصوص الحکم: صفحہ ۶۴، فصوص الحکم، اردو صفحہ ۳۵۔ لوائح جامی از دکتر تسبیحی صفحہ ۵۳]

صفحہ ۱۶۲۔ سبحان من اظهر الاشیاء وهو عینها.

'وہ پاک ہے جس نے اشیاء کو ظاہر کیا اور خود ان کا عین ہے۔' ابن عربی نے اپنا یہ نظریہ بڑی شد و مد سے 'فتوحات مکیہ' میں پیش کیا ہے اور اس کی اس عبارت کو وحدت الوجود کی بنیاد مانا جاتا ہے۔ نثر کے علاوہ عربی نظم میں بھی ابن عربی نے اپنے اس خیال کی بار بار وضاحت کی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ کبھی حق وخلق کو ایک دوسرے کا عین کہتا ہے تو کبھی غیر بھی۔ اس طرح کبھی خلق کو حق کی جانب اشارہ کرنے والا کہتا ہے تو کبھی حق کے تنزل سے مراد خلق لیتا ہے۔ بہر حال مولانا جامی نے اشعۃ اللعمات میں فتوحات سے ہی ایک حوالے سے ابن عربی کے اس نظریے کی نہایت خوب صورت وضاحت کی ہے۔

فهو عین کل شیءٍ فی الظهور وما هو عین الاشیاء فی ذواتها سبحانه وتعالیٰ هو هو والاشیاءِ اشیاءِ (صفحہ ۱۷)

یعنی پھر وہ سب اشیا کا عین ہے جو ظاہر ہیں لیکن وہ اشیاء کا ذات کے لحاظ سے عین نہیں۔ وہ پاک اور بڑائی والا ہے یقیناً وہ، وہ ہے اور اشیا، اشیا ہیں۔

ابن عربی اپنا یہ نظریہ کسی حد تک فصوص الحکم میں فص ہودی میں زیر بحث لایا ہے۔ جس کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل عربی شعر بھی لایا ہے۔

وما خلق تراه العين الا عينه حق.

ترجمہ: جو کچھ (مخلوق کی) آنکھیں دیکھتی ہیں وہ نہیں ہے مگر ان کا عین حق (تعالیٰ) ہے۔

شاہ لطف اللہ قادری (وفات ۱۰۹۰ھ/۱۶۷۹ء) جو شاہ کریم کے بعد سندھی زبان کے بڑے سالک اور عارف شاعر تھے نے درج بالا عبارت کو نہایت خوب صورتی کے ساتھ اپنے ایک شعر میں محفوظ کیا ہے۔

پيائي ھڙو ناھ ڪو، شڪ سيوئي لاھ
جا تو دوئي پانيئي، سار ھڏھن ناھ
سبحان من اظہر الاشيا وھو عينھا دوس دلين ۾ راھ .
ات ھنذ حڪايت ناھ، حيرت جھڙي ڳالھڙي

[شاہ لطف اللہ قادری جو کلام، ڈاکٹر بلوچ، صفحہ ۲۸، فتوحات مکیہ عربی الجزء ثانی، صفحہ ۴۵۰، فصوص الحکم، اردو صفحہ ۱۴۴، اشعۃ اللمعات صفحہ ۱۷،]

صفحہ ۱۶۱، قربِ فرائض اور قربِ نوافل

یہ حدیث قدسی کے الفاظ ہیں۔

"وما يزال العبد يتقرب الى بالنوافل حتىٰ احبه فاذا احببته كنت له سمعاً يسمع به وبصراً يبصر به ويده التى يبطش بها."

ترجمہ: میرا بندہ نوافل (عبادت) کے ذریعے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی سننے کی قوت بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔ اس طرح آنکھوں کی طاقت جن سے دیکھتا ہے اور ہاتھ جن سے وہ کام کرتا ہے۔

یہ حدیث کچھ الفاظ کے ردوبدل سے صحیح بخاری اور مشکوٰۃ میں بھی ملتی ہے۔ اس حدیث سے قربِ فرائض اور قربِ نوافل کا مطلب اخذ کیا جاتا ہے۔ یہ حدیث تین جگہوں پر بلکہ اس حدیث کے تین حصے مختلف مقامات پر 'تذکرۃ الاولیا' میں آئے ہیں۔ اس کی قربِ فرائض اور قربِ نوافل کے حوالے سے تشریح فصوص الحکم میں دو جگہوں پر فصِ اسماعیلیہ اور پھر فص لقمانیہ میں ملتی ہے۔ اس کے سوائے 'فتوحات مکیہ' میں بھی اس کا حوالہ بار بار آتا ہے۔

قربِ فرائض کا مطلب یہ ہے کہ ذاتِ خداوندی کا بندے میں اس طرح اثر ہوتا ہے کہ وہ ہر کام حکمِ الٰہی کے مطابق کرتا ہے۔ یعنی بندہ خدا کے ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہے لیکن قربِ نوافل میں بندے کے سارے کام خدا تعالیٰ کے ہاتھوں

ہوتے ہیں۔ صوفی قرآن پاک کی آیت "وما رمیت اذ رمیت ولا کن اللہ رمی" (۸:۱۸) سے قربِ نوافل کا استدلال کرتے ہیں۔

ترجمہ: تم نے نہ پھینکا جب تم نے پھینکا بالکل وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔

رومی کے مندرجہ ذیل شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

روکہ بی یسمع وبی یبصر تویی - سر تویی چہ جای صاحب سر تویی

ترجمہ: جاؤ کیونکہ بے یسمع اور بے یبصر تم خود ہو، بھید تم خود ہو بلکہ بھید کے صاحب بھی تم ہو۔ (دفترِ اول، ۱۹۳۸)

['فصوص الحکم' صفحہ ۲۴۵، 'اشعۃ اللمعات'، صفحہ ۱۵، 'احادیث وقصصِ مثنوی'، صفحہ ۸۹، قرآن اور تصوف صفحہ ۲۱، 'عوارف المعارف'، اردو صفحہ ۱۳۰، 'فتوحات مکیہ' الجزء الثانی، صفحہ ۵۴۸]۔

صفحہ ۱۶۱، کل قول قول اللہ وکل فعل فعل اللہ

ہر ایک قول خدا کا قول ہے اور ہر ایک فعل خدا کا فعل ہے۔

یہ عبارت قربِ نوافل حدیث کی ایک حوالے سے مزید تشریح ہے. جس کا دراصل مطلب عارف سے صفاتِ بشری کا ختم ہونا اور خدا کی صفات کا ظاہر ہونا ہے۔ بایزید بسطامی کی اس شطح 'سبحانی ما اعظم شانی' کا جواز 'تذکرۃ الاولیا' میں بی ینطق اور بی یسمع وبی یبصر کے مطابق وہی دیا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ مرحلہ جب بندے کا قول وفعل خدا کے قول وفعل سے ہم آہنگی رکھتا ہو۔

['تذکرۃ الاولیا' صفحہ ۲۰۷]

صفحہ ۱۶۱:

جنهن سر سندو نور، جيلاه سو سونهون ٿئي

تيلاه لين سپرين، ڳالهه لهجي مور

اس شعر کا پس منظر قرآنی آیت 'اللہ نور السمٰوات والارض اور یهدی اللہ لنورہ من یشاء' سے ملتا ہے۔ فارسی کے صوفی شعراء کے ہاں یہ نہایت پسندیدہ موضوع ہے۔ 'گلشنِ راز' میں ایک شعر یہ ملتا ہے:

ہمہ عالم بنور اوست پیدا

کجا او گردد از عالم ہویدا

ترجمہ: سارا جہاں اس کے نور سے پیدا ہوا ہے۔ پھر وہ عالم سے کیسے عیاں نظر آئے گا؟

دوسری جگہ اس بات کا جواب خود دیتا ہے کہ:

تو چشم عکسی و او نور دیدہ است
بدیدہ دیدہ را دیدہ دیدہ است

ترجمہ: تم عکس والی آنکھ ہو اور وہ خود آنکھوں کا نور ہے۔ اس آنکھ میں وہ اپنی آنکھ سے خود کو دیکھتا ہے۔

بلکہ اس کے بعد کہتا ہے کہ:

چونیکو بنگری دراصل ایں کار
ہمو بینندہ ہم دیدہ است و دیدار

ترجمہ: اگر غور کے ساتھ اس بات کی تہ تک جاؤ گے تو وہ خود دیکھنے والا اور دیکھنے والے کی آنکھ ہے اور دیکھنے والی چیز بھی!

اس شعر کا ہم معنی شاہ کریمؒ کا ایک اور شعر ہے:

سوئي هيڏانهن سوئي هوڏانهن سوئي من وسي
تنهن سندي سوجهري سوئي سو پسي

[گلشنِ راز، صفحہ ۱۶۶، ۱۴۱ اور ۱۴۳]

صفحہ ۱۶۳: خلق آدم علی صورتہ

یہ ایک لمبی حدیث کے الفاظ ہیں۔ خلق آدم علیٰ صورتہ. یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔ صوفیوں کے ہاں نہایت مشہور مقبول حدیث ہے۔ امام غزالی کی 'کیمیائے سعادت' میں اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔ 'فاعرف نفسک' یا انسان 'تعرف ربک.' یعنی خدا نے انسان کو اپنی صورت کے مطابق پیدا کیا پھر تم اپنے نفس کو پہچانو تو خدا کو پہچان لو گے۔ شیخ عبد القادر جیلانی کا اس سلسلے میں یہ قول ہے 'ماظهرت فی شیءٍ کظهوری فی الانسان' یعنی خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ میں نے خود کو دوسری کسی بھی شے میں اس طرح عیاں نہیں کیا جس طرح انسان میں لیکن سب سے زیادہ اور بار بار اس حدیث کی تشریح اور توضیح ابن عربی نے فتوحات اور فصوص الحکم میں کی ہے۔ اُس کی نظر میں اس حدیث کا خاص مفہوم یہ ہے کہ انسان خدا کی تمام صفات کا مظہر ہے بلکہ جامع ہے۔ کائنات کی دوسری کسی بھی تخلیق میں اتنی جامعیت اور شان نہیں اس لیے انسان کائنات کا سرنامہ یعنی ان کا خلیفہ ہے۔ فتوحات میں ایک جگہ وہ انسان کو خلق اور حق دونوں سمجھتا ہے۔ حق تعالیٰ نے ویسے تو عالم کی تمام صورتوں میں تجلی فرمائی ہے مگر وہ شرف فقط انسان کو حاصل ہوا ہے کہ وہ اعلیٰ اور اکمل تجلی کا نمائندہ ہے۔ ابن عربی اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ فرشتے فقط خدا کی ذات کی صفتِ جمال کے مظہر ہیں لیکن انسان خدا کے جمال و جلال دونوں کا مظہر ہے۔

مولانا رومی نے بھی اپنی مثنوی میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے:

خلق ما بر صورت خود کرد حق

وصف ما از وصف او گیرد سبق

ترجمہ: ہمیں حق تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ ہماری صفات اس کی صفات سے اسباق حاصل کرتی ہیں۔

[’فصوص الحکم‘اردو۸۶، ۲۵۷، ’فتوحات مکیہ‘، اردو ۳۸۵، ۳۸۷ [دفتر چہارم ۱۱۹۴]

صفحہ۱۶۳، ان اللہ یامرکم ان تؤدو الامانت الیٰ اھلھا۔ [قرآن ۴۔۵۸]

بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتیں لوٹائی جائیں اُنھیں جو ان کے اہل ہیں۔

صوفیوں کی نظر میں انسان کے پاس سب سے بڑی امانت خود اس کا وجود ہے اور خدا کے ہاں اس کی اہلیت کے لیے دو شرائط پورا کرنے کی ضرورت ہے۔ پہلا تجرید یعنی خود کو اس دنیا کے ظاہر تعلقات سے الگ رکھنا اور دوسرا تفرید یعنی اپنے باطن کو پاک رکھنا۔ عراقی ’لمعات‘ میں بھی اس آیتِ کریمہ کو اسی مطلب و مراد کے ساتھ زیر بحث لایا گیا ہے جس کی تشریح جامی نے اشعۃ اللعمات کے ۲۱ لمعہ میں دی ہے۔

[لمعات عراقی، صفحہ ۳۷۶، اشعۃ اللمعات: صفحہ ۱۲۵]

صفحہ۱۶۴، انا اول من ربی بسنتین۔

یعنی: میں اپنے رب سے دو برس پہلے تھا۔

اس قول کا ماخذ بھی لمعات عراقی ہے لیکن وہاں پر یہ قول ابوالحسن خرقانی سے منسوب ہے اور اول کی جگہ ’اقل‘ آیا ہوا ہے جو اس کی صحیح صورت ہے، یعنی میں اپنے رب سے دو برس چھوٹا ہوں البتہ اسی ۷ المعہ میں بالکل اسی قول کے ساتھ ابوطالب مکی کا یہ قول بھی موجود ہے: **وھو خالق العدم کماھو خالق الوجود**۔ ابوطالب (وفات ۳۸۶ھ/۹۹۶ء) کی تصوف کے متعلق ضخیم تصنیف ’**قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب**‘ موجود ہے۔ وہ اولین صوفیوں میں سے تھے جو حدیث کی سند خود روایت کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ صاحبِ صحو صوفیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کو نقل کرنے میں ’بیان العارفین‘ کے مؤلف کو اشتباہ ہوا ہے البتہ ’تذکرۃ اولیا‘ جس میں دوسرے صوفیوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ تفصیلی احوال ابوالحسن خرقانی کے متعلق دیا ہوا ہے، وہاں پر ابوالحسن خرقانی کا اس قسم کا کوئی بھی قول نہیں ملتا۔

صفحہ۱۶۳۔المومن مراۃ المومن۔

عراقی کی ’لمعات‘ میں یہ عبارت ملتی ہے ”**المومن مراۃ المومن واللہ المومن**“ یعنی مومن، مومن کا آئینہ ہے اور

اللہ مومن ہے۔

ص ۱۷۴، اريد او تريد لايكون الا ما اريد

صفحہ۱۷۵، الانسان سری وانا سره. [لمعات عراقی، صفحہ۳۶۱]

یعنی انسان میرا بھید ہے اور میں اس کا بھید ہوں۔

صوفیوں کے نزدیک یہ نہایت مقبول حدیث ہے۔ مولانا رومی نے مثنوی میں اس کی طرف اشارے کیے ہیں۔ غوثِ اعظم کے الہامات میں بھی یہ الفاظ جوں کے توں ملتے ہیں۔

ياغوث الاعظم انا مكون لمكان وليس لی مكان سوى الانسان والانسان سرى وانا سره الانسان.

ترجمہ: اے غوثِ اعظم! میں مکانوں کو پیدا کرنے والا ہوں اور انسانوں کے سوا میرا کوئی مکان نہیں، انسان میرا چھپا ہوا راز ہے اور میں انسان کا بھید ہوں۔

['احادیث وقصص مثنوی'؛ صفحہ۲۱۶ رسالہ غوثِ اعظم ۶۷]

صفحہ۱۷۶، عطار فرید الدین [۵۱۳ھ/۱۱۲۰ء-۶۲۷ھ/۱۲۳۰ء]

فارسی زبان کے یہ عظیم صوفی شاعر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ خاندانی پیشہ حکمت یا طبابت کی وجہ سے عطار مشہور ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں تذکرۃ الاولیا فارسی نثر کی نہایت مشہور و مقبول کتاب ہے۔ نظم میں 'پند نامہ'، 'منطق الطیر' اور 'اسرار نامہ' زیادہ مشہور ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں جو بھی صوفی سلسلے موجود رہے انھوں نے کسی نہ کسی صورت میں ''تذکرۃ الاولیا'' سے استفادہ کیا جس کی خاص وجہ بزرگان کے حوالے سے وہ نقل اور حکایتیں ہیں جن کے ذریعے سلوک و معرفت کے دقیق نکات بیان کیے گئے۔ صوفیوں کے حلقے میں اس کتاب کو غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی۔ تاریخی روایت ہے کہ مولانا رومی نے جوانی میں جب بلخ سے نیشاپور کا سفر کیا تو عطار سے آپ کی ملاقات ہوئی جس نے انھیں اپنی کتاب ''اسرار نامہ'' دی۔ مولانا رومی نے اپنی شاعری میں عطار اور سنائی کو ان لفظوں میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

عطار روح بود و سنائی دو چشمِ ما
ما از پئی سنائی و عطار آمدیم

ترجمہ: عطار روح تھی اور سنائی ہماری دو آنکھیں۔ ہم سنائی اور عطار کے پیچھے آئے ہیں۔

فریدالدین عطار تاتاریوں کی یلغار کے دوران ۱۲۳۰ء میں شہید ہوگیا اور نیشاپور میں مدفون ہے۔

مقدمے میں یہ بحث ہو چکی ہے کہ 'بیان العارفین' میں 'تذکرۃ الاولیا' کے اثرات کو اچھی طرح معلوم کیا جاسکتا ہے۔

عطار کو شاعری کے حوالے سے 'وحدت الوجودی فکر' کا بڑا مبلّغ اور شارح کہا جاتا ہے۔

آب در بحرِ بیکراں آب است

ورکنی در سبو ہماں آب است

لیک غیر خدائے عزو جل

نیست موجود نزد اہلِ کمال

وحدتِ خاصہ شہود این است

معنیٔ وحدت وجود این است

ترجمہ: پانی بحرِ بیکراں میں بھی پانی ہے اگر کسی برتن میں ہوگا تو بھی پانی ہے

لیکن ذاتِ خدا کے سوا برگزیدہ بندوں کے پاس اور کچھ موجود نہیں۔

شہادت کی نظر والوں کے لیے وحدت کی یہ خاصیت ہے۔

وحدتِ وجود کی تشریح بھی یہی ہے۔

صفحہ ۱۷۷، بایزید بسطامی [وفات ۲۶۱ھ/۸۷۵ء]

جلیل القدر صوفی بایزید بسطامی کے لیے ابونصر سراج 'کتاب اللمع' میں لکھتے ہیں کہ وہ کچھ وقت ابوعلی سندھی کی رفاقت میں رہے۔ جس کے لیے بایزید کا قول ہے کہ میں نے اُن سے توحید اور فنا کا علم حاصل کیا۔ شیخ بوعلی کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تیسری صدی ہجری کے دوران سندھ کے عظیم صوفی تھے۔ بایزید بسطامی تصوف کے تمام سلسلوں خاص طور پر صوفی ادب میں نہایات مقبول شخصیت ہیں جن کا تمام صوفیوں کے مقابل بہت زیادہ تذکرہ ملتا ہے۔ بیان العارفین میں بھی آپ کا ذکر بار بار آتا ہے۔ تصوف کی دنیا میں صوفیوں کی دو عام اقسام ہیں ایک کو'صاحبِ صحو' اور دوسروں کو 'صاحبِ سکر' کہا جاتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی صاحبِ صحو صوفیوں کے امام تو بایزید صاحبِ سکر صوفی شمار ہوتے ہیں۔ صاحب سکر صوفیوں سے شطحیات صادر ہوئی ہیں جن میں بایزید بھی شامل ہیں۔ بایزید کی مشہور شطح 'سبحانی ما اعظم شانی' ہے یعنی، میں پاک ہوں کتنی بڑی میری شان ہے۔ اکثر صوفیوں کی رائے کے مطابق انھیں مغلوب الحال تصور کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ بایزید کی شطحیات کی تعبیر اور دفاع حضرت جنید بغدادی نے خود کیا ہے لیکن یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بیان العارفین میں اگرچہ بایزید کا ذکر کم سے کم دس مرتبہ آیا ہے لیکن اُن کی کسی بھی شطح کے متعلق کوئی اشارہ نہیں

جس سے عام طور پر سندھ میں اس وقت کے صوفیوں اور خاص طور پر شاہ کریم کا شطحیات کے بارے میں الگ منفرد نقطۂ نظر کا پتہ پڑتا ہے۔

['تذکرۃ الاولیا' صفحہ ۱۶۶ کتاب اللمع: اردو صفحہ ۵۴۳]

صفحہ ۱۷۷، ابراہیم ادہم (وفات ۱۶۱ھ/ ۷۷۷ء)

'تذکرۃ الاولیا' کے مطابق ابراھیم ادہم اصل میں بلخ کے شہزادے تھے۔ ایک رات جب وہ اپنے محل میں سوئے ہوئے تھے تو چھت پر کسی کے چلنے کی آہٹ سنی۔ آواز دی چھت پر کون ہے۔ جواب ملا کہ تیرا دوست ہوں۔ یہاں اپنا گم شدہ اونٹ ڈھونڈنے آیا ہوں، اس بات پر ابراہیم نے کہا کہ چھت سے کیسے اونٹ ملے گا؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ پھر بادشاہی محلات میں خدا کیسے مل سکتا ہے۔ مولانا رومی جو خود بھی بلخ کے تھے، مثنوی میں کہتے ہیں کہ اس واقعے نے ابراہیم کے اندر کے بند دروازے کھول دیئے۔ کہتے ہیں کہ وہ آواز حضرت خضر علیہ السلام کی تھی۔ اس واقعے کے بعد بادشاہی ترک کر کے جنگل کا رخ کیا جہاں سخت ریاضتیں کیں اور مجاہدے کرنے لگے، آخر چالیس سالوں کی گریہ وزاری کے بعد آکر مکے پہنچے، جہاں لکڑیاں بیچ کر گزارہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دجلہ کے کنارے بیٹھ کر اپنی گودڑی کو سی رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ کو پہچان کر کہا کہ بادشاہی ترک کر کے کیا ملا۔ یہ سن کر اپنے ہاتھ والی سوئی دریا میں پھینک دی تو بیشمار مچھلیاں اپنے منہ میں سوئیاں پکڑ کر پانی میں ظاہر ہوئیں لیکن آپ نے کہا کہ مجھے اپنی سوئی چاہیے۔ اس کے بعد اس شخص کو مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ بادشاہی کے بدلے میں یہ معمولی چیز حاصل ہوئی ہے۔ یہ حکایت تذکرے اور مثنوی رومی میں ملتی ہے۔ بہرحال ابراہیم ادھم اور بایزید بسطامی کی ایک دوسرے کو دعوتِ افطار والی بات ان دونوں کتابوں میں نہیں ملتی۔

['تذکرۃ الاولیا'، صفحہ ۱۳۶]

صفحہ ۱۷۷، امام اعظم نعمان ابوحنیفہ [۸۰ھ/ ۷۰۰ء۔ ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء]

عام طور پر امام ابوحنیفہ کو عظیم فقیہ یا فقہ حنفی کا سرخیل تسلیم کیا جاتا ہے لیکن علی ہجویری، کشف المحجوب اور عطار تذکرے میں انھیں صفِ اول کے صوفیوں میں بھی شامل کرتے ہیں۔ ابراہیم بن ادھم، فضیل عیاض داؤد طائی بشر حافی جیسے جلیل القدر صوفی آپ کے شاگرد تھے۔

['کشف المحجوب': صفحہ ۱۲۵۔ ۱۲۷۔ 'تذکرۃ الاولیا' صفحہ: ۲۴۰۔ ۲۴۵]

ص ۱۷۸- رابعہ بصری (وفات ۱۸۵ھ/ ۸۰۱ء)

تصوف میں خدا کے ساتھ بے غرض اور بے لوث محبت کا نظریہ ان کا مرہونِ منت ہے۔

صفحہ ۱۷۹، احمد خضرویہ بلخی [وفات ۲۴۰ھ/ ۸۵۵ء]

تذکرۃ الاولیا کے مطابق وہ حاتم اصم سے بیعت تھے لیکن ابوتراب نقشبندی سے بھی فیض حاصل کیا اور بایزید بسطامی سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا یہ حکایت تقریباً اسی انداز میں تذکرے میں موجود ہے۔

['تذکرۃ الاولیا' فارسی ۳۵۰]

صفحہ ۱۷۹، ابن عربی، محی الدین [۵۶۰ھ/ ۱۱۶۵ء - ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء]

اندلس کے مشہور فلسفی صوفی جو اپنی تصانیف خاص طور پر 'فصوص الحکم' اور 'فتوحاتِ مکیہ' کی وجہ سے مشہور ہیں۔ 'فصوص الحکم' کے مقدمے میں رقم طراز ہیں کہ وہ سال ۶۲۷ ھ تھا جب میں نے خواب میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ ایک کتاب اٹھا کر میرے ہاتھ میں دے رہے ہیں، لہٰذا 'فصوص الحکم' کی تصنیف کا یہی سبب ہے۔ ابن عربی جہاں اندلس کے مشہور فلسفی ابن رشد سے بھی ملے تھے تو دوسری جانب اسلامی دنیا کے علمی مراکز مکہ مدینہ شام اور بغداد کی بھی سیر کی۔ وہ اپنے عظیم پیش رو امام غزالی اور شیخ عبدالقادر جیلانی کی فکر کو بھی سمجھتے تھے۔ وہ ایک حد تک غزالی پر تنقید بھی کرتے ہیں لیکن شیخ عبدالقادر جیلانی کے نظریۂ قطب کو فلسفیانہ اور منطقی انداز سے آگے بڑھاتے ہیں۔ ابن عربی کے بعد آپ کی فکر کے بڑے شارح صدر الدین قونوی، عراقی اور مولانا جامی ہیں، خاص طور پر سندھ ہند میں مولانا جامی اور عراقی کے حوالے سے ابن عربی کی فکر کو بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی اور مشہور ہوا اتنا کہ آپ کی کتابوں پر یہاں کے علماء نے نہایت پُر مغز شرحیں لکھیں، جو صوفیانہ ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک حوالے سے لوائح میں جامی نے ابن عربی کے نظریات کی نہایت شاندار انداز میں تشریح اور توضیح کی ہے۔

ص ۱۸۰، - الحقیقہ ساری فی الاکوان

صفحہ ۱۸۰، بایزید بسطامی (۲۶۱ھ / ۸۷۵ء)

یہ نقل کسی حد تک 'تذکرۃ الاولیا' کے اندر بایزید کے احوال میں موجود ہے۔

['تذکرۃ الاولیا' صفحہ ۲۰۱]

صفحہ ۱۸۰، ذوالنون مصری (وفات ۲۴۵ھ/ ۸۶۱ء)

'تذکرۃ الاولیا' میں آپ کا تفصیلی احوال موجود ہے لیکن یہ حکایت وہاں نہیں ہے۔

['تذکرۃ الاولیا' صفحہ ۱۳۷]

صفحہ ۱۸۱، شیخ فرید گنج شکر [۵۶۹ھ/ ۱۱۷۵ء - ۶۶۴ھ/ ۱۲۶۵ء]

چشتی طریقے کے بڑے صوفی بزرگ نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے فیض حاصل کیا۔ ہندستان کے مشہور صوفی

بزرگ نظام الدین اولیا آپ کے مرید اور خلیفہ تھے، آپ کے ملفوظات موجود ہیں۔ چشتی تذکروں میں آپ کا احوال تفصیل سے موجود ہے جن میں خاص طور پر 'سیر الاولیا' اور 'سیر العارفین' قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کی آخری آرامگاہ پاک پٹن پنجاب میں ہے وہ پنجابی زبان کے اولین شاعر بھی ہیں۔ آپ کی یہ شاعری سکھ مذہب کی مقدس کتاب گروگرنتھ کا ایک مستقل باب ہے۔ شیخ فرید الدین شیخ بہاء الدین ملتانی کے ہم عصر تھے اور ایک روایت کے مطابق بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی کی ملاقات کا شرف بھی حاصل کر چکے تھے۔

شیخ فرید کے متعلق یہ روایت چشتی سلسلے کے تذکروں میں نظر نہیں آئی۔

['سیر الاولیا': صفحہ ۱۴۰، سندھی زبان ۽ ادب جي تاریخ، ڈاکٹر بلوچ ۲۷۰-۲۷۳، سیر العارفین اردو صفحہ ۴۲-۷۸]

صفحہ ۱۸۲، دو درویشوں کی حکایت اور عورت کا دریا پار کرنا

یہ حکایت بالکل اسی انداز میں نظام الدین اولیا کے ملفوظات 'فوائد الفوائد' میں موجود ہے۔

['فوائد الفوائد' صفحہ ۱۵۰-۱۵۱]

صفحہ ۱۸۳، بہلول

اس کی لغوی معانی خوش طبع یا مسخرہ ہے، اس کا احوال سب سے پہلے الجاحظ کی کتاب البیان میں ملتا ہے۔ روایت کے مطابق وہ کوفے میں ۱۸۸ھ/۸۰۴ء میں ہارون رشید سے ملے تھے۔ آپ کے کئی اقوال اور حکایات مشہور ہیں۔ ایک روایت کے مطابق وہ بڑے عقل مند شخص تھے لیکن جان بوجھ کر نادانی کا روپ اختیار کر لیا۔ بہلول کا ذکر مثنوی میں بھی ملتا ہے۔

[اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۹۸۵ء صفحہ ۱۴۹]

صفحہ ۱۸۳، ابراہیم ادہم (۱۶۰ھ/۷۷۷ء)

ابراہیم ادہم اور ان کے فرزند کے متعلق یہ حکایت تذکرۃ الاولیا میں موجود ہے۔

[تذکرۃ الاولیا: صفحہ ۱۰۸]

صفحہ ۱۸۴، شیخ عبدالقادر جیلانی۔ (۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء)

شیخ عبدالقادر جیلانی کے متعلق مشہور تذکرہ 'بهجة الاسرار' اور 'خلاصة المفاخر' ہیں جن میں آپ کی کافی کرامات اور حکایات بیان کی ہوئی ہیں لیکن ان میں یہ حکایت نظر نہیں آتی۔

['خلاصة المفاخر'، اردو! لاہور، ۱۹۸۳]

صفحہ ۱۸۵، حسن بصری (وفات ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء)

صحابہ کرام کے بعد پہلے طبقے کے صوفیوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کے معاصرین میں حبیب عجمی مالک بن دینار

اور بی بی رابعہ بصریؒ آ جاتے ہیں۔ حسن بصری تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ کا نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تجویز کیا تھا۔ آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔ تذکرۃ الاولیا میں آپ کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ بی بی رابعہ بصریؒ کے لیے آپ کو از حد احترام تھا۔ کہتے ہیں کہ آپ ہفتے میں ایک وعظ کرتے تھے لیکن جب تک بی بی رابعہ بصری شریک نہ ہوتی تھیں تب تک وعظ شروع نہیں کرتے تھے۔ مالک بن دینار کے حوالے سے خبر ہے کہ ایک مرتبہ اس نے آپ سے سوال کیا کہ تباہی کس چیز میں پوشیدہ ہے۔ جواب دیا کہ مردہ دلی میں؟ اس نے پھر پوچھا کہ مردہ دلی کسے کہتے ہیں؟ جواب دیا کہ رغبتِ دنیا میں۔ 'تذکرۃ الاولیا' میں حسن بصری، مالک بن دینار اور شقیق بلخی (۱۷۴ھ) کے حوالے سے یہی حکایت تھوڑی رد و بدل سے موجود ہے۔

صفحہ ۱۸۵، حبیب عجمی

اصل فارس کے تھے۔

ص ۱۸۵، مالک بن دینار (وفات: ۱۲۷)

رسالہ قشیریہ میں ہے کہ وہ چالیس سال بصرہ میں رہے لیکن اُنھوں نے بصرے کی ایک کھجور کھانا بھی مناسب نہ سمجھا۔

[رسالہ قشیریہ ص ۳۳۴]

صفحہ ۱۸۶، بایزید بسطامی

بایزید بسطامی کے متعلق یہ حکایت 'تذکرۃ الاولیا' میں اسی طرح موجود ہے البتہ تذکرے میں مزید یہ بھی ہے کہ جب کسی سائل نے بایزید سے حقیقتِ عرش کے متعلق پوچھا تو جواب دیا کہ عرش میں خود ہوں۔ اس نے پھر کرسی کے متعلق پوچھا تو جواب دیا کہ وہ بھی میں خود ہوں۔ سائل نے پوچھا قلم کے متعلق کیا کہتے ہو۔ کہنے لگے کہ وہ بھی میں ہوں۔

['تذکرۃ الاولیا': صفحہ ۱۸۶]

صفحہ ۱۸۷، شیخ عبدالقادر جیلانی

اس روایت کا ماخذ معلوم نہ ہو سکا۔

صفحہ ۱۸۷، بی بی رابعہ بصریؒ

بی بی رابعہؒ کے متعلق یہ حکایت تذکرے میں موجود ہے۔

['تذکرہ الاولیا': صفحہ ۷۷)

صفحہ ۱۸۸، بایزید بسطامی

تذکرہ الاولیا میں بایزید کے متعلق جو حکایت ہے اس کے مطابق جس کھوپڑی پر ان کی نظر پڑی اس پر صم بکم عمی فھم لایعقلون یعنی وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں جو کوئی بھی بات نہیں سمجھتے ،لکھا ہوا تھا۔ دراصل یہ

قرآن کریم کی آیت ہے۔ تذکرے کے مطابق بایزید نے اس کھوپڑی کو اٹھا کر بوسہ دیا اور کہنے لگے کہ یہ ایک ایسے صوفی کی کھوپڑی ہے جو ذکرِ الٰہی میں اتنے پریشان رہتے تھے کہ ان کے کانوں میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ کچھ سن سکیں۔ اس طرح ان کی آنکھوں اور زبان کو یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ کچھ دیکھ سکیں یا بات کر سکیں۔ یاد رہے کہ یہ اس آیت کی صوفیانہ تشریح ہے۔ صوفیوں کا کہنا ہے کہ جب تک انسان غیرِ خدا کے متعلق اندھا، گونگا اور بہرہ نہ ہو گا تب تک ذاتِ خداوندی کا مشاہدہ نہیں کر سکے گا۔ بیان العارفین میں ہے کہ ایک شخص نے شاہ کریم کے سامنے درج ذیل شعر پڑھا اور پوچھا کہ اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

وائي وجيم شال، ڪنين سين ڪين سٽان،
پلو ڪري پال، ته اکين سين انڌو ٿيان.

آپ نے کہا کہ درست کہتا ہے۔ اس شعر میں صوفیا کی اس کیفیت کی نشاندھی کی ہوئی ہے۔ بہرحال تذکرے میں شبلی کے حوالے سے یہ ذکر ہے کہ اس کی نظر بھی ایک کھوپڑی پر پڑی تھی جس پر 'خسر الدنیا و الآخرۃ لکھا ہوا تھا اور اس نے کہا کہ وہ کھوپڑی، کسی نبی یا ولی کی ہے اور اس کا مفہوم ہے کہ جب تک دنیا اور آخرت دونوں قربان نہیں کیے جائینگے تب تک قربِ خدا حاصل نہیں ہو گا۔

صفحہ۔۱۸۹، شیخ شبلی (م ۳۳۴ھ/۹۴۶ء)

شیخ شبلی کا احوال تصوف کے تمام بنیادی کتابوں میں موجود ہے۔ بہرحال یہ حکایت تذکرۃ الاولیا میں نہیں ملتی جہاں شیخ شبلی کے متعلق کئی نقل اور حکایتیں بیان کی گئی ہیں۔

صفحہ۱۹۰۔ میران محمد جونپوری

میران محمد جونپوری کا ٹھٹھ میں آنا تاریخی طور پر ثابت ہے۔ سندھی زبان کے پہلے شاعر قاضی قادن ان کے مرید ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ سید یوسف بکھری بھی ان سے بیعت ہوئے تھے۔ شاہ کریم نے بھی ان کے بارے میں اچھے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

[قاضی قادن جو رسالو: ڈاکٹر بلوچ صفحہ ۲۳]

صفحہ۱۹۱، بایزید کی ابوالحسن خرقانی کے متعلق پیشین گوئی

تذکرۃ الاولیا میں ابوالحسن خرقانی کے متعلق زیادہ سے زیادہ تفصیلی احوال موجود ہیں، جن کی ابتدا بایزید بسطامی کی اپنی پیدائش کے متعلق پیشین گوئی سے ہوتی ہے، یہ پیشین گوئی مثنوی رومی کے چوتھے دفتر میں بھی دی ہوئی ہے۔ ابوالحسن، بایزید اور شبلی کی طرح، مقامِ محویت پر فائز تھے۔ آپ کے کئی اقوال تعبیر کے محتاج ہیں۔

['تذکرۃ الاولیا' فارسی صفحہ ۶۱۱]

صفحہ ۱۹۳، شیخ سعدیؒ (م ۶۹۱ھ/۱۲۹۲ء)

فارسی زبان کے یہ عظیم شاعر شیراز میں پیدا ہوئے۔ خوب سیر وسفر کیا۔ بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے ہاتھ پر بیعت کی، جیسے 'بوستان' کے ایک شعر میں خود انکشاف کیا ہے۔

مرا شیخ داناء فرخ شہاب

فارسی نثر میں گلستان اور نظم میں بوستان آپ کے شاہکار ہیں۔

صفحہ ۱۹۳، بی بی رابعہ بصریؒ

عطار کے 'تذکرہ اولیا' میں بی بی رابعہ بصری کے متعلق کافی نقل اور حکایات ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ جب آپ سے کسی نے پوچھا کہ شیطان سے دشمنی رکھتی ہو؟ جواب دیا کہ خدا سے محبت کی وجہ سے شیطان سے دشمنی کا وقت نہیں ملتا۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام صوفی ادب میں خاص طور پر تذکرہ نگاروں کے ہاں آپ کی شخصیت نہایت مقبول تھی اور پتہ نہیں کتنے نقل اور واقعات آپ کی طرف منسوب ہیں۔ بیان العارفین میں بھی سب سے بڑھ کر حکایات آپ کی طرف منسوب ہیں۔

['تذکرہ اولیا': صفحہ ۸۰]

صفحہ ۱۹۳، بایزید بسطامی کا دنیا وآخرت سے متعلق سوال

یہ نقل سبع سنابل میں آئی ہوئی ہے جہاں یہ بیان بھی موجود ہے کہ جب بایزید سے پوچھا گیا کہ دنیا کی یاد سے وضو کیوں؟ جواب دیا کہ دنیا محدث ہے، اس لیے اس کے ذکر سے حدث ہوا اور حدث کے بعد وضو کرنا چاہیے۔

['سبع سنابل': صفحہ ۲۹۰]

صفحہ ۱۹۴، جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ/۹۱۰ء)

ان کو صاحبِ صحو صوفیوں کا علمبردار یا سید الطائفہ کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے اعلیٰ فہم وفکر کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر ہمیشہ متوازن اور معتدل تھا۔ وہ مشہور صوفی سری سقطی کے بھتیجے اور آپ کے فیض یافتہ تھا۔ آپ کا قول ہے کہ خدا کے سوا دوسری ہر چیز کو ترک کرنا تصوف ہے۔ صوفی وہ ہے جو حضرت ابراہیم سے خلیل یعنی دوست ہونے کا، حضرت اسماعیلؑ سے تسلیم، حضرت داؤد سے غم، حضرت ایوبؑ سے صبر، حضرت موسیٰؑ سے شوق اور حضور کریم ﷺ سے اخلاص کا سبق سیکھے۔ مشہور صوفی منصور حلاج نے حضرت جنید کی صحبت اختیار کی لیکن اپنے مخصوص نظریات کی بنا پر جلد ہی علاحدہ ہو گئے۔ 'بیان العارفین' میں دیا ہوا مقولہ واضح طور پر تذکرۃ الاولیا میں موجود نہیں ہے البتہ جنید کے اقوال کی عام فہم تشریح ہے۔

['تذکرۃ الاولیا' صفحہ ۴۰۶]

صفحہ ۱۹۶۔ ابراہیم ادہم

'تذکرۃ الاولیا' میں یہ حکایت بڑے ردوبدل سے موجود ہے، مثلاً یہ ذکر ہے کہ آپ کو جو اُجرت ملتی تھی وہ آپ مزدوروں کے کھانے پر صرف کردیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ تاخیر سے آئے تو آپ کے مرید پہلے ہی سو گئے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ وہ بھوکے سو گئے ہیں، آپ آگ جلا کر ان کے لیے طعام تیار کرنے میں مصروف ہوگئے۔ اس طرح جو بھی آپ کے ساتھ چلنے کے لیے کہتا تھا تو اس کے ساتھ تین شرائط رکھتے تھے، پہلا یہ کہ میں تمھاری خدمت کروں گا، دوسرا یہ کہ نماز کے لیے اذان میں خود دوں گا، تیسرا یہ کہ جو بھی ملے گا وہ میں برابر برابر تقسیم کروں گا۔

['تذکرۃ الاولیا' صفحہ ۱۱۶]

صفحہ ۱۹۷، حسن بصری کا واعظ

'تذکرۃ الاولیا' میں ہے کہ جب تک بی بی رابعہ بصریؒ موجود نہ ہوتی تھیں، تب تک حسن بصری وعظ شروع نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے وعظ میں جوش وجذبے کے حوالے سے کہتے تھے کہ وہ رابعہ کی وجہ سے ہے۔

['تذکرۃ الاولیا' فارسی صفحہ ۳۳]

صفحہ ۱۹۸، پیر بسطامی اور نوجوان

'تذکرۃ الاولیا' میں یہ حکایت اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ بایزید بسطامی کا گزر قبرستان سے ہوا۔ دیکھا کہ وہاں کوئی نوجوان بربط کا ساز بجا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر بایزید نے لاحول پڑھی تو اس نوجوان نے وہ ساز آپ کے سر پر مار ڈالا جس سے نہ صرف بایزید کا سر پھٹا لیکن وہ ساز بھی ٹوٹ گیا۔ بایزید نے گھر آکر اُن نوجوان کو پیسے بھیجے تاکہ دوسرا ساز لے سکے۔ اس کے سوا کچھ کھانے پینے کی اشیاء بھی بھیجیں تاکہ ٹوٹے ہوئے ساز کا غم غلط کرسکے، نوجوان یہ سب دیکھ کر بہت پشیمان ہوا اور معافی مانگنے کے لیے اپنے ساتھیوں کی ہمراہ بایزید کے پاس حاضر ہوا۔

'بیان العارفین' میں اونٹ کا ذکر، نقل کو عام فہم بنانے کے لیے کیا ہوا معلوم ہوتا ہے البتہ نقل میں مزید اضافہ اسے یقینی طور پر زیادہ معانی خیز بناتا ہے، جو بایزید کے استغراق اور محویت والی کیفیت کا آئینہ دار ہے۔

['تذکرۃ الاولیا' صفحہ ۱۷۱]

صفحہ ۲۰۱، بی بی رابعہ بصریؒ کا نظریہ عبادت

بی بی رابعہ بصریؒ کے متعلق تذکروں میں بے شمار نقل اور حکایات موجود ہیں، جن کا اگرچہ اصل مقصد ومفہوم ایک ہے لیکن ہر مؤلف نے اسے نئے اور منفرد انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ جیسے اُنھیں پڑھنے اور سننے والوں کے لیے کشش پیدا کی جائے۔ تذکرے میں آپ کے یہ الفاظ ملتے ہیں اے خدا میرے لیے صرف تم کافی ہو۔ اگر میں جہنم کے خوف سے تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھے بے شک جہنم میں داخل کر اور اگر بہشت کی لالچ میں تیری عبادت کرتی

ہوں تو مجھ پر بہشت حرام کر۔ اگر میری عبادت صرف تیرے دیدار کے واسطے ہے تو پھر مجھے اپنے دیدار سے مشرف کر لیکن اس کے باوجود بھی اگر تم نے مجھے جہنم میں داخل کیا تو پھر میں یہ شکایت کرنے میں حق بجانب رہوں گی کہ دوستوں کے ساتھ دوستی والا سلوک ہونا چاہیے تھا۔ دوسری مرتبہ فرمایا کہ، جو بندہ جہنم کے خوف سے اور بہشت کی امید پر خدا کی بندگی کرتا ہے اس سے زیادہ کم ظرف انسان کوئی بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ سن کر کسی نے کہا کہ کیا تمھیں خدا کی ذات میں کوئی امید نہیں ہے، یا اس سے خوف نہیں ہے؟ جواب دیا کہ میری نظر میں جہنم اور بہشت کا نہ ہونا برابر ہے کیونکہ عبادت خدا کا فرض ہے۔ کیا اگر جہنم اور بہشت نہ ہوتے تو خدا کی بندوں پر اطاعت لازم نہیں تھی؟ دراصل بی بی رابعہ بصری کا خدا کی عبادت کے متعلق تصور، خدا سے محبت کے مترادف ہے۔ آپ کے تمام اقوال اس نقطہ ٔ نظر کی عکاسی کرتے ہیں۔

['تذکرۃ الاولیا' فارسی ۷۸]

صفحہ ۲۰۴، بی بی رابعہ بصریؒ اور کعبے کی حاضری

تذکرے میں یہ نقل اس صورت میں موجود نہیں ہے، البتہ یہ ذکر ہے کہ ایک مرتبہ ابراہیم ادہم حج کے لیے روانہ ہوئے تو ہر قدم پر دو رکعت ادا کررہے تھے، اس طرح چودہ سال کے بعد مکہ پاک پہنچے۔ دل میں سوچا کہ دوسرے لوگ پیادے آکر پہنچیں گے لیکن میں آنکھیں پاؤں بنا کر پہنچا ہوں اس بھرپور تمنا سے جب کعبے کی طرف منہ کیا تو دیکھا کہ۔

['تذکرۃ الاولیا': فارسی !صفحہ ۷۵]

صفحہ ۲۰۵، شقیق بلخی اور جینہ

'تذکرۃ الاولیا' میں بایزید کے جینے کا ذکر ملتا ہے البتہ بلخی کے متعلق ایسا کوئی بھی حوالہ نہیں ملتا۔

['تذکرۃ الاولیا' فارسی :۱۷۴]

صفحہ ۲۰۲، من طلب شیء جدوجد

تذکرۃ الاولیا میں شبلی کے احوال میں درج ہے کہ ایک دن جنید بغدادی نے کہا: 'من طلب وجد' یعنی جس نے خدا کی طلب کی تو وہ اسے ملا جس پر شبلی نے کہا کہ اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کہو 'من وجد طلب' یعنی جسے ملا وہ ہی طالب ہے۔

[تذکرۃ الاولیا فارسی :۶۲۳]

صفحہ ۲۰۳، بایزید بسطامی

تذکرۃ الاولیا میں یہ حکایت نہیں ملتی۔

صفحہ ۲۰۳، بہاء الدین زکریا کا مریدوں کو چوروں سے بچانا

پیروں کے متعلق یہ عام اعتقاد ہے جن کی مثالیں صوفی تذکروں میں موجود ہیں۔

صفحہ ۲۰۳، حضرت خضر علیہ السلام

قرآنِ پاک کی سورہ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے لیکن حضرت خضر کا نام نہیں آیا ہے۔ حضرت خضر حضرت موسیٰ کی تین مقامات پر رہنمائی کرتے ہیں جن کی حضرت موسیٰ کو کوئی خبر نہ تھی۔ صوفی وہاں سے یہ استدلال لیتے ہیں کہ حضرت خضر ہر وقت غیبی رہنمائی کے لیے موجود رہے۔ صوفی تذکروں میں ایسے کئی واقعات نقل کیے گئے ہیں جہاں حضرت خضر خود آ کر رہنمائی کرتے ہیں، جب دوسرا کوئی بھی رہبری کرنے والا نہیں ہوتا۔ ابن عربی نے اپنی مشہور تصنیف 'فتوحات مکیہ' میں حضرت خضر سے اپنی ایک ایسی ہی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

صفحہ ۲۰۵، شقیق بلخی اور بایزید

'تذکرۃ الاولیا' میں یہ حکایت جوں کی توں بایزید بسطامی کے احوال میں درج ہے۔

['تذکرۃ الاولیا' فارسی ۱۷۴]

صفحہ ۲۰۷، لقمان حکیم

قرآن کریم میں ایک سورہ آپ کے نام سے موجود ہے کہ اُنھیں حکمت کے علم سے نوازا گیا تھا۔ لقمان نہ صرف طبیب مشہور تھے بلکہ حکیم یعنی عقلمند بھی مشہور تھے۔ عطار کے 'پندنامہ' میں لقمان حکیم کے نصیحت کے ایک سَو نکات بیان کیے گئے ہیں جو اُنھوں نے اپنے بیٹے کے لیے کہے تھے۔

صفحہ ۲۱۲، حسن بصری

یہ حکایت تذکرۃ الاولیا میں نہیں، البتہ گنج شکر سے منسوب ملفوظات 'اسرار الاولیا' میں ایک واصل باللہ کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔

صفحہ ۲۱۳، شیخ پوران

['ہشت بہشت' اردو ۴۱۵]

صفحہ ۲۱۳، جنید بغدادی

تذکرۃ الاولیا میں یہ نقل بالکل اسی طرح موجود ہے۔

['تذکرۃ الاولیا' ۴۵۱]

صفحہ ۲۱۳، شیخ عبدالقادر جیلانی کی کرامت

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف منسوب بے شمار کرامات مختلف تذکروں میں موجود ہیں۔ ساتویں صدی ہجری میں لکھی

ہوئی 'بہجتہ الاسرار' میں ایک ایسی حکایت موجود ہے کہ کس طرح شیخ کی غائبانہ چیخ سے آپ کے عقیدت مند لٹیروں سے محفوظ رہے۔

[صفحہ ۱۹۱]

صفحہ ۲۱۴، شیخ بہاء الدین ملتانی

'فوائد الفوائد' کے مطابق شیخ شہاب الدین سہروردی اپنے مریدوں سے اس طرح مخاطب ہوئے، 'تم کسی پریشانی میں نہ پڑو تم گیلی لکڑیوں کی طرح ہو اور بہاء الدین سوکھی ہوئی لکڑی کی طرح۔ ظاہر ہے کہ سوکھی ہوئی لکڑی کو گیلی کے مقابلے میں جلد آگ لگتی ہے۔

['الاوراد' اردو صفحہ ۱۳]

صفحہ ۲۱۵، بزرگ کی حجامت اور خدا کا ذکر

یہی نقل ہو بہو مخدوم نوح ہالائی کے ملفوظات میں دی ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیوں کے حلقے میں اسی طرح کے نقل اور حکایات مروّج تھے جو بعد میں آپ کے مریدوں اور معتقدوں نے ملفوظات کی صورت میں محفوظ کردیئے۔ ویسے بھی شاہ کریم کا مخدوم نوح سے بڑی عقیدتمندی کا تعلق تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ نقل وہاں سے ہی سُنی ہو اور پھر آکر اپنے مریدوں کے سامنے بیاں کی ہو۔

[مخدوم نوح علیہ الرحمتہ جا چونڈ ملفوظات: صفحہ ۶۹]

صفحہ ۲۱۸، بایزید اور نوجوان

تذکرے میں یہ حکایت موجود نہیں، البتہ راستے میں جاتے ہوئے بایزید کے دو مرتبہ کتا سامنے آگیا تو آپ کے کتے سے کیے ہوئے مکالمات دیئے ہوئے ہیں۔

['تذکرۃ الاولیا': فارسی: صفحہ ۱۷۲]

صفحہ ۲۲۰،

ارتاس ملاء، جس ملدي من ملي

ديا پيک اٹاء، نيت کا کبيرا کون،

ڈاکٹر داؤد پوتہ اور ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی نے اس بیت میں ''کبیرا'' کی بجائے ''کپڑا'' پڑھ لیا۔ دراصل شاہ کریم کے حوالے سے مؤلف نے اس شعر کے صرف دو الفاظ 'دیا' اور ''پیکھ'' کے معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے یہ 'دوہا' ہندی زبان کے مہا کوی بھگت کبیر (۱۴۴۰-۱۵۱۸) کا ہے اور 'دوہے' میں آپ کا نام بھی آیا ہوا ہے۔ جس کی اصل فارسی متن سے بھی تصدیق ہوسکتی ہے۔ ارتاس اصل میں ہندی لفظ 'ارداس' ہے جو اصل میں عرضداشت کی بگڑی

ہوئی صورت ہے۔اس لحاظ سے اگر 'دوہے' کی تشریح کی جائے گی تو اس طرح ہوگی۔

میرا عرض قبول ہو مجھے اپنا پریتم ملے

اے مالک قیامت بپا کر تو کبیر کی مراد پوری ہو

اس 'دوہے' کو مزید درست پڑھنے کی خاطر جب جناب الیاس عشقی سے رابطہ کیا گیا تو اُنھوں نے اس طرح پڑھا۔

هردا آس ملاء، جس ملدي من ملي

ديا پيک اُناء ميت کبيرا کون هٺي.

ترجمہ: اے دل اس سے ملا دے جس سے من کا میل ہے۔اے دنیا روشنی کر کہ کبیر میت سے مل سکے۔

بہرحال اس 'دوہے' کی صحیح صورت اور تشریح اب بھی تحقیق طلب ہے۔

[اردو ہندی انگریزی لغات، Platts سنگِ میل لاہور۔۱۹۸۳ء]

صفحہ۲۲۱، مخدوم نوح

مخدوم نوح کی قرآن فہمی اپنے زمانے میں بہت مشہور تھی جس کا ذکر 'حدیقۃ الاولیا' کے مصنف نے بھی کیا ہے۔مخدوم نوح کا فارسی میں قرآن شریف کا ترجمہ جو سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شایع ہوا ہے اس میں حروفِ مقطعات کا مفہوم بھی دیا گیا ہے جس سے مخدوم نوح کی خصوصی استعداد کی نشاندہی ہوتی ہے۔

صفحہ۲۲۱ مخدوم آجب لانگاہ تحفۃ الکرم میں ملا آجب کے نام سے آپ کا ذکرِ خیر موجود ہے اور مخدوم صدو کا بیٹا کہا گیا ہے بالکل یہی کرامت بیان کی ہوئی ہے۔

['تحفۃ الکرم': صفحہ۴۲۵]

صفحہ۲۲۲، مخدوم ساھڑ لنجار کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

صفحہ۲۲۲ مخدوم نوح کا مرید

'دلیل الذاکرین' میں بھی یہی نقل درج ہے، جو معلوم ہوتا ہے 'بیان العارفین' سے لیا گیا ہے۔

['دلیل الذاکرین قلمی': صفحہ۲۳۲]

صفحہ۲۲۴، مخدوم نوح کا مرید قطب

'تحفۃ الکرام' میں ہو بہو احوال موجود ہے، 'دلیل الذاکرین' میں کئی مقامات پر آپ کا ذکر ہے کہ وہ کانہری کے جنگلات میں رہتے تھے۔یہی روایت وہاں پر بھی آئی ہے۔

['دلیل الذاکرین قلمی': صفحہ۲۲۰]

صفحہ ۲۲۵، قاسم کوری

'تحفۃ الکرام' میں آپ کا ذکر ہے۔

['تحفۃ الکرام' ص]

صفحہ ۲۲۵ مشائخ ہوتھی لاکھو

'حدیقۃ الاولیا' میں آپ کا ذکر شیخ الشیوخ کے عنوان کے تحت کیا ہوا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ سماع کے شائق تھے۔ آپ کے دو فرزندوں احمد اور محمد کا احوال بھی موجود ہے۔ وہ بھی سماع کا شوق رکھتے تھے۔ آپ کی سماع کی برکت سے رحمتِ باراں کے برسنے کا ذکر بھی موجود ہے۔ 'تحفۃ الاکرام' میں بھی آپ کا احوال دیا ہوا ہے۔

['حدیقۃ الاولیا': صفحہ ۱۰۱ سے ۱۱۴، 'تحفۃ الکرام': صفحہ ۳۶۸۔۳۶۹]

صفحہ ۲۲۵ مرزا شاہ حسن اور عمر بودلہ

مرزا شاہ حسن ارغون، شاہ بیگ ارغون کا بیٹا تھا جو آپ کی وفات کے بعد سندھ کے حکمران ہوئے۔ تاریخی طور پر شاہ حسن ارغون کا اگہم کوٹ سے گزرنا ثابت ہے، اس نے ۹۹۲ھ/۱۵۵۴ء میں وفات پائی۔ عمر بودلہ کا ذکر 'حدیقۃ الاولیا' اور 'تحفۃ الاکرام' میں ملتا ہے لیکن یہ واقعہ نہیں ملتا۔

['تحفۃ الکرام': صفحہ ۴۰۹، 'حدیقۃ الاولیا': صفحہ ۲۳۴، ۲۳۶]

صفحہ ۲۲۶، میرن کاتیار

'تحفہ الکرام' میں آپ کا ذکر موجود ہے۔

[صفحہ ۴۰۶]

صفحہ ۲۲۶، سید یوسف بکھری اور آپ کا بیٹا سید ابراہیم: انہی کا ذکر 'تحفۃ الکرام' میں موجود ہے۔

[صفحہ ۵۰۴۔۵۰۵]

صفحہ ۲۲۷، جرکس ولد ڈنہ

'حدیقۃ الاولیا' میں آپ کا تفصیلی احوال موجود ہے جس کے تحت اس نے شیخ بھرکیو سے بھی ایک مرتبہ ملاقات کی تھی اور مخدوم بلال سے بھی گفتگو کی تھی۔ یہ مکالمہ 'تحفۃ الکرام' میں بھی دیا گیا ہے۔

['حدیقۃ الاولیا'، صفحہ ۱۸۶۔۱۸۸، تحفۃ الکرام: صفحہ ۴۱۶]

صفحہ ۲۲۷، درویش بادو

'تحفۃ الکرام' میں اسی طرح کا ذکر موجود ہے۔

[صفحہ ۴۴۵]

صفحہ ۲۲۸۔مخدوم یعقوب پلیجہ

'حدیقۃ الاولیا' اور 'تحفۃ الکرام' میں آپ کا احوال موجود ہے اور بارش والی حکایت بھی بیان کی ہوئی ہے، البتہ 'حدیقۃ الاولیا' میں مرزا شاہ حسن کے حوالے سے آپ کی ایک کرامت کا بھی ذکر ہے۔

['حدیقۃ الاولیا': صفحہ ۲۲۳، تحفۃ الاکرام ۴۵۰]

صفحہ ۲۲۸، میرن کا تیار

یہی بات 'تحفۃ الکرام' میں موجود ہے۔

['تحفۃ الکرام' صفحہ ۴۰۶ ،'دلیل الذاکرین'، صفحہ ۲۳۲]

صفحہ ۲۲۹، شیخ بھرکیو

یہی روایت 'تحفۃ الکرام' والا بھی لایا ہے۔

[صفحہ ۴۰۴]

صفحہ ۲۲۹، یعقوب پلیجہ

یہ روایت ہو بہو 'تحفۃ الکرام' میں موجود ہے۔

صفحہ ۲۳۰، رکن الدین

'حدیقۃ الاولیا' اور 'تحفۃ الکرام' میں درویش رکن الدین ولد ڈتو کا ذکر ملتا ہے آپ کی آواز یا چیخنے سے لوگوں کے مرنے کا بھی ذکر کیا ہوا ہے۔ آپ کی وفات سال ۹۸۸ھ بتائی گئی ہے۔

['حدیقۃ الاولیا'، ۱۶۲، تحفہ الکرام، صفحہ ۳۷۳]

صفحہ ۲۳۰ درویش پلی

سانگرو دریا کے کنارے والے بزرگان کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہوا ہے۔

['تحفہ الکرام' ۳۹۳]

صفحہ ۲۳۱، مخدوم حسن ہریرہ

'تحفۃ الکرام' میں بھی یہ ذکر اسی طرح موجود ہے۔

['تحفۃ الکرام' صفحہ ۴۳۰]

صفحہ ۲۳۲، الحمد پڑھ کر دریا پار کرنا

یہ حکایت 'فوائد الفوائد' میں ملتی ہے۔

['فوائد الفوائد' صفحہ ۱۵۰]

صفحہ ۲۳۳ سید رکن الدین مٹیاری والے

'تحفۃ الکرام' میں بھی یہ احوال دیا گیا ہے۔ البتہ 'دلیل الذاکرین' میں آپ کا ذکر دو تین بار آیا ہے۔

['تحفۃ الکرام' ۴۴۱۔ 'دلیل الذاکرین' قلمی ۵۹، ۶۶]

صفحہ ۲۳۳، درویش لکرالے والے

'تحفۃ الکرام' میں آپکا نام ملتا ہے۔

[صفحہ ۴۳۷]

صفحہ ۲۳۳، حسن سٹھیو

'تحفۃ الکرام' میں بھی یہ حکایت بیان کی گئی ہے۔

[صفحہ ۴۳۵]

صفحہ ۲۳۳، مخدوم اسماعیل سومرہ

'حدیقۃ الاولیا' میں آپ کا تفصیلی احوال موجود ہے، اگھم کوٹ کے پرانے کھنڈرات میں آپ کے مزار پر وفات کا سنہ ۹۹۸ھ/۱۵۸۹ء آج تک موجود ہے، 'تحفۃ الکرام' میں آپ کا مختصر احوال ہے، جہاں مخدوم عثمان کا ذکر بھی آیا ہے۔ مخدوم اسماعیل سومرو مخدوم نوح کے ہم عصر تھے بلکہ دونوں کی وفات کا سال بھی ایک ہے، 'دلیل الذاکرین' میں بھی آپ کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے سوا 'گلزارِ ابرار' میں بھی آپ کا احوال موجود ہے۔

['حدیقۃ الاولیا'، صفحہ ۱۵۳، ۱۵۶، تحفۃ الکرام: ۴۰۷۔ ۴۰۸، 'دلیل الذاکرین' قلمی، صفحہ ۶۶، 'گلزارِ ابرار اردو صفحہ ۳۸۹]

صفحہ ۲۳۴، درویش سلیمان

'تحفۃ الکرام' میں بھی یہ حکایت موجود ہے۔

[صفحہ ۴۰۸]

صفحہ: ۲۳۴، مخدوم عربی دیانو

'حدیقۃ الاولیا' اور تحفۃ الکرام میں آپ کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ آپ کی وفات کا سال ۹۸۰ھ/۱۵۷۲ء ہے۔ وہ مخدوم نوح کے استاد تھے جنھوں نے قرآن شریف کی تعلیم آپ سے لی تھی۔ 'دلیل الذاکرین' میں یہ حکایت کرامت کے رنگ میں بیان کی ہوئی ہے، مخدوم عربی کا ذکر 'گلزارِ ابرار' نے بھی کیا ہے۔

['حدیقۃ الاولیا': صفحہ ۱۲۷، 'تحفۃ الکرام': صفحہ ۳۸۲، 'دلیل الذاکرین' قلمی: صفحہ ۸۲۔ 'گلزارِ ابرار' صفحہ ۳۷۸]

صفحہ ۲۳۶، درویش ہوتھی لاکھو

'حدیقۃ الاولیا' اور 'تحفۃ الکرام' میں ہوتھی لاکھو کا سماع کے متعلق غیر معمولی ذوق کا ذکر ملتا ہے۔

['تحفۃ الکرام' ص ۳۱۳، 'حدیقۃ الاولیا' ۲۱۰]

صفحہ ۲۳۵، شیخ طلحہ

شیخ طلحہ اور پیر مراد کے متعلق یہ حکایت 'تحفۃ الکرام' میں موجود ہے۔

['تحفۃ الکرام': صفحہ ۶۱۲]

صفحہ ۲۳۵، میرن کا تیار

یہ روایت 'تحفۃ الکرام' میں بھی موجود ہے۔

صفحہ ۲۳۵ شیخ ممون

ان کا نام 'تحفۃ الکرام' میں موجود ہے۔

[صفحہ: ۴۵۰]

صفحہ ۲۳۷: مخدوم صدرالدین راہوٹی

'تحفۃ الکرام' میں دو مقامات پر آپ کا ذکر ملتا ہے۔

[صفحہ ۳۸۵ اور ۴۳۰]

صفحہ ۲۳۸، مخدوم صدو لانگاہ

آپ شہید عنایت صوفی جھوک والے کے بڑے دادا تھے۔

['تحفۃ الکرام' صفحہ ۴۲۵۔]

ص ۲۳۸، سید علی شیرازی کا 'تحفۃ الکرام' میں کئی مرتبہ ذکر ملتا ہے۔

['تحفۃ الکرام' ص ۱۷۸]

صفحہ ۲۳۸، شیخ پٹھو

'حدیقۃ الاولیا' کے مطابق آپ کی وفات ۶۸۰ھ/۱۲۸۲ء میں ہوئی تھی۔ وہ لعل شہباز قلندر کے ہم عصر تھے۔ آپ کا تفصیلی احوال پہلے ہو چکا ہے۔

صفحہ ۲۳۹، شیخ بھرکیہ کی کرامت

'تحفۃ الکرام' میں یہ روایت بیان کی ہوئی ہے۔

[صفحہ ۴۰۳]

صفحہ۲۳۹، صابو سومرو 'تحفۃ الکرام'

[ص۴۲۹]

صفحہ۲۴۰، پنیو سنھارو

'تحفۃ الکرام' میں یہ واقعہ درویش بھبھو سہار کے نام سے دہرایا گیا ہے۔

[صفحہ۴۴۳_۴۴۴]

صفحہ۲۴۰' شیخ ریحان اور شیخ ابراھیم

'تحفۃ الکرام' نے آپ کو سومرا لکھا ہے اور آپ کی اولاد سے شیخ ابراہیم کے علاوہ دوسرے لوگوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

'تحفۃ الکرام' کے مطابق شیخ ریحان لعل شہباز کے ہم عصر تھے۔

[صفحہ۴۴۵_۴۴۶]

صفحہ ۲۴۸ . واللہ خلقکم وما تعلمون (قرآن ۳۷ . ۹۶)

ابن عربی 'فتوحات' میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کام کرنے یا اکتساب کی صفات سے نوازا ہے لیکن اُسے کسی چیز کی قدرت نہیں دی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ خود قادر مطلق ہے۔ گویا انسان کے اعمال کا خالق بھی وہ خود ہے۔

یہی بحث لافاعل فی الوجود الااللہ کے باب میں گزر چکی ہے جہاں ابنِ عربی نے یہ آیت حوالے کے طور پر دی ہے۔

اس پُوری بحث کو فارسی کے اس شعر میں سمویا گیا ہے۔

خلق حق افعال مارا موجد است
فعل ما آثار خلق ایزد است۔

ترجمہ: خدا کی خالقیت ہمارے افعال کی وجہ ہے ہمارے کام خدا کی خلقت کے آثار ہیں۔

عراقی نے پھر المعات ۱۷ میں اس آیت پر مزید روشنی اس طرح ڈالی ہے:

آں را کہ بخود وجود نبود
خود فعل کجا تو اندش بود

ترجمہ: جس کا اپنا وجود نہ ہُوا سے اپنے فعل کی قوت کہاں سے آئی؟

['فتوحات مکیہ' اردو ۲۴ اور ۱۴۹ المعات از عراقی سعید نفیسی صفحہ ۳۹۱]

صفحہ ۲۴۱، درویش آچر اور سید علی شیرازی

یہی روایت 'تحفۃ الکرام' نے بھی نقل کی ہے۔

[صفحہ ۶۱۴]

صفحہ۲۴۲میرن کا تیار

یہ روایت دلیل الذاکرین نے بھی دی ہے۔

صفحہ۲۴۲مخدوم نجیم

'تحفتہ الکرام' نے ریل کے بزرگان میں آپ کا ذکر کیا ہے اور آپ مخدوم نوح کے عقیدت مند بتائے گئے ہیں۔

صفحہ۲۴۳، راجو ستیو دل

'تحفتہ الکرام' کے مطابق اُنھوں نے ۹۷۷ھ میں وفات پائی۔ وہ مجذوب واصل باللہ تھے۔

[صفحہ۴۴۹ع]

صفحہ۲۴۴، سید حیدر شاہ

'تحفتہ الکرام' کے مطابق وہ سن کے رہنے والے تھے اور مخدوم بلال کے عقیدت مند تھے۔ یہی روایت بیان کی ہوئی ہے۔

[صفحہ۳۶۵،۳۶۶]

صفحہ۲۴۳، قاضی قادن

قاضی قادن کے متعلق یہ روایت اور کہیں بھی نہیں ملتی البتہ قاضی قادن کے اشعار اور شاعری کا ذکر پہلی مرتبہ 'گلزارِ ابرار' میں ملتا ہے۔

['گلزارِ ابرار' صفحہ۲۷۵]

صفحہ: ۲۴۵، شیخ ۳۲ بہرکیہ:

یہی روایت تحفتہ الکرام میں موجود ہے۔

[صفحہ۴۰۴ع]

صفحہ۲۴۵، بہاءالدین گودڑیو اور درویش موسیٰ

'تحفتہ الکرام' نے بیان العارفین سے یہ روایت لی ہے البتہ 'دلیل الذاکرین' میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ جمعہ جاڑیجہ کی وساطت سے مخدوم نوح کے مرید ہوئے۔

['تحفتہ الکرام' صفحہ۔۔۔۔ 'دلیل الذاکرین' صفحہ۱۲۹]

صفحہ۲۴۶، درویش پلی

یہی روایت 'تحفتہ الکرام' میں بھی موجود ہے۔

[صفحہ۳۹۳]

صفحہ ۲۴۶، احمد رونجھو

'تحفۃ الکرام' میں شاہ کریم کی صحبت میں رہنے والوں میں آپ کا نام بیان کیا گیا ہے۔

صفحہ ۲۴۷، مخدوم ساہڑ لنجار انڑ پور والے

'دلیل الذاکرین' میں ہے کہ پہلے دو اشخاص جنھوں نے مخدوم نوح سے فیض حاصل کیا، وہ مخدوم ساہڑ لنجار اور شیخ المشائخ ہوتھی لاکھو تھے۔

['دلیل الذاکرین' قلمی: صفحہ ۱۵۸]

صفحہ ۲۵۱، عبدالرشید بصر درویش عبداللطیف اور عیسو 'فقیر تحفۃ الکرام' والے نے تینوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔

[صفحہ ۴۲۴]

صفحہ ۲۵۳، سید علی شیرازی اور سماع

سید علی شیرازی ثانی ٹھٹھہ کے انجوی سادات کے چشم و چراغ تھے۔ مخدوم نوح کے مرید اور عقیدت مند تھے۔ سماع سے خاص دلچسپی تھی۔ آپ شاعر بھی تھے۔ سندھی شاعری میں آپ کا ایک شعر ملتا ہے۔ 'تاریخِ معصومی' میں آپ کا ذکر ملتا ہے۔

[سنڌي ٻوليءَ ادب جي تاريخ, ڊاڪٽر بلوچ ١٩٩٩, صفحه ٣٠٥]

صفحہ ۲۵۴، مرزا غازی ترکھان

مرزا جانی بیگ کے بعد سولہ سال کی عمر میں مغلوں کی طرف سے سندھ کے حکمران بنے۔ اُنھوں نے سال ۱۰۲۱ ہجری ۱۶۱۲ء میں وفات پائی۔

صفحہ ۲۵۵، مرزا جانی بیگ

آپ اپنے باپ مرزا باقی ترکھان کے مرنے کے بعد سندھ کے حکمران بنے، آپ کے دور میں اکبر کے سپہ سالار عبدالرحیم خان خانان سندھ پر حملہ آور ہوئے۔ آخر آپ نے دہلی کی فرمانروائی قبول کی اور اُنھیں لے جا کر دہلی میں ٹھہرایا گیا۔ یہ واقعہ سال ۱۰۰۰ ہجری/۱۵۹۱ء میں ہوا جب شاہ کریم کی عمر ۵۶ سال تھی۔

صفحہ ۲۵۷، جام ہالو

'تاریخ طاہری' میں جام ہالے کا ذکر ہے۔ اس کا مرزا غازی بیگ سے زمین کے معاملے پر تکرار ہوا تھا۔

['تاریخ طاہری' صفحہ ۲۴۵]

صفحہ ۲۵۷، امرانہ

یوسف میرک نے ٹھٹھہ کے سرداروں کی فہرست میں جام ہالے اور امرانے کا نام لیا ہے۔

['تاریخ مظہر شاہجہانی' صفحہ ۳۴]

صفحہ ۲۶۰، مخدوم آجب

'تحفتہ الکرام' کے مطابق وہ صدر لانگ گاہ کے بیٹے تھے اور غالباً شاہ کریم کے ہم عصر تھے۔

صفحہ:۲۶۲:تفسیر حسینی: یہ تفسیر فارسی زبان کے مشہور نثر نویس ملا حسین واعظ کاشفی (وفات ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء) کی تصنیف ہے۔اس تفسیر کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں کئی مقامات پر قرآنی آیات کی تشریح اور تعبیر مشہور صوفی بزرگان اور شعراء کے اقوال سے کی گئی ہے۔جن میں خاص طور پر خواجہ عبداللہ انصاری کی تفسیر 'کشف الاسرار' ابن عربی کی تصنیف 'فتوحات مکیہ'، شیخ شہاب الدین سہروردی کی ''عوارف المعارف''، ابو طالب مکی کی 'قوت القلوب'، 'مثنوی مولانا رومی'، فخر الدین عراقی کی لمعات، محمود شبستری کی 'گلشنِ راز' شامل ہیں۔اس میں جامی کی شاعری کے کئی حوالے بھی ملتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے صوفیاء کے پاس یہ تفسیر بہت مقبول تھی۔

صفحہ ۲۶۵، پیر لاکھو

یہی حکایت 'تحفتہ الکرام' نے بھی نقل کی ہے

[صفحہ ۴۳۷]

صفحہ ۲۶۵ ،سید ابراھیم عرف پیر پردیسی

یہ روایت بھی تحفتہ الکرام میں موجود ہے۔

[صفحہ ۴۳۱]

صفحہ ۲۶۷، حاکم علی مصطفیٰ

مرزا مصطفیٰ سنہ ۱۰۲۸ھ/ ۱۶۱۸ء میں مغلوں کی طرف سے ٹھٹھہ میں حکمران ہوئے۔

['تحفتہ الکرام' صفحہ ۲۳۳]

فہرست-۱

قرآنی آیات، احادیث اور اقوال

الف

ب

ت

ح

خ

س

ش

ق

ف

ع

غ

ک

ل

م

فہرست ۲

مقدمہ، متن اور حوالہ جات میں مذکور کتابیں

۱۔ قرآن مجید مترجم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تفسیر از حضرت حسن الواعظ الکاشفی۔ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی، پاکستان ۱۹۸۴ء

۲۔ فہرست تفسیر کشف الاسرار وعدۃ الابرار معروف بہ تفسیر خواجہ عبداللہ انصاری بہ کوشش ڈاکٹر محمد جواد شریعت، تہران ۱۳۶۳۔

۳۔ الفتوحات المکیہ۔ تالیف محی الدین ابن عربی، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔ لبنان۔ ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۸ء

۴۔ تذکرۃ الاولیا شیخ فریدالدین عطار، بررسی ڈاکٹر محمد استعلامی، انتشارات زوار، باب نہم ۱۳۷۷۔

۵۔ کشف المحجوب
تالیف ابوالحسن علی بن عثمان جلابی ہجویری غزنوی
بہ کوشش ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی (رہا)
انتشارات مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان اسلام آباد ۱۴۱۴ھ

۶۔ تحلیل کشف المحجوب
تالیف ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی (رہا) اسلام آباد ۱۹۹۹ء

۷۔ مثنوی معنوی
مولانا جلال الدین محمد بلخی
از قوام الدین خرمشاھی
کتابخانہ ملی ایران ۱۳۷۸ ہجری

۸۔ احادیث وقصص مثنوی
تالیف بدیع الزمان فروزانفر
ترجمہ: کامل و تنظیم مجدد
حسین دادوی، تہران ۱۳۷۶ ہجری

۹- گلشنِ راز
شیخ محمود شبستری
مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان
لاہور ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۷۹ء

۱۰- دیوان کامل فخر الدین عراقی مع لمعات
مقدمہ وتصحیح
اسماعیل شاہرودی
انتشارات فخر رازی ۱۳۷۴ ہجری

۱۱- دیوان فخر الدین عراقی
بکوشش سعید نفیسی
از انتشارات کتابخانہ سنائی ۱۳۳۶ ہجری

۱۲- اشعۃ اللمعات جامی
با نضمام سوانح غزالی وچند کتاب عرفانی دیگر
بتصحیح ومقابلہ مرحوم حامد ربانی -تھران ۱۳۵۲ ہجری

۱۳- دبستان مذاہب مع تعلیمات
موبد کیخسر و اسفندیار
بہ اہتمام رحیم رضا زادہ ملک
کتابخانہ ظہوری ۱۳۶۲ ہجری

۱۴- لوائح فارسی
مولانا جامی
ای ایچ ونفیلڈ اور محمد قزوینی
ایران پاکستان مرکزِ تحقیقات
اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۸ء

۱۵- مثنوی ہفت اورنگ تالیف عبد الرحمان جامی
تصحیح ومقدمہ مدرس گیلانی ،طہران ۱۳۳۷ ہجری

۱۶- لوائح تالیف مولانا نور الدین عبد الرحمان جامی
بہ کوشش محمد حسین تسبیحی
کتاب فروشی فروغی ۱۳۴۲ تہران

۱۷- فتوحات مکیہ، اردو، جلد اول
مترجم مولوی محمد فضل خان
تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۹ء

۱۸- فصوص الحکم اردو
ترجمہ مولانا عبدالقدیر صدیقی
پروگریسو بکس، لاہور ۱۹۹۳ء

۱۹- فصوص الحکم اردو
مترجم محمد برکت اللہ لکھنوی فرنگی محلی
تصوف فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۹ء

۲۰- تحقیق الامم فی شرح 'فصوص الحکم' اردو
محمد عطاء اللہ
مطبع خیبر پرنٹرز پشاور ۱۹۸۳ء

۲۱- مراۃ الاسرار
مؤلف شیخ عبدالرحمان چشتی
تحقیق وترجمہ کپتان واحد بخش سیال
الفیصل اردو بازار لاہور

۲۲- رسالہ غوث اعظم
مع شرح موسومہ بہ
جواہر العشاق
خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی گیسودراز
پروگریسو بکس، لاہور، ۲۰۰۰ء

۲۳- نفحات الانس، اردو
تالیف مولانا جامی
مترجم حافظ سید احمد علی صاحب چشتی
لاہور، ۱۹۹۷ء

۲۴- عوارف المعارف اردو
مترجم حافظ سید رشید احمد ارشد
شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۲ء

۲۵- ہشت بہشت اردو
مجموعہ ملفوظات خواجگان، چشت
مترجم عنصر صابری
ناشر پروگریسو بکس، لاہور ۱۹۹۶ء

۲۶- سبع منابل اردو
مصنف میر عبدالواحد بلگرامی
مترجم مفتی محمد خلیل خان برکاتی
حامد اینڈ کمپنی، لاہور طبع ثانی ۱۹۹۹ء

۲۷- سیر الاولیاء ترجمہ اعجاز الحق قدوسی
اردو سائنس بورڈ، لاہور ۱۹۹۶ء

۲۸- قرآن اور تصوف ڈاکٹر میر ولی الدین
پروگریسو بکس، لاہور، ۱۹۷۹ء

۲۹- رموزِ عشق ڈاکٹر میر ولی الدین
لاہور ۱۹۷۹ء

۳۰- تصوفِ اسلام عبدالماجد دریابادی
اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۰ء

۳۱- تذکرۃ الاولیا اردو
مبارک علی قادری
شبیر برادرز، لاہور ۱۹۸۰ء

۳۲- فوائد الفواد ملفوظات حضرت نظام الدین اولیا
ترجمہ پروفیسر محمد سرور
محکمہ اوقاف لاہور، ۱۹۸۵ء

۳۳- 'حدیقۃ الاولیا' فارسی، تالیف سید عبدالقادر
تصحیح سید حسام الدین راشدی
سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۶۷ء

۳۴- تحفۃ الکرام از علی شیر قانع
مترجم مخدوم امیر احمد
سندھی ادبی بورڈ، دوسرا ۱۹۶۷ء

۳۵- معیار سالکان طریقت قرن اول تا بارہویں صدی ہجری میر علی شیر قانع مقالہ برائے پی ایچ ڈی سید خضر حیات نوشاہی
بیت الحکمت ریسرچ انسٹیٹیوٹ دانش گاہ ہمدرد مدینۃ الحکمت ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۴ء

۳۶- سندھی زبان اور ادب کی تاریخ
ڈاکٹر نبی بخش بلوچ
پاکستان اسٹڈی سینٹر، جام شورو ۱۹۹۹ء

۳۷- تاریخ مظہر شاہجہانی
مؤلف یوسف میرک
سندھی ادبی بورڈ ۱۹۷۰ء

۳۸- تاریخ طاہری
سید محمد طاہر نسیانی تصحیح ڈاکٹر نبی بخش بلوچ
سندھی ادبی بورڈ
مترجم نیاز ہمایونی ۱۹۹۵ء

۳۹- آداب المریدین اردو
شیخ ضیاء الدین سہروردی
مترجم محمد عبدالباسط
اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۰ء

۴۰- الاوراد اردو
بہاء الدین ذکریا ملتانی
مترجم محمد میاں صدیقی
اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۸۶ء

۴۱- ’جوہر تقویم‘
ضیاء الدین لاہوری
ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۴ء

۴۲- محی الدین ابن عربی
تالیف ڈاکٹر محسن جہانگیری
مترجم احمد جاوید اور سہیل عمر
ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۹ء

۴۳- قاضی قادن کا رسالہ
تحقیق اور ترتیب، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ
انسٹیٹیوٹ آف سندھالوجی جام شورو سندھ ۱۹۹۹ء

۴۴- مخدوم نوح سرور جا سہیو گی
پروفیسر محبوب علی چنہ، سندھ ادبی بورڈ جام شورو ۱۹۹۱ء

۴۵- چونڈ ملفوظات
غوث الحق مخدوم نوح ؒ ہالائی
قاضی محمد شوکت علی قریشی ہالا پرانا ۱۹۹۹ء

۴۶- کریم جو کلام
ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندی
سندھی ادبی اکیڈمی لاڑکانہ ۱۹۷۶ء

۴۷- مکتوباتِ روضی دھنی
محقق ڈاکٹر نذر حسین سکندری
مدرسہ صبغۃ الھدیٰ سانگھڑ ۱۹۹۶ء

۴۸- دلیل الذاکرین قلمی (فوٹو کاپی)
مملوک کتب خانہ قاضی غلام محمد قریشی، ہالا پرانا

۴۹- مکلی نامہ
سید حسام الدین راشدی
سندھی ادبی بورڈ، حیدر آباد

۵۰- تفسیر انوار الاسرار
تصنیف مسیح الاولیا شیخ عیسیٰ جند اللہ پاٹائی ثم برہان پوری
سندھی ترجمہ: پروفیسر محمد عثمان میمن
ادارہ پاٹ ھاؤس، ۱۹۹۸ء حیدر آباد

۵۱- عوارف المعارف سندھی
مترجم مخدوم عبدالجبار صدیقی
ادارہ پاٹ ہاؤس حیدرآباد ۱۹۸۸ء

۵۲- شاہ جو رسالو- شاہ جو کلام (جلد ۱-۸)
ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، علامہ قاضی تحقیقاتی تھا حیدرآباد

۵۳- اشرف العلوم ترجمہ سندھی منظوم
مثنوی مولانا روم، مولانا دین محمد ادیب فیروز شاہی
آر ایچ احمد اینڈ برادرس- حیدرآباد ۱۹۴۹-۱۹۱۶ء

۵۴- اذکار ابرار اردو ترجمہ گلزارِ ابرار
مصنف محمد غوثی شطاری مانڈوی، مترجم فضل احمد جیوری، لاہور ۱۳۹۵ ہجری

۵۵- 'قوت القلوب' جلد اول و دوم
شیخ ابوطالب مکی، ترجمہ محمد منظور الوجیدی
شیخ علامہ علی سنز- لاہور ۱۹۸۸ء

۵۶- 'کتاب اللمع فی التصوف'
ابونصر سراج طوسی
اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء

۵۷- شرح فتوح الغیب
تصنیف شیخ عبدالحق محدث دھلوی
ترجمہ علامہ ظہور احمد جلالی، صفہ اکیڈمی لاہور ۲۰۰۰ء

۵۸- 'تاریخ تصوف'
پروفیسر یوسف سلیم چشتی، دارالکتاب لاہور، ۱۹۹۹ء

۵۹- ھمعات شاہ ولی اللہ
اردو ترجمہ محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی ۱۹۶۴ء

60. The Masnavi of Jalaluddin Rumi
R.A. Nicholson 8 Vols
E.J. Gibb Memorial
London 1926-1940

61. Muslim Saints & Mystics
A. J. Arberry
Routledge and Kegan Paul, London 1966

62. Tales From the Masnavi (2 vols)
A.J. Arberry
George Allan and Unwinlfd london 1961.

یہ کتاب نیشنل بک فاؤنڈیشن کی درج ذیل بک شاپس پر دستیاب ہے

- اسلام آباد: 6۔ماؤ ایریا، تعلیمی چوک، G-8/4، اسلام آباد فون: 051-9261125
  - این بی ایف کلب بک شاپ، اسلام آباد کلب، اسلام آباد فون: 051-9046242-8447242
  - این بی ایف بک شاپ "معطر کتاب" ایف سیون مرکز، جناح سپر مارکیٹ، اسلام آباد فون: 0300-5077966
- راولپنڈی: ریلوے بک سٹال: پلیٹ فارم نمبر 3، ریلوے اسٹیشن، راولپنڈی کینٹ فون: 0333-5756891
- لاہور: لوئر گراؤنڈ فلور، بلڈنگ نمبر 1، ایوانِ اقبال کمپلیکس، ایجرٹن روڈ، لاہور فون: 042-99203863 فیکس نمبر 042-99203866
  - ٹریولرز بک کلب/شاپ: علامہ اقبال انٹرنیشنل ایئرپورٹ، لاہور فون: 042-37740961
  - ریلوے بک سٹال: پلیٹ فارم نمبر 2، ریلوے اسٹیشن، لاہور فون: 0321-4376490
- واہ کینٹ: این بی ایف بک شاپ، سنٹرل لائبریری عمارت واہ کینٹ (Premises) فون: 051-9314004
- فیصل آباد: شاپ نمبر 10، ہاشمی ہال شاپنگ سنٹر، زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد فون: 041-2648179
- ملتان: شاپ نمبر 6-5-4، ایم۔ڈی۔اے روڈ، نزد آرٹ کونسل، ملتان فون: 061-9201281
  - ریلوے بک سٹال: پلیٹ فارم نمبر 3، ریلوے اسٹیشن، ملتان کینٹ فون: 0301-7556886
- پشاور: پلاٹ نمبر 37-36، سیکٹر B-2، فیز 5، حیات آباد، پشاور فون 091-9217273 فیکس نمبر: 091-9217273
- ایبٹ آباد: فرسٹ فلور، پبلک لائبریری، جلال بابا آڈیٹوریم، ایبٹ آباد فون: 0992-9310291
- ڈیرہ اسمٰعیل خان: این بی ایف بک شاپ، گورنمنٹ اسلامیہ ہائرسیکنڈری سکول نمبر 2، سرکلر روڈ، ڈی آئی خان فون 0336-7221016
- بنوں: این بی ایف بک شاپ، نیئر بنوں پریس کلب، پریتھی گیٹ، بنوں فون: 0333-9765617-0346-9155018
- کراچی: این بی ایف، بریل کمپلیکس بلڈنگ، نزد پی ٹی وی اسٹیشن، سٹیڈیم روڈ کراچی فون: 021-99231762 فیکس نمبر 021-99231089
  - ٹریولرز بک کلب/شاپ: ڈومیسٹک ڈیپارچر لاؤنج، جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ، کراچی فون: 021-99248432
  - ریلوے بک سٹال: پلیٹ فارم نمبر 1، کینٹ ریلوے اسٹیشن، کراچی فون: 0300-9254426
- سکھر: پبلک لائبریری، اولڈ سکھر فون: 071-9310892
- روہڑی: ریلوے بک سٹال: پلیٹ فارم نمبر 4-3، ریلوے اسٹیشن، روہڑی فون: 0307-2952608
- حیدرآباد: این بی ایف بک شاپ، اولڈ کیمپس، گاڑی کھاتہ، حیدرآباد فون: 022-9200251 0347-3201467
- خیر پور: این بی ایف بک شاپ، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیر پور فون: 0304-3762791
- لاڑکانہ: این بی ایف بک شاپ، شہید محترمہ بے نظیر بھٹو میڈیکل یونیورسٹی، لاڑکانہ فون: 074-9410229
- جیکب آباد: این بی ایف بک شاپ، ریڈ کریسنٹ بلڈنگ، ڈی سی چوک، قائداعظم روڈ، جیکب آباد فون: 0722-650817
- کوئٹہ: مکان نمبر 3-9/9، ناتھا سنگھ سٹریٹ، کوئٹہ فون: 081-9201570 فیکس: 081-9201869

نیشنل بک فاؤنڈیشن

6۔ماؤ ایریا، تعلیمی چوک، G-8/4، پوسٹ بکس نمبر 1169، اسلام آباد
فون: 9261125، 051-2255572 فیکس نمبر: 051-2264283
ای میل books@nbf.org.pk ویب سائٹ www.nbf.org.pk

بیانِ العارفین
وُ
تنبیہ الغافلین

ملفوظات سید عبد الکریم شاہ
ُبلڑی والے

بیان العارفین
و
تنبیہ الغافلین

ملفوظات سید عبدالکریم شاہ
بُلڑی والے

O

سندھ کے صوفیانہ فکر و عرفان کی تاریخ میں ''بیان العارفین'' کی ایک خاص اہمیت ہے۔ وہ اس لیے کہ مستند تاریخی روایت کے مطابق سندھ کے عظیم صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ (متوفی 1752/1165) قرآن شریف اور مثنوئ رومیؒ کے علاوہ اس کتاب کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، چنانچہ اس لحاظ سے شاہ صاحب کے فکری ارتقا میں اس کا بڑا دخل ہے۔

شاہ عبدالکریم بُلڑی والے جو شاہ لطیفؒ کے پردادا تھے؛ اپنے عصر کے باکمال صوفی شاعر اور عارف تھے۔ یہ ان کے فکر و نظر کا کمال تھا کہ آپ کی وفات کے صرف چھ سال بعد ایک فاضل عقیدت مند محمد رضا نے آپ کے ملفوظات کو مرتب کیا۔ یہ کتاب سندھ کے علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی، اس لیے آج تک سندھ کے کئی کتب خانوں میں اس کا سراغ ملتا ہے۔

بیان العارفین کی اس خصوصی اہمیت کا احساس مجھے ''شاہ عبداللطیفؒ اور مولانا رومیؒ کے صوفیانہ افکار'' پر تحقیق کے دوران ہوا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملنے کے فوراً بعد میں نے اس پر کام کا آغاز کر دیا اور بیان العارفین کا مکمل سندھی ترجمہ، تفصیلی مقدمہ، تحقیق اور تعلیقات کے ساتھ سال 2002 میں منظر عام پر آیا۔ اس کی دوسری اشاعت سندھی ادبی بورڈ نے سال 2008 میں شائع کی اور اب اسے اُردو میں پہلی مرتبہ شائع کیا جا رہا ہے۔